

ملکتِ چین سے غمِ دل

برنارڈ شا کی شہرِ آفاق
تمثیل

مُترجمہ

آغا افتخار حسین
بی۔ اے آنرز (علیگ)

فیضانِ کتب
لاہور

قیمت تین روپیہ چار آنہ کلدار
قیمت تین روپیہ بارہ آنہ سکر خانہ

جلد حقوق عرصہ دس سال کے لیے
 بجن چودھری محمد اقبال سلیم گاہندی مالک لغتیں کا ڈبھی
 دسویں پیشنگ پاؤس مابدوڈ۔ حیدر آباد دکن محفوظ ہیں۔

۸۲۲۵۹۱۴
 طبع اول
 ایک ہزار

۳۳۸۶۹	مئی ۱۹۲۷ء
۴۵۳۳	ج

رزاقی پریس
 حیدر آباد۔ دکن

سیباچہ (۹)

جارج برنارڈشا کا یہ ڈرامہ کے لیے دیباچہ لکھنے کی اس لئے ضرورت
 ہے کہ انھوں نے خود اپنے ڈراموں کے دیباچے لکھے ہیں اور ان دیباچوں کا ترجمہ
 کے ڈراموں کے ساتھ شائع کر دینا اس لئے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ برنارڈشا کے
 دیباچے اصل ڈرامے سے کہیں زیادہ طویل ہوتے ہیں اس لئے میں نے
 نہ ڈرامہ کا ترجمہ کر دیا ہے اور ترجمہ میں کوشش کی ہے کہ متن کو کسی
 تشریح و تفسیر کی ضرورت نہ رہے۔

برنارڈشا کا یہ ڈرامہ ایک "عاشق مزاج" عاشق کی داستان
 ہے، "عاشق مزاج" اور محض "عاشق" میں فرق ظاہر ہے، جو اپنا غم دل اپنی
 وقت کو سنانا چاہتا ہے۔ لیکن اچھی طرح سننے نہیں پاتا اور اسی
 میں وہ اسے اپنا شوہر بنانے کی بجائے جھولا جھلا کر ٹٹا دیتی ہے
 اس شخص سے شادی کر لیتی ہے جو اس سے دور بھاگ کر آخر کار
 کی آغوش میں جا چھپتا ہے۔ محبت کی اس مثلث کے علاوہ برنارڈشا
 اس ڈرامہ میں چند ایسے کرداروں کی تخلیق کی ہے جن کے لئے
 بھی فتا نہیں۔ موصف نے اس ڈرامہ کو "ایک فلسفہ اور ایک طریقہ"

کہا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ڈرامہ میں ادب اور فلسفہ کا اس قدر جبر
 اور کیفیت آفریں امتزاج مجھے گونٹے کے ”فادسٹ“ کے علاوہ اور کہ
 ملا۔ میری نظر میں اس ڈرامہ میں برنارڈ شا کے آرٹ کی تمام خوبسہ
 موجود ہیں۔ میں نے ترجمہ میں اصل ڈرامہ کے کردار اور مقامات کے ا
 ناموں کی بجائے ہندوستانی نام دیئے ہیں تاکہ قارئین کرام پر غیر
 زبان کے نام گراں نہ گزریں۔ اور ڈرامہ کا پس منظر اجنبی معلوم نہ ہو۔

حیدر آباد۔ دکن

۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء

۱۵ مئی ۱۹۳۷ء

افتخار

حسین ہونٹوں کی حسین مسکراہٹوں کے نام
افتخار حسین

ریک رمینڈن	ارد شیر چینی
آکینولیس	کیتباد صحر مزجی
اتار پو	کینخرو
جان شانر	پرویز ایرانی
جیک	جانی میاں
این	پرویں ہمدانی
روڈا	یاسمین ہمدانی
والوٹ	نسرین ہرمزجی
لوئر اسٹریکی	حامدہ یانو
ہنری سٹریکی	مقصود علی
بیگم وائٹ فیلڈ	بیگم ہمدانی
میلون	شمعون ظلمان
ھیکٹر	خورشید ظلمان
دول	رحمان
میند وزا	سکندر خاں
ڈان جواں	نخیام

مکتبہ چین ہے غمِ دل.....“

ایک طریقہ — اور — ایک فلسفہ

پہلا ایکٹ

اردو شیر حینائی اپنے دارالمطالعہ میں بیٹھا خطوط کھول کھول کر پڑھتا ہے، دارالمطالعہ نہایت سلیقہ اور نفاست سے آراستہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مالک کوئی معزز شخص ہے۔ مگر بہت صاف سحرا ہے۔ اردو شیر سوسائٹی میں بہت بڑی عزت و شہرت کا مالک ہے۔ اس کے بال مجبورے تو ہو ہی چلے ہیں کچھ دنوں میں بالکل سی سفید ہو جائیں گے۔ موسم بہار شباب پر ہے۔ اردو شیر نے ایک سیاہ لائنا کوٹ پہن رکھا ہے۔ اور ایک سفید واسکٹ۔ تیلون کو کالی کہا جائے یا نیلی؟

لہ بزنار ڈشا تہید اور سہا بیان کرنے میں بعض اوقات غیر ضروری حد تک تفصیل سے کام لیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر میں نے تلخیص اور اختصار کی جبارت کی ہے۔ (مترجم)

خیران دونوں رنگوں کے بین بین کسی رنگ کی ہے۔ ارد شیر صبح سے کہیں باہر نہیں گیا۔ سیلیپر پہنے بیٹھا ہے اس کی عمر کوئی اکٹھ باسٹھ سال کی ہوگی۔ وہ بچپن سے سچا پارسی ہے اور رجعت پسند لیکن ہمیشہ اپنے آپ کو آزاد خیال اور مصلح ظاہر کرنیکی کوشش کرتا ہے وہ اپنی لکھنے کی میز پر بیٹھا ہے۔ میز کے قریب کتاب دان ہے۔ اس کے اس کے سامنے کی دیوار کے نزدیک دو چھپر کی موتیں رکھی ہیں دیواروں پر شاہیر عالم کی تصاویر آویزاں ہیں۔ ایک خادمہ ایک ملاقاتی کارڈ لیکر کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ ارد شیر کارڈ لیکر دیکھتا ہے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کارڈ کسی ایسے شخص کا ہے جس سے ملاقات اس کے لئے باعث مسرت ہے

ارد شیر۔ انہیں اندر لے آؤ۔

خادمہ جاتی ہے اور ملاقاتی کو لیکر اندر آتی ہے۔

خادمہ۔ جناب کی قباد ہرمرجی تشریف لائیے۔

ہرمرجی واقعی ایک بہت حسین اور وجیہ نوجوان ہے۔ اس کا چہرہ ریادین۔ مختصر اور تناسب خدوخال صاف چمکتی آنکھیں۔ نوجوانی کے گرم خون سے دکھتا ہوا چہرہ۔ آراستہ کئے ہوئے گھگھروالے بال کشادہ پیشانی محراب نما بھوئیں جن سے ذہانت ٹپکتی ہے یہ سب علاوہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ شخص محبت اور مصائب سے ابھی دوچار نہیں ہوا۔ جوانی وہ داخل ہوتا ہے اسے دیکھ کر ارد شیر کے چہرے سے شفقت ٹپکتی

۱۰
ہے۔ نووارد ماتی لباس میں ہے وہ غلین صورت بنائے ارد شیر کی
طرف بڑھتا ہے۔ اسے دیکھ کر ارد شیر کے چہرے پر بھی تاسف کے آثار نمایاں
ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارد شیر نووارد کے سوگ اور غم کی وجہ
سے واقف ہے۔ جب نووارد میز کے قریب آ جاتا ہے تو ارد شیر اس سے
ہاتھ ملاتا ہے اور دونوں کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ غم میں دونوں
ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

ارد شیر (ہاتھ ملانیکے بعد تشفی آمیز لہجے میں) بس بس۔ کیتباو۔ یہ غم سب کے
حصہ میں آیا ہے، ہم سب ایک نہ ایک دن اس غم سے دوچار ہوتے ہیں بیٹھ جا
کیتباو۔ ملتا تائیوں کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور ارد شیر اپنی کرسی پر
کیتباو۔ جی ہاں ہم سب واقعی اس غم سے دوچار ہوتے ہیں لیکن انہی
مجھ پر بہت عنایات تھیں۔ انہوں نے وہ سب کچھ میرے لئے کیا جو میرے
والد مرحوم میرے لئے کرتے۔

ارد شیر۔ اُن کے کوئی بیٹا بھی تو نہیں تھا۔ یہ تو دیکھو!
کیتباو۔ لیکن اُن کے بیٹیاں تو تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ میری
بہن پر بھی اتنے ہی مہربان تھے جتنے مجھ پر۔ اور آہ! ان کی موت
کس قدر اچانک ہوئی۔ میں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ میں اُن پر ظاہر
کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اُن کی عنایات کا احساس اور اعتراف ہے لیکن میں
موقع کا منتظر تھا۔ لیکن اب وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اور کیا کیا میری
نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب وہ کبھی نہ جان سکیں گے کہ ان کیلئے میرے دل

میں کیا کیا جذبات تھے۔

(رومال نکال کر) آنکھوں پر رکھ لیتا ہے)

اردو شیر۔ کیتباو! تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہارے واردات قلبی سے

ناواقف تھے۔ وہ ضرور واقف ہونگے۔ قطعی طور پر تم کچھ نہیں کہہ سکتے

آؤ۔ روؤ نہیں (کیتباو اپنے آپ کو ہنساتا ہے اور اپنا رومال رکھ لیتا

ہے) بس ٹھیک ہے اچھا اب میں تمہاری تسلی و تشفی کیلئے کچھ کہتا ہوں

پچھلی دفعہ جب اسی کمرے میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے کہا تھا

کیکی بڑا امرنجاں مرغِ قلم کا لڑکا ہے۔ اور جب میں دیکھتا ہوں کہ آج کل اولاد

والدین کی کتنی قدر و منزلت کرتی ہے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ کیکی میرے

لئے اولاد سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیا یہ تمہاری تشفی کیلئے کافی نہیں۔

کیتباو۔ اردو شیر صاحب! وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ انہوں نے ساری

دنیا میں صرف ایک شریف آدمی دیکھا ہے اور وہ اردو شیر چٹائی ہے۔

اردو شیر۔ خیر یہ تو ان کی بندہ نوازی ہے۔ ہم پرانے دوست تھے۔ لیکن

وہ تمہارے متعلق ایک اور بات بھی کہتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے وہ

بات تمہیں بتانی چاہیے یا نہیں۔

کیتباو۔ اس کا فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔

اردو شیر۔ وہ اپنی لڑکی کے متعلق کچھ کہتے تھے۔

لے کیتباو کا بگڑا ہوا نام ہے جسے ماں باپ یا عزیز و اقارب یا بے تکلف دوست اکثر رکھ لیا کرتے ہیں

کیقباد: (بہت اشتیاق سے) کیا کچھ پرویں کے متعلق؟ ارد شیر صاحب!

مجھے ضرور بتائیے وہ کیا کہتے تھے۔
 ارد شیر: وہ یہ کہتے تھے کہ اچھا ہی ہوا کہ تم اُن کے بیٹے نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ سوچ رہے تھے کہ کبھی پرویں اور تم۔ (کیقباد شرماتا ہے) خیر غالباً مجھے یہ بات تمہیں بتانی نہ چاہیے تھی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ اس پر آمادہ تھے۔

کیقباد: آہ۔ کاش کہ ایسا ہوتا! ارد شیر صاحب آپ جانتے ہیں کہ مجھے دوت اور جاہ و حشم کی پرواہ نہیں۔ اور نہ ہی انہیں حاصل کرنکی کوشش کر نیکی میرا جی چاہتا ہے۔ پرویں ایک عجیب و غریب طبیعت کی لڑکی ہے۔ وہ معمولی چیزوں کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ اسکی رائے میں جو شخص بہت دور کی نہ سوچے وہ مکمل انسان ہی نہیں۔ اُسے خطرہ ہے کہ اگر وہ مجھ سے شادی کر لیگی تو اُسے مجھ اپنا شوہر کہتے ہوئے شرم آئیگی کیونکہ اس کے خیال میں میری زندگی کامیاب زندگی نہیں ہے۔

ارد شیر: (اُٹھتے ہوئے اور انگلی سے پیٹھ کا سہارا لیتے ہوئے)

بیوقوف کہیں کے تم بہت بھولے ہو۔ ابھی اسکی عمر ہی کیا ہے کہ وہ انسان کی قدر کر سکے (سنجیدگی سے) اس کے علاوہ وہ بہت فرمانبردار لڑکی ہے۔ اسکے باپ کی خواہش اسکے لئے حکم الہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاید تم نہیں جانتے کہ جب سے اُس نے ہوش سنبھالا ہے اس نے اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ کہتی رہی "ابا جان کی یہ خواہش ہے" اماں جان اسے پسند نہ کر نیگی

یہ اُس میں یہ ایک اچھی خاصی کمزوری ہے۔ میں نے اُسے اکثر سمجھایا ہے کہ اُسے چیزوں پر خود غور کرنا سیکھنا چاہیے۔ لیکن اسکی سمجھی میں نہیں آتا۔ کیقباد۔ (اپنا سر ہلاتے ہوئے) ارد شیر صاحب! میں اس سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ تمہارے ابا چاہتے ہیں اسلئے تم میرے ساتھ شادی کرو۔ ارد شیر۔ نہیں یوں نہیں جب تم اُسے اپنی قابلیت اور حسن سیرت سے جیت لو گے تو اس کے لئے یہ باعثِ مہرت ہو گا کہ وہ اپنے مرحوم باپ کی اور اپنی خواہش پوری کرے۔ کہو تم اس سے کہو گے نا؟ کیقباد۔ (غم آمیز خوشی سے) کچھ بھی ہو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں کہو نہ گا تو اس سے ہی کہو نہ گا کی اور سے نہیں۔

ارد شیر۔ ارے تمہیں کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑیگی۔ وہ تمہیں خود قبول کر لیگی۔ بر خور دار! حالانکہ ذرا سنجیدہ ہو کر تم میں ایک بڑی کمزوری ہے۔ کیقباد۔ (بے تاب ہو کر) کونسی کمزوری ارد شیر صاحب! بلکہ مجھے کہنا چاہیے میری بہت سی کمزوریوں میں سے کونسی کمزوری؟

ارد شیر۔ میں تمہیں بتاتا ہوں (میز سے ایک سرخ جلد کی کتاب اٹھاتا ہے) میرے ہاتھ میں ایک ایسی کتاب ہے جس سے زیادہ بدنام۔ اخلاق سوز۔ فتنہ انگیز اور فحش کتاب کوئی اور نہیں ہو سکتی میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔ میں اسے پڑھ کر اپنے دماغ کو پر اگندہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اخباروں نے جو اس کتاب پر رائے زنی کی ہے وہ میں نے دیکھی ہے۔ اس کا نام ہی مجھے اس سے ممنوع کر دینے کیلئے کافی ہے۔ (پڑھتا ہے) ”رفیق انقلاب پسندان“

مصنف پرویز ایرانی رکن انجمن اُمراء عیش پسند

کیقباد (سکراتے ہوئے) لیکن جانی میاں.....

اردو تیسر۔ خدا کے لئے میرے غریب خانے پر اُسے ”جانی میاں“ کے نام سے یاد نہ فرمائیے (کتاب کو تیزی سے میز پر پھینک دیتا ہے۔ اس کے بعد کسی قدر مطمئن ہو کر کیقباد کے پاس آتا ہے اور نہایت سنجیدگی سے راز دارانہ لہجے میں اُس سے مکالمہ ہوتا ہے) کیقباد میرے مرحوم دوست نے سچ کہا تھا کہ تم ایک مرغیاں مرغی قسم کے رطکے ہو میں جانتا ہوں کہ یہ شخص میلہ طلب ہے پرویز تمہارا ہم مکتب ہے اور تم ضرور اس کا ساتھ دو گے کیونکہ تمہاری بچنے کی دوستی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ایک دوسرے پہلو پر غور کرو۔ میرے دوست کے گھر میں تم ایسے رہتے تھے جیسے ان کی اولاد تمہارے وہاں رہنے کی وجہ سے تمہارے احباب کو بھی وہاں لے جانے سے روکا نہیں جاسکتا تھا۔ تمہاری وجہ سے پرویز ہمیشہ سے وہاں آتا جاتا ہے وہ پروین سے ایسا ہی بے تکلف ہے جتنے تم۔ جب تک اس کے والد زندہ تھے ان چیسروں پر غور کرنا ان کا فرض تھا نہ کہ میرا۔ پرویز ان کے سامنے کا ایک نوڈا تھا اور اس کی رائے اسی قدر مضحکہ خیز سمجھی جاتی تھی جتنا کہ ایک بچہ کے سر پر ایک بڑے آدمی کا ہیٹ لیکن اب پرویز ایک جوان مرد ہو گیا ہے اور پروین ایک جوان عورت

بے پرویز کو اس کے بے تکلف دوست اس نام سے یاد کرتے ہیں۔ مترجم

اور اس کے باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ چکا ہے میں میچ غور نہیں کر سکتا کہ مرحوم نے کیا وصیت کی ہے لیکن اس مسئلہ پر اکثر ان کی اور میری گفتگو ہوئی اور مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ وصیت کی رو سے میں پرویں کا سرپرست اور متولی قرار دیا جاؤنگا (الفاظ پر ذرا زور دیکر) اب میں تم پر یہ امر قطعی طور پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گا کہ پرویں۔۔۔ پروینز کو بری صحبت سے اس لئے متاثر ہو کیونکہ تمہارا دوست ہے یہ نامناسب ہے۔ غلط ہے۔ اور پرویں کے حق میں اچھا نہیں۔ اس معاملہ میں تم قدم اٹھاؤ گے؟۔

لیتھیا۔ لیکن خود پرویں نے جانی میاں سے کہا ہے کہ چاہے اس کے خیالات کیسے بھی ہوں اُسے ہمیشہ خوش آمدید کہا جائیگا کیونکہ وہ اس کے مرحوم باپ کا ملنے والا تھا۔

روشنیر۔ (ضبط کر کے) یہ رڑکی اپنے والدین کی فرمانبرداری کے پیچھے دیوانی ہوئی جاتی ہے (جذبہ ہو کر) صاف کرنا قیقا و مروت کی بھی ایک حد ہوتی ہے تم جانتے ہو کہ میں کوئی کینہ پرور متعصب انسان نہیں۔ تم جانتے ہو کہ میں اب بھی سیدھا سا وادشیر ہوں جبکہ اور لوگوں کے نام کیسا تھ خطابوں کے دم چھلے لگ گئے ہیں حالانکہ میں نے ان سے کہیں زیادہ محنت اور مشقت کی ہے میں ان سب چیزوں سے محروم ہوں کیونکہ میں ہمیشہ مساوات اور ضمیر کی آزادی کا حامی رہا اور وہ لوگ گرجوں اور اُمرا کے دونوں کا طواف کرتے رہے مرحوم ٹھیکہ دانی اور میں نے اپنی

ازاد خیالی کمی وجہ سے بہت سے مواقع کھو دیئے۔ خیر اگر بر
 پرویں کا سر پرست ہو گا۔ تو اُسے سمجھ لینا پڑیگا کہ اُس کے کچھ فرائض
 میرے لئے بھی ہیں میں اسے برداشت نہیں کروں گا! نہیں کروں گا!
 اُسے پرویز کو مکان میں آنے سے روک دینا ہو گا اور تمہیں بھی ادا
 کرنا ہو گا۔

(خادمہ آتی ہے)

کیقباؤ۔ لیکن —

اروشیر۔ (خادمہ کی طرف اسکی توجہ مبذول کراتے ہوئے) سس!! ہاں
 خادمہ۔ جناب! دیر صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

اروشیر۔ پرویز۔ پرویز صاحب؟

کیقباؤ۔ جانی میاں!

اروشیر۔ پرویز صاحب کو میرے پاس آنیکی کیسی جرات ہوئی۔ اُن۔
 کہو کہ میں ان سے نہیں مل سکتا۔

کیقباؤ (ذرا غمزہ ہو کر) مجھے افسوس ہے کہ آپ میرے دوست
 اس طرح اپنے دروازے سے باہر نکال رہے ہیں

خادمہ۔ (اطمینان سے) لیکن جناب وہ دروازہ پر نہیں ہیں۔ وہ
 دیوان خانہ میں مس چینیائی کے پاس ہیں۔ وہ بیگم جدائی مس پر
 اور مس سحر منجی کے ساتھ آئے ہیں۔

لے مس چینیائی اروشیر چینیائی کی بہن ہے

(اردو شیر کی حالت ناگفتہ بہ ہے)

بقیاد۔ (ہنسکر) اردو شیر صاحب! جانی میاں کی یہی عادت ہے چاہے

آپ اسے نکال دینے ہی کیلئے لٹے۔ لیکن لئے ضرور

دشیر (اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیکر اور غصہ کو ضبط کر کے) اوپر جاؤ

اور پرویز صاحب سے کہو کہ براہ کرم نیچے تشریف لے آئیں۔ (خادمہ چلی

جاتی ہے اور اردو شیر انگلیٹی کے پاس واپس آجاتا ہے گویا وہ ایک مورچہ

میں پناہ لے رہا ہے) کیا بد تمیزی ہے کیا یہی ہیں وہ فوضوی ANARCHIST.

اخلاق جنہیں تم پسند کرتے ہو؟ اور ہاں پرویز اس کے ساتھ ہے۔ پر.... و

.... میں ںںں۔ (آؤ اس کے گلے میں پھنس جاتی ہے)

بقیاد۔ ہاں اسی سے تو مجھے حیرت ہوتی ہے وہ پرویز سے اس قدر ڈرتا

ہے کہ کچھ بات ضرور ہے۔

پرویز ایرانی ایک دم دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوتا ہے اسے

ایک ڈاڑھی والا بڑا بوڑھا تو نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ ابھی جوان ہے

لیکن اس کی جوانی ضرور ڈھل چکی ہے۔ اس میں جوانی کا بانکپن ابھی موجود

ہے۔ اسکے شانے اوپچے ہیں اور اس کے بال پیشانی سے نیچے کی طرف

سنوارے ہوئے ہیں جن سے حسن سے زیادہ جلال ٹپکتا ہے۔ اس کی گفتگو

میں حیرت انگیز روانی ہے اور طبیعت میں ایک سیما بی بی چینی جو بعض اوقات

جنون کی حد تک پہنچ جاتی ہے اس نے کپڑے پہننے میں خاصی احتیاط برتی ہے

نخوت اور فوق خود غمانی کنی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ایک وہ ملاقات

کو اتنی ہی اہمیت دیتا ہے جتنی کہ بعض لوگ شادی کرنے کو یا سنگ
بنیاد رکھنے کو اہمیت دیتے ہیں وہ ایک نازک مزاج - حساس اور سنجیدہ قسم
کا انسان ہے لیکن اسکے باوجود حد درجہ کا بدلہ سنج۔

اس وقت تھوڑی دیر کیلئے اس کی طبیعت بدلہ سنجی کی طرف مائل نہیں
ہے۔ کیونکہ اسکے مزاج کا ہر پہلو اسکی سیما ب صنعت طبیعت کا منظر ہوتا
ہے اس وقت وہ ذرا الجھا ہوا ہے۔ وہ سیدھا اردو شیر کی طرف جاتا
ہے گویا اُسے جان سے بھی مار ڈالیکا لیکن جو کچھ وہ اپنی حیثیت باہر نکالتا
ہے وہ پتول نہیں بلکہ ایک دستاویز ہے جسے وہ اردو شیر کے ہنڈکے
سامنے لے جاتا ہے)

پرویز - اردو شیر تم جانتے ہو یہ کیا ہے
اردو شیر - دستکبازانہ لہجے میں (جی نہیں
پرویز - ہمدانی مرحوم کی وصیت کی نقل ہے۔ یہ
اردو شیر - پرویز سے غالباً آپ کا مطلب اس ہمدانی ہے
پرویز - میرا مطلب ہے ہاری پرویز۔ آپکی پرویز۔ کیگی کی پرویز۔ اور
خدا کے فضل سے میری پرویز

کیقباد - (آزاد ہو کر) کیا مطلب؟

پرویز - مطلب؟ (وصیت کو دکھاتے ہوئے) کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس
وصیت کی رو سے پرویز کا سرپرست کون مقرر ہوا ہے؟

۱۰ اردو شیر صبا نہیں چاہتے کہ پرویز پرویز کا اصلی نام لیکر بے تکلفی کا اظہار کرے

اروشیر (اطمینان سے) میرا خیال ہے کہ میں۔

پرویز۔ آپ؟ آپ اور میں۔ حضرت! میں! میں! میں! ہم دونوں
(وصیت نامہ کو میز پر بھینک دیتا ہے)

اروشیر۔ آپ؟ نامکُن!

پرویز۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے (کیقباد کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) اروشیر
کسی طرح مجھے اس مصیبت سے بچاؤ تم پرویں کو اتنا نہیں جانتے جتنا میں
جانتا ہوں۔ وہ ہر جرم کا ارتکاب کر لگی جو ایک شریف عورت کر سکتی ہے
اور اس کا جواز یہ کہ کر ثنابت کر نیکی کو شش کر لگی کہ اسکے سر پرستوں کی یہی
خواہش تھی۔ وہ سب الزام ہم پر تو ڈالے گی اور میں اس پر اتنا ہی قابو ہو گا
جتنا دو چوہوں کو ایک بلی پر ہو سکتا ہے۔

کیقباد۔ جانی میاں اگر تم پرویں کے متعلق اس طرح گفتگو نہ کرو تو زیادہ بہتر ہو گا
پرویز۔ یہ صاحبزادے اسکے عشق میں گرفتار ہیں۔ یہ ایک اور مصیبت ہے
وہ یا تو انہیں یہ کہہ کر ٹر خادگی کہ پرویز نے انہیں پسند نہیں کیا یا یہ کہہ کر
شادی کر لگی کہ پرویز نے یہی حکم دیا تھا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ
سب بڑی آفت ہے جو میری عمر اور مزاج کے افسان پر نازل ہو سکتی ہے۔
اروشیر۔ ذرا وہ وصیت نامہ میں خود دیکھوں (لکھنے کی میز کے پاس جاتا ہے)
اور وصیت نامہ اٹھاتا ہے) مجھے یقین نہیں آتا کہ میرے دوست ہمدانی مرحوم
نے مجھ پر اس قدر عدم اعتماد کا مظاہرہ کیا کہ مجھے ایک ایسے شخص کے ساتھ۔
(وہ وصیت نامہ پڑھ کر اور پریشان ہو جاتا ہے)

۲۰
 پرویز۔ اور تم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا ہوا ہے۔ اُس نے
 ایک روز مجھ سے کہا کہ آپ یعنی اردشیر صاحب پرویز کے سرپرست ہونگے
 اور میری بے وقوفی دیکھیے کہ میں نے کہا کہ ایک جوان عورت کو ایک
 دقیانوسی خیالات کے انسان کے سپرد کر دینا حماقت ہوگی۔

اردشیر (گھڑا کر) میرے خیالات دقیانوسی !!!

پرویز۔ بالکل دقیانوسی! اُن ہی دنوں میں نے ایک مضمون ختم کیا ہے جس کا
 عنوان ہے ”سفید بال والوں کی حکومت مردہ باد“ اور اس مضمون میں میں
 بہت سی دلائل اور مثالیں پیش کی ہیں خیر تو میں نے مرحوم سے کہا تھا کہ مناسب
 یہ ہو گا کہ ایک بوڑھے آدمی کے تجربے کو ایک جوان آدمی کی جستی و چالاکی
 کے ساتھ ملا دیا جائے۔ خدا مجھے غارت کرے اگر میں جھوٹ بولوں۔

میرے الفاظ کا اس افسدے کے بندے پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے وصیت نامہ میں
 ترمیم کر دی اور مجھے آپ کے ساتھ شریک سرپرست بنا دیا۔ یہ وصیت نامہ میری
 گفتگو کے دو ہفتے ہی بعد لکھا گیا ہے۔ دیکھ لو تاریخ۔

اردشیر باز رہو کر اور قہقہہ کن انداز میں) میں اس وصیت پر عمل کرنے سے
 انکار کر دوں گا۔

پرویز۔ اس سے کیا فائدہ۔ میں ہمیشہ سے افکار کرتا ہوا آ رہا ہوں۔ لیکن
 پر دین کہہ رہی ہے اب وہ یتیم ہے۔ اور اُسے یہ اُمید نہیں کہ جو لوگ
 اُس کے باپ کی زندگی میں اُس کے گھر پر آئے تھے اب اُسے اکیلا چھوڑ
 دینگے۔ یہ ایک نیا بہانہ ہے۔ یتیم!۔ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے ایک مگرچہ

کہے کہ میں یتیم ہوں اور بھو اور بھو جوں کے رحم و کرم پر ہوں۔
 کیتقاو۔ ینا سب نہیں جانی میاں وہ یتیم ہے اور تمہیں اسکی مدد کرنی چاہیے
 پروینز۔ مدد کرنی چاہیے؟ آخسر وہ کس خطرے میں؟ قانون
 اس کی مدد کرے گا ہر شخص اس کی مدد کرے گا۔ اس کے پاس بہت دولت ہے
 لیکن ضمیر ندارد۔ وہ مجھ سے صرف اتنا چاہتی ہے کہ اپنی تمام اخلاقی ذمہ داریاں
 مجھ پر لا دے۔ اور میری شخصیت کے فائدہ اٹھا کر جو جی میں لے کرے میں
 اُس پر قابو حاصل نہیں کر سکتا اور وہ جو چاہے مجھ سے منوا سکتی ہے۔ اس
 تو میں اس کا شوہر ہی کیوں نہ بن جاؤں۔

اروشیر۔ آپ سرپرستی قبول کرنے سے انکار کر دیجئے۔ میں تو آپ کے ساتھ
 سرپرستی میں شریک ہونے سے ضرور انکار کر دوں گا۔

پروینز۔ جی ہاں! اور معلوم ہے وہ کیا کہے گی؟ وہ یہ کہے گی کہ اُسکے
 باپ کی خواہش اسکے لئے قابلِ تعظیم ہے اور یہ کہ چاہے میں اسکی سرپرستی
 کی ذمہ داری لوں یا نہ لوں وہ مجھے اپنا سرپرست ہی تصور کرے گی۔ انکار ہا۔
 اُس سے انکار کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے آپ ایک اچکر کو گلے لگانے سے انکار
 کر دیں جبکہ اُس نے آپ کے گلے کو جکڑ لیا ہو۔

کیتقاو۔ اس قسم کی گفتگو میرے لئے زیادہ خوش کن نہیں ہے جانی میاں۔
 پروینز۔ اٹھ کر کیتقاو کے پاس جا کر اُسے تسلی دیتے ہوئے اور ذرا درد
 بھری آوازیں (اگر وہ ایک جوان سرپرست چاہتا تو اس نے لیلی کو ہی

کیون نہ مقرر کر دیا۔

اردو شیر ہاں سچ تو ہے اُس نے کیوں نہیں کیا؟

کیقباد۔ میں بتاتا ہوں۔ انہوں نے میرا نام لیا تھا لیکن میں نے خود ہی

انکار کر دیا کیونکہ میں پروین سے محبت کرتا ہوں میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ

میں سرپرست بنا کر نہ برستی اس پر مسلط کر دیا جاؤں۔ مرحوم نے پروین سے

بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی تھی اور پروین نے میری رائے سے اتفاق کیا

تھا۔ اردو شیر صاحب آپ جانتے ہیں کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ جانی میا

بھی اس حقیقت سے واقف ہیں۔ اگر جانی میاں کو ایک عورت سے محبت

ہوتی تو میں اُن کے سامنے اُن کی محبوبہ کو اجگر سے تشبیہ نہ دیتا۔ چاہے

مجھے اس لڑکی سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہوتی (سچہ کی مورتوں کے

درمیان بیٹھ جاتا ہے اور اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیتا ہے)

اردو شیر۔ میرا خیال ہے کہ جب عداانی مرحوم نے یہ وصیت نامہ مرتب کیا

تھا تو اس وقت ان کے ہوش و جاں بجا نہیں تھے۔ آپ اسے تسلیم

کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے اثر سے وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔

پروین۔ آپ کو میرا ممنون ہونا چاہیے کہ میں نے عداانی کو متاثر کیا۔ اس نے

دو ہزار پانچ سو پونڈ اس در و سہری کے معاوضہ کے طور پر آپ کیلئے

چھوڑے ہیں۔ اُس نے کیبکی کی بہن کے لئے جہیز اور خود اس کیلئے

پانچ ہزار چھوڑے ہیں۔ اور کیا چاہیئے؟

کیقباد۔ آبدیدہ ہو کر۔ نہیں میں یہ رقم قبول نہیں کرؤں گا ان کے احسانات

مجھ پر کافی سے زیادہ ہیں۔

پرویز۔ میاں صاحبزادے اگر اردشیر نے اس وصیت نامہ کی تعمیل میں کچھ گڑ بڑ کی تو وہ تمہیں ملینگے ہی نہیں خاطر جمع رکھو۔

اردشیر۔ اور میرے لئے نہ جائے ماذن نہ پائے رفتی۔

پرویز۔ اور میرے لئے محض پرویں کے اخلاق چھوڑے ہیں

کہ میں ان کی حفاظت کرتا رہوں کیونکہ غالباً میرے پاس ضرورت سے

زیادہ دولت ہے۔ اس سے یہ تپہ چلتا ہے کہ جب وہ وصیت نامہ

مرتب کر رہے تھے ان کے ہوش و حواس ضرور بجاتھے۔ ہے نا؟

اردشیر۔ (جل کر) ہاں۔ میں مانتا ہوں۔

کیقباؤ۔ (مورتوں کی پناہ گاہ سے باہر نکلتے ہوئے) اردشیر صاحب

میرا خیال ہے آپ کو جانی میاں کے متعلق کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔

وہ ایک خود دار انسان ہے اور میری بات تو ان کے منہ سے نکلتی ہی نہیں۔

پرویز۔ نہیں کیکی۔ مجھے ستاؤ نہیں۔ میں خود دار انسان نہیں۔ میں ایک

مرے ہوئے کا مارا ہون کیکی! تم پرویں سے شادی کر لو اور اس سے

میرا پیچھا چھڑاؤ۔ میں تمہیں اس سے بچانا چاہتا تھا لیکن تم نہیں مانتے

کیقباؤ جانی میاں! کیا تم مجھے میری سب سے بڑی مسرت سے محروم

کرنا چاہتے تھے۔

پرویز۔ (ظنناً) سب سے بڑی بلکہ ابدی مسرت سے! کیکی اگر اس سے شادی

کر کے تمہیں آدھے گھنٹے کی مسرت بھی حاصل ہو سکتی تو میں دنیا سب

کچھ سیج کر وہ مسرت تمہیں خرید دیتا۔ تم سب بڑی مسرت کا ذکر کرتے ہو۔ معاذ اللہ تم زندہ درگور ہو جاؤ گے۔

ارو تھیر (تنگ کر) اب ختم کیجئے اس جھک جھک کو۔ کوئی تنگ کی بات کہئے یا تشریف لیجائیے اور کسی اور کا وقت ضائع کیجئے۔ مجھے آپ کی مہل گفتگو سننے سے زیادہ اہم کام کرنے ہیں۔ (غصہ سے ٹھوکر مارتا اور کھاتے ہوا جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)۔

پروفیئر۔ کیلگی سناتم نے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۱۹۵۷ء کے بعد کوئی نیا خیال ان حضرات کے دماغ میں آیا ہی نہیں ہے۔ حد ہو گئی دنیا نویسیت کی۔ کیا پردوں کی سرپرستی کیلئے ہی حضرت رہ گئے ہیں؟

ارو تھیر آپ کو میرے خیالات اور تصورات سے نفرت ہے اور مجھے ان پر ناز ہے۔ آپ کے خیالات تو شاید اسی کتاب میں مرقوم ہیں ناقابلہ؟

پروفیئر۔ بڑے اشتیاق سے میری طرف جاتے ہوئے؟ اچھا! کیا آپ کے پاس میری کتاب موجود ہے۔ کہئے کیا رائے ہے آپ کی اس کے متعلق؟

ارو تھیر۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں ایسی کتاب کو پڑھنا گوارا کروں گا۔

پروفیئر۔ تو آپ نے خریدی کیوں تھی؟

ارو تھیر۔ میں نے نہیں خریدی تھی حضرت! یہ ایک بیوقوف

عورت نے میرے پاس بھیجی ہے جو آپ کے نظریات کی بہت مداح

معلوم ہوتی ہے میں اسے کوڑے میں پھینکنے ہی والا تھا کہ کیقبا

۱۔ ارو تھیر کی ”دنیا نویسیت“ پر فقرہ حیت کیا ہے۔

نے مجھے روک دیا۔ آپ کی اجازت سے میں اسے پھینکے دیتا ہوں
(کتاب کو ردی کی ٹوکری میں اس بری طرح پھینکتا ہے کہ پرویز
سمجھتا ہے کہ کتاب کو اس کے سر پر ہی مارا جا رہا ہے)

پرویز۔ آپ بھی کچھ مجھ سے زیادہ بااخلاق نہیں ہیں۔ خیر اب تکلف برطون
(بیٹھے ہوئے) اب بتائے اس وصیت نامہ کا کیا ہو گا؟

کیقباد۔ کیا میں ایک تجویز پیش کر سکتا ہوں۔

اروشنیر۔ ضرور کیقباد۔

کیقباد۔ کیا پرویز کی رائے کی اس مسئلے میں کوئی اہمیت نہیں اسے تو ہم
بھولے ہی جاتے ہیں

اروشنیر۔ میری بھی رائے ہے کہ مناسب موقع پر اسکی رائے لینی چاہیے۔

لیکن وہ ایک عورت ہے اور ایک جوان اور نا تجربہ کار عورت

پرویز۔ اروشنیر مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔

اروشنیر۔ (چڑکرا کر پرویز صاحب۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ میرے

لئے آپ کے دل کی کیا حالت ہے۔

پرویز۔ پرویز جو جی چاہے کر لگی اور اس پر طرہ یہ کہ وہ ہمیں مجبور

کر لگی کہ ہم اسے ایسا کر نیکی رائے دیں۔ اور اگر کوئی اور نتیجہ ہو جائے

تو الزام ہم پر آئیگا۔ اچھا خیر چونکہ کیکی پرویز کو دیکھنے کے لئے

بے تاب ہے اس لئے۔

کیقباد۔ (شرماتے ہوئے) ہمیں میں بتیاب نہیں ہوں۔

پرویز: تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم قطعی بتیاب ہو کیگی۔ تم آوہم اُسے اوپر سے نیچے لے آئیں اور اس سے دریافت کریں کہ وہ ہم سے کیا چاہتی ہے کیگی جاؤ۔ اور اسے لے آؤ (کیگی جانیکے لئے اٹھتا ہے) اور دیکھو دیر مت لگانا کیونکہ میرے اور اردشیر کے ناخوشگوار تعلقات اس وقفہ کو ذرا تکلیف دہ بنا دینگے

اردشیر: اپنے ہونٹ بھینچتا ہے لیکن کچھ بولتا نہیں (کیقباد: اردشیر صاحب۔ ان کی بات کا براست مانیں۔ یہ یونہی کہہ رہے ہیں (چلا جاتا ہے)

اردشیر (بہت دیدہ دلیری سے): پرویز صاحب۔ آپ جیسا بے شرم انسان میں نے نہیں دیکھا۔

پرویز: (سجیدگی سے) اردشیر میں بھی یہ جانتا ہوں لیکن اسکے باوجود میں ابھی تک شرم پر پوری طرح قابو حاصل نہیں کر سکا۔ ہم شرم کی ہی فضا میں رہتے ہیں ہمیں ہر حقیقت سے شرم آتی ہے۔ ہمیں خود سے شرم آتی ہے۔ اپنے عزیز واقارب سے شرم آتی ہے۔ اپنی آمدنی سے شرم آتی ہے۔ اپنے انداز گفتگو سے شرم آتی ہے۔ اپنی رائے اور نظریات سے شرم آتی ہے۔ اپنے تجربات سے شرم آتی ہے۔ اتنی ہی شرم آتی ہے جتنی کہ اپنے بدنہ جسم سے اردشیر صاحب! ہم چلنے پھرنے سے شرماتے ہیں۔ بس میں بیٹھنے سے شرماتے ہیں۔ گھوڑا گھاڑی رکھنے کے بجائے کرائے کی ٹمٹم پر بیٹھتے ہوئے شرماتے ہیں۔

دو گھوڑوں کے بجائے ایک گھوڑا رکھنے سے شرماتے ہیں۔ ایک گاڑی بان اور ایک نفر کی بجائے صرف ایک سانس رکھتے ہوئے شرماتے ہیں۔ جتنا کوئی شخص زیادہ شرماتا ہے اتنا ہی وہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ دیکھیے نا۔ آپ کو میری کتاب خریدتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ صرف ایک چیز جس سے آپ کو شرم نہیں آتی وہ یہ ہے کہ آپ بغیر کتاب کو پڑھے ہوئے اس کے متعلق رائے قائم کریں اور اس کے بھی صرف یہی معنی ہیں کہ آپ کو آزاد رائے رکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ فطرت کا فیضان ہے جس نے مجھے شرم کے عطیہ سے محفوظ رکھا۔ میں انہیں اپنی صفات سمجھتا ہوں جو ہر انسان میں ہونی چاہئیں۔ اردو شہر۔ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ آپ اپنے منہ میاں مٹھو بننا خوب جانتے ہیں۔ پرویز۔ اس سے آپ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ آپ کے نزدیک مجھے اپنی صفات کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے شرمانا چاہیے۔ آپ اس سے تو انکار کر نہیں سکتے کہ وہ صفات مجھ میں موجود ہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں اتنا ہی شریف اور نیک نفس شہری ہوں جتنے کہ آپ۔ ذاتی طور پر اتنا ہی ایماندار ہوں جتنے کہ آپ اور سیاسی اور اخلاقی طور پر آپ سے کہیں زیادہ ضابطاں! اردو شہر۔ (جسے اپنی دکھتی ہوئی رگ پکڑے جانے کا احساس ہوتا ہے) مجھے اس سے انکار ہے۔ آپ کو مجھے صرف ایک ہندوستان میں رہنے والا شہری ہی نہیں سمجھنا چاہیے۔ میں اس قسم کی تنگ نظری کا قائل نہیں ہیں۔ آزاد خیال ہوں۔ آپ کو بھی آزاد خیال ہونی کا دعویٰ ہے۔ لیکن یاد رکھئے

کہ میں اس وقت ایک ترقی پسند انسان بن چکا تھا جب آپ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

پرویز۔ جی۔ جی۔ کسی زمانے میں آپ ضرور ترقی پسند ہونگے۔
 ارونشیر۔ میں اب بھی اتنا ہی ترقی پسند ہوں جتنا پہلے تھا۔ میں نے
 کب ترقی پسندی کی مخالفت کی تباہی تو میں پہلے سے زیادہ ترقی پسند
 ہو گیا ہوں۔ بلکہ میں تو روز بروز زیادہ ترقی پسند ہوتا جا رہا ہوں۔

پرویز۔ اور آپ روز بروز زیادہ بوڑھے بھی تو ہو جا رہے ہیں۔ حشر خضر؟
 ارونشیر۔ اگر میں خضر ہوں تو غالباً آپ کم کردہ راہ ہیں۔

پرویز۔ جی نہیں میں تو بقول آپ کے ایک بے شرم انسان ہوں جیسا آپ نے
 کبھی پہلے دیکھا نہیں اور آپ کے نزدیک بدطینتی کی ہی معراج ہے

جب آپ میرے متعلق اپنی زرین رائے کا اظہار فرمانا چاہتے ہیں
 تو آپ سوچتے ہیں کہ مجھے کس بُرے سے بُرے لفظ سے یاد کیا جائے
 چور۔ جھوٹا۔ دغا باز۔ بدمعاش۔ دروغ خلقی کر نیوالا۔ پیٹو۔ شرابی۔

ان میں سے کسی لفظ کو آپ میرے لائق نہیں سمجھتے آخر کار تھک کر
 آپ کہتے ہیں کہ مجھ میں شرم کی کمی ہے۔ تو مجھے اس کا اعتراف ہے

بلکہ میں اس پر اپنے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں اپنی اصل
 حقیقت سے شرمانے لگ جاؤں تو میں بھی آپ لوگوں کی طرح بوڑھا
 دکھائی دینے لگوں۔ ارونشیر صاحب! آپ کچھ تھوڑے بہت بے شرم بن جائیں
 تو آپ اچھے خاصے شریف آدمی بن جائیں گے۔

اروتھیر۔ جی نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ —

پرویز۔ آپ نہیں چاہتے کہ یوں بدنامی مول لیں ہے نا۔ مجھے ایسے
یہ جواب ملنے کا اتنا ہی یقین تھا جتنا کہ خود بخود چیلنے والی مشین کی
راز میں ایک پیپہ ڈالنے کے بعد دیاسلائی کے ایک ٹکس کے باہر نکل
آنے کا یقین ہو جاتا ہے۔ اس قسم کا جواب دینے کے علاوہ کوئی اور جواب
دینے سے آپ کو ضرور شرم آئے گی۔

(اس قسم کی طعن و تشنیع کا جواب دینے کیلئے ابھی اروتھیر اپنے حواس کو
مجتمع ہی کر رہا تھا کہ اس کا سب غصہ اور جوش و خروش بہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ
عین اسی وقت کیتباؤد پرویس اور اس کی ماں کو لئے ہوئے داخل ہوتا
ہے۔ اروتھیر اچھل کر دروازے پر ان کے استقبال کیلئے جاتا ہے۔ پریس
حین ہے یا نہیں یہ تو اپنی اپنی پسند پر منحصر ہے یا غالباً اس قسم کے مسئلے پر رائے
کا انحصار بہت کچھ آپکی عمر پر ہے اور اس پر بھی کہ آپ صنفِ لطیف سے
تعلق رکھتے ہیں یا صنفِ کرخست سے۔ کیتباؤد کی نظروں میں تو وہ ایک
حین ساحرہ ہے جس کی موجودگی میں کیتباؤد کے نزدیک ساری دنیا کچھ
اور ہی ہو جاتی ہے اور انسان کے محدود تفکر کے حدود اس قدر وسیع
ہو جاتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی آفرینش کی داستان میلاد آدم بلکہ زوال
آدم سے اب تک اس میں سما جاتی ہے۔ وہ اسکے نزدیک ہر افسانے کی
حقیقت ہے۔ ہر مہموم چیز کی تفسیر ہے۔ کاشفِ راز سرستہ ہے۔ اس کے
گلشنِ حیات کیلئے نوید بہار ہے۔ زماں و مکاں کی قید و بند سے آزاد ہے

اس کی موجودگی سے اس کی ضعیف رگوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگ جاتا ہے اور ایک ایسا معجزہ جس سے کائنات کی تمام حقیقتیں بے حجاب ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں۔ لیکن اس کی ماں کے نزدیک اس کی بیٹی اس قسم کی کوئی چیز نہیں وہ صرف اتنا جانتی ہے کہ وہ ایک ماں ہے اور پرویں ایک بیٹی۔ پرویں کی شان میں کیتھارڈ کی اس قسم کی قصیدہ خوانی کچھ زیادہ مبالغہ آمیز بھی نہیں کہی جاسکتی۔ پرویں ایک سنجلی ووشیزہ ہے اور اس کے چہرے سے نسوانی وقار کی جھلک نمایاں ہے۔ اسکی آنکھیں کٹیلی اور زلفیں سیاہ اور دراز ہیں۔ اس کے لباس میں بھی اوجھاپن نام کو نہیں اپنی ماں کی طرح اس نے سیاہ اور نفیشتی رنگ کا لباس پہن رکھا ہے جس سے نہ صرف اس کے والد کیلئے سوگ اور قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پرانی فرسودہ رسوم کو ترک کرنے کی طرف مائل ہے جنہیں ارد شیر بہت عزیز رکھتا ہے۔

لیکن پرویں کی دکھتی کی صرف یہی وجہ نہیں۔ اس کا ناک نقشہ تبدیل کر دیجئے۔ اس کی آنکھوں سے ان کی چمک چھین لیجئے۔ اس کے سیاہ اور نفیشتی لباس کی بجائے اُسے پھول چھنے والی لڑکی کا سادہ لباس اور اوڑھنی اڑھا دیجئے۔ اس کی زبان سے اسکی تیریں بیانی الگ کر لیجئے لیکن پھر بھی آپ پرویں سے اسکی درباری نہ چھین سکیں گے پرویں پھر بھی لوگوں کو بسل کر سکیں گی پرویں کا شباب اس کی درباری کا ضامن ہے لیکن شباب اور البیلے پن کے باوجود اس میں چھچھوڑا پن نہیں ہے۔ وہ ایک خود دار صاف گو

اور بانگی دوشیزہ ہے۔ اس کی الو العز می نے اس میں خود اعتمادی پیدا کر دی ہے اور ایک طرح کا خوف بھی کیونکہ وہ اکثر اوروں سے مشورہ کئے بغیر جلد بازی سے کام لینے کی عادی ہے مختصر یہ کہ وہ ایسی لڑکی ہے جسے عورتیں ”جھلائی عورت“ کہتی ہیں۔

پرویں کا کمرہ میں داخل ہونے کا انداز بھی اس کی اواؤں میں سے ایک ادا ہے۔ اردو شیر اس کا خیر مقدم کرتا ہے پرویں احتراماً اس کا بوسہ لیتی ہو سب حاضرین پر خاموشی طاری ہے لیکن کیتباؤ کچھ بیتاب نظر آ رہا ہے۔ پرویں کا دل بھرا ہوا ہے اور اس کی زبان سے الفاظ نہیں نکلتے وہ آبدیدہ ہے اردو شیر اور کیتباؤ دیوار کے پاس سے دو کرسیاں تیتے ہیں اور انہیں دیکھتے ہیں اور اس کی ماں کیلئے رکھ دیتے ہیں۔ لیکن پرویں پرویز کی کرسی پر بیٹھ جاتی ہے جسے پرویز اسے پیش کیا تھا۔ پرویز عجیب و غریب مذاق کا ثبوت دیتے ہوئے کھنے کی میز کے کونے پر بیٹھ جاتا ہے۔ کیتباؤ یکدم عداوتی دپڑیں کی والدہ اوپر پرویں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ کیتباؤ خود اس کرسی پر بیٹھ جاتا ہے جسے اردو شیر نے مجسمہ کی ناک کے نیچے بچھایا تھا۔ بیگم عداوتی ایک عمر رسیدہ عورت ہے اس کے چہرے سے متانت اور کچھ حد تک اکھڑپ ٹپکتا ہے۔ وہ ان عورتوں میں سے ہے جنہیں اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ انہیں الحق سمجھ کر ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور جن میں نہ تو مشکلات کا مقابلہ کرنیکی ہمت ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں صبر اور خاموشی سے برداشت کر سکیں سمجھ لیکن کیتباؤ

بیگم ہمدانی کے سامنے قدم قدم پر اپنی فرمانبرداری کا ثبوت دے رہا ہے حالانکہ اس کا دل پرویں کی طرف لگا ہوا ہے۔

اردو شیر نہایت متانت کے ساتھ لکھنے کی میز پر اپنی کرسی کی طرف جاتا رہا ہے اور پرویز کو (جو اسکی میز پر نہایت بے تکلفی سے بیٹھا ہوا ہے) نظر انداز کرتے ہوئے جلسہ کی کارروائی شروع کرتا ہے)

اردو شیر: پرویں مجھے افوس ہے کہ ان اندوہناک لمحات میں تم سے کچھ کاروبار قسم کی گفتگو کرنی پڑ رہی ہے۔ لیکن تمہارے مرحوم والد کے وصیت نامہ نے ایک بہت اہم سوال پیدا کر دیا ہے میں سمجھتا ہوں تم وصیت نامے کو پڑھ چکی ہو (پرویں اس بات میں سر ہلاتی ہے اور ضبط اسکی کوشش کرتے ہوئے رونے سے معذور ہے)

میں یہ کہنے سے مجبور ہوں کہ مجھے آپکے اور یاسمین کے شریک سرپرست کی حیثیت سے پرویز صاحب کا نام اپنے نام کے ساتھ دیکھ کر حیرت ہوئی ووقعہ۔ سب حاضرین حیران ہیں۔ لیکن کچھ بولتے نہیں۔ اردو شیر کوئی جواب نہ ملنے پر ذرا جھنجھلا کر گفتگو جاری رکھتا ہے) مجھے ان شرائط کو ماننے میں تامل ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ پرویز صاحب کو بھی کچھ اعتراضات ہیں لیکن ان اعتراضات کی نوعیت کو ابھی طرح سمجھنے کا میں دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی نمائندگی خود فرما دینگے لیکن ہم متفق ہیں کہ تمہاری رائے معلوم کئے بغیر ہم کوئی فیصلہ نہ کر سکیں گے مجھے افوس کے ساتھ

سے پرویں کی چھوٹی بہن

کہنا پڑتا ہے کہ یا تو آپ کو صرف میری سرپرستی قبول کرنا ہوگی یا
پرویز صاحب کی۔ کیونکہ ہم دونوں ملکر یہ کام نہیں کر سکتے

پرویں۔ (ایک دہی مترنم آواز میں) اُمی —

بیگم بھدانی۔ (فوراً) دیکھو پرویں خدا کے لئے مجھے اس معاملہ میں بگھیٹو
اس مسئلہ میں میری کوئی رائے نہیں اور اگر ہوتی بھی تو غالباً اس کی کوئی
پرواہ نہ کی جاتی۔ جو تم فیصلہ کرو مجھے منظور ہے۔

(پرویز اپنا سر گھما کر غور سے اردشیر کی طرف معنی خیز نگاہوں سے
دیکھتا ہے۔ جو اس قسم کی خاموش گفتگو سے چڑھتا ہے)

پرویں (اپنی ماں کی بد مذاقی کو نظر انداز کرتے ہوئے) اُمی جانتی ہیں کہ
اب اُن میں اتنا کس بل نہیں کہ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر میری اور
یاسمین کی پوری ذمہ داری برداشت کر سکیں۔ یاسمین کو تو ایک سرپرست
کی سخت ضرورت ہے۔ اور حالانکہ میں اس سے بڑی ہوں لیکن میری
رائے میں ایک جوان عورت کو اس کی اپنی رہنمائی پر چھوڑ دینا مناسب
نہیں! ٹھیک ہے نا دادا جان؟!

پرویز۔ دادا جان؟ کیا تم اپنے سرپرستوں کو دادا جان کہو گی؟
پرویں۔ بیوقوف نہ بنو جانی میاں۔ میں ”اردشیر دادا جان“
کی ”پرویں“ ہوں اور وہ پرویں کے دادا جان ہیں۔ میں ڈانٹتی
اس وقت سے اردشیر دادا کہتی ہوں جب سے میں نے بونڈا سیکھا۔
اردشیر (طنزاً) روز صاحب میں سمجھتا ہوں اب تو آپ مطمئن ہو گئے

ہوں گے۔ ہاں تم کہے جاؤ پرویں! مجھے تم سے اتفاق ہے۔
 پرویں۔ ہاں تو اگر میرے لئے سرپرست کا ہونا ضروری ہے تو کیا میں
 کسی ایسے شخص کی سرپرستی میں آنے سے انکار کر سکتی ہوں جسے میرے
 باپ نے مقرر کیا ہو۔

اردو شیر۔ (ہونٹ کانٹتے ہوئے) تو تم اپنے والد کے انتخاب کی تائید کرتی
 پرویں۔ میرا کام تائید کرنا نہیں۔ میرا کام تعمیل کرنا ہے۔ میرے والد کو
 مجھ سے محبت تھی اور وہ میری بھلائی برائی خوب سمجھ سکتے تھے۔

اردو شیر۔ ہاں پرویں۔ میں تمہارے احساسات کو سمجھ سکتا ہوں مجھے تم سے
 ایسی ہی امید تھی۔ اور یہ تمہاری سعادت مندی ہے۔ لیکن اس سے یہ کبھی
 پوری طرح سلجھتی نہیں۔ میں تمہارے سامنے صحیح صورت حال پیش کر رہی
 کوشش کرتا ہوں۔ فرض کرو کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے کوئی نازیبا
 حرکت کی ہے جس کی تمہارے باپ کو مجھ سے توقع نہ تھی۔ کیا اس کے باوجود

بھی تم مناسب سمجھو گی کہ میں یا ستین کا سرپرست ہوں
 پرویں۔ دادا جان میں تو کبھی تصور میں بھی نہیں لاسکتی کہ آپ کوئی
 نازیبا حرکت کریں گے۔

پرویں۔ (اردو شیر سے) آپ نے تو ایسا کوئی کام نہیں کیا کیوں ہے نا؟
 اردو شیر۔ (دھجھکلا کر) جی نہیں۔

بیگم سہرائی (اطمینان سے) تو پھر فرض کیوں کیا جائے۔
 پرویں۔ دادا جان اسی نہیں چاہتیں کہ میں آپ کی نسبت ایسی بات

فرض بھی کر سوں۔

اردو شیر (عجب گو گونی کی حالت میں) خانگی معاملات میں آپ لوگ اس قدر رقیق القلب واقع ہوئے ہیں کہ آپ کے سامنے صحیح صورت حال پیش کرنا بڑا مشکل ہے

پرویز۔ اس کے علاوہ آپ صحیح صورت حال پیش بھی نہیں کر رہے ہیں
ہربان من!

اردو شیر (تنگ آکر) تو آپ پیش کر دیجئے

پرویز۔ بہت خوب۔ پرویز۔ اردو شیر سمجھتے ہیں کہ میں تمہاری سرپرستی کیلئے موزوں نہیں۔ اور مجھے ان سے اتفاق ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر تمہارے والد میری کتاب پڑھ لیتے تو ہرگز مجھے تمہارا سرپرست مقرر نہ کرتے۔ اور یہی وہ نازیبا حرکت ہے جس کا موصوف ابھی تذکرہ فرما رہے تھے ان کی رائے یہ ہے کہ یاسمین کی بھلائی کو مد نظر رکھتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ تم ان سے تنہا یہ خدمت انجام دینے کیلئے کہو اور مجھے اس سے علیحدہ رکھو۔ تم کہہ دو میں علیحدہ ہوا جاتا ہوں۔

پرویز۔ لیکن میں نے آپ کی کتاب تو پڑھی ہی نہیں۔

پرویز۔ دردی کی ٹوکری میں ڈبکی لگاتے ہوئے اور کتاب نکالتے ہوئے
تو اسے فوراً پڑھو اور فیصلہ کرو۔

اردو شیر۔ (جوش میں آکر) اگر میں تمہارا سرپرست ہوں تو پرویز! میں تمہیں اس کتاب کو پڑھنے سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہوں۔

دینر پر مکہ مارتا ہے اور اٹھ کھڑا ہوتا ہے) ہے
 پرویں۔ اگر آپ کی مرضی نہیں تو میں اسے نہیں پڑھوں گی کتاب میز پر رکھ دیتی
 پرویز۔ اگر ایک سرپرست دوسرے سرپرست کی کتاب پڑھنے سے منع کرے
 تو کیونکر نبھے گی؟ فرض کرو میں تمہیں اس کتاب کو پڑھنے کا حکم دیتا ہوں
 تم میرے حکم کی کیونکر تعمیل کرو گی؟

پرویں۔ (نرمی سے) جانی میاں مجھے امید ہے کہ تم ایسی گولگو کی حالت میں مجھے نہ
 ارویشیر (تلکار) ہاں ہاں پرویں! یہ سب ٹھیک ہے اور جیسا کہ میں نے کہا
 عین فطری ہے۔ لیکن تمہیں دونوں میں سے ایک کو منتخب کرنا ہو گا۔ ہم
 بھی اتنے ہی گولگو کی حالت میں ہیں جتنی تم ہو۔

پرویں۔ میں سمجھتی ہوں کہ میں اتنی کمسن اور نا تجربہ کار ہوں کہ اس مسئلہ
 کو حل نہیں کر سکتی۔ میرے والد کی مرضی میرے لئے قابل احترام ہے۔
 بیگم بھدانی۔ اگر آپ دو صاحبان اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے تو میں کہوں گی
 کہ اس کی ذمہ داری کا بار پرویں پر ڈالنا زیادتی ہو گی۔ میں دیکھتی
 ہوں کہ اس دنیا میں لوگ ہمیشہ اتنا بار دوسروں پر ڈالتے ہیں۔

ارویشیر۔ مجھے افسوس ہے کہ ایسا ہوتا ہے
 پرویز (ارائیکھے انداز میں) دادا جان! کیا آپ مجھے اپنی سرپرستی میں
 قبول فرمانے سے انکار کرتے ہیں؟

ارویشیر۔ نہیں میں نے یہ تو نہیں کہا۔ بات صرف یہ ہے کہ میں پرویز صاحب
 کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔

بیگم بھرائی۔ کیوں بچارے جانی میاں نے کیا تصور کیا ہے؟
 پرویز۔ میرے خیالات ان کی نظر میں بہت ترقی پسندانہ ہیں۔

اردو میٹر (تنگ کر) جی نہیں آپ غلط کہتے ہیں

پرویز۔ ہاں ٹھیک تو ہے۔ دادا جان سے زیادہ ترقی پسندانہ خیالات
 کس کے ہو سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جانی میاں ہی سب مشکلات پیدا
 کر رہے ہیں۔ دیکھو مان جاؤ جانی میاں میرے غم میں میرا ساتھ دو تو ہیں
 میرے سر پرست بننے سے انکار نہیں ہے نا۔

پرویز (ذرا آزرہ ہو کر) نہیں۔ اچھا مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں اوکھلی
 میں سر دئے دیتا ہوں (اکٹھ کر کتاب دان کی طرف جاتا ہے اور وہاں
 کھڑا ہو کر خاموشی سے کتابوں کے عنوانات پر نظر
 ڈالتا ہے)

پرویز۔ (اٹھتے ہوئے اور فرط مسرت سے بتیاب ہوتے ہوئے) اچھا
 تو اب ہم سب متفق ہیں۔ اور میرے پیارے ابا جان کی وصیت کی تعمیل
 ہو گی۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ اس سے مجھے اور امی جان کو کس قدر خوشی
 حاصل ہوئی۔ (اردو میٹر کے پاس جاتی ہے اور دونوں ہاتھ بنا کر کہتی ہوں)
 میرے دادا جان اب میرے بھلے بڑے میں میری رہنمائی کریں گے۔

(پرویز اُس کے شانوں پر سے ایک نگاہ غلط انداز ڈالتی ہے) اور
 پرویز (پہلے ہی) اپنی ماں کے پاس سے گذرتے ہوئی کیفیت کے پاس جاتی
 ہے) اور جانی میاں کا جانی دوست کیکی (کیکی باوا بھی) کیکی باوا جاتا ہے

اور اس کی صورت مضحکہ خیز بن جاتی ہے)

بیگم بھدانی۔ (اُٹھتے ہوئے) اردو شیر صاحب! اب جبکہ آپ لوگ پرویں کے سر پرست ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ ذرا پرویں سے پوچھیں کہ اسے یہ ہر کسی کو لقب دینے کی کیا عادت ہو گئی ہے ظاہر ہے کہ لوگ اس قسم کے ناموں کو پسند تو کریں گے نہیں (دروازہ کی طرف مڑتی ہے) پرویں۔ اتنی جان آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں (ذرا آزدہ ہو کر) لیکن ہاں! ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو۔ کیقباد کی طرف مڑتی ہے جو ٹانگے چیرے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کی کہنیاں کرسی کے پیچھے ہیں۔ پرویں اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ کر ایک دم اوپر اٹھاتی ہے کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ کسی بڑے بوڑھے کی طرح گفتگو کی جائے؟ کیا میں آئندہ تمہیں ”مسٹر صرمزجی“ کہا کروں؟

کیقباد۔ (دستانت سے) نہیں نہیں تم مجھے ”بیکی باوا“ ہی کہا کرو۔ ”مسٹر صرمزجی“ کا نام مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پرویں ہنستی ہے اور اس کے رخسار پر اپنی انگلیوں سے آہستہ سے تھپڑ مارتی ہے اور پھر اردو شیر کے پاس آتی ہے) میں سمجھتی ہوں کہ ”دادا جان“ کا لفظ کچھ بے لگا سہارہ۔ لیکن میں یہ کبھی خیال میں بھی نہیں لاسکتی تھی کہ اس سے آپ کو تکلیف ہوگی (اردو شیر۔ خوشی سے۔ اور اس کی پیچھے پر تھپکی دیتے ہوئے) میری پیاری پرویں یہ سب فضول ہے۔ میں دادا جان کے لفظ پر اصرار کرتا ہوں۔ اگر تم نے کسی اور نام سے پکارا تو میں جواب نہیں دوں گا۔

پرویں۔ (تکرا نہ لیجے میں) آپ سب لوگ میری عادت خراب کر رہے ہیں سوائے جانی میاں کے

پرویز۔ (کتا بوں کے پاس کھڑے کھڑے اپنا منہ موڑ کر) میری رائے میں تمہیں مجھے مسٹر پرویز کے نام سے مخاطب کرنا چاہیئے۔

پرویں۔ (ملاہمت سے) انہیں جانی میاں میں جانتی ہوں تمہاری عادت ہے تم جو بات کہو گے دنیا سے نرالی! کہ لوگ بھونچکے رہ جائیں۔ جو تمہاری عادت سے واقف ہیں وہ تمہاری اس قسم کی باتوں کی پروا نہیں کرتے ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں تمہارے مشہور جدا جدا حقیقہ کے نام سے یاد کر سکتی ہوں۔

اردو شیر۔ خیام؟

پرویں۔ (معصومیت سے) ارے کیا اس میں کوئی ہرج ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ ایسا ہے تو میں تمہیں اس نام سے یاد نہیں کروں گی جب تک میں کوئی اور نام سوچوں کیا میں تمہیں صرف جانی میاں کے نام سے ہی پکار سکتی ہوں

پرویز۔ خدا کے لئے کوئی اس سے بھی زیادہ بے فکرا نام ایجاد مت کرنا۔ میں نے پیر رکھ دی میں جانی میاں کے نام پر راضی ہوں میں اسی سے خوش ہوں۔ بحیثیت سرپرست کے اپنا اقتدار حثبانے کی میری پہلی اور آخری کوشش یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

پرویں۔ دیکھا اُمی آپ نے۔ یہ سب چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی نہ کوئی نام دیا جائے۔

بیگم ہمدانی - میزبانی ہے سوگ بڑھانے تک تم ان القاب کو ملتوی
رکھو تو بہتر ہوگا

پروین (غلیں واقعوہ ہو کر) آہ - اقی تم نے مجھے کیا یاد دلادیا؟

(جلدی سے اپنے جذبات چھپانیکے لئے کمرے سے باہر چلی جاتی ہے)

بیگم ہمدانی - ہاں مجھ سے بھول ہوئی پروین پیچھے جاتی ہے)

پروین (کتاب دان کے پاس سے آتے ہوئے) ارو تیرا ہمیں شکست

ہوئی۔ بڑی طرح پیٹے۔ اور خفیف ہونا پڑا۔ اس کی ماں کی طرح

ارو تیرا اب چپ بھی رہے گا یا نہیں بیگم ہمدانی پیچھے کمرے سے

باہر نکل جاتا ہے)

پروین - کیتھارڈ کے ساتھ کمرے میں تنہا رہ گیا ہے اُسے تکنے لگتا ہے (کیکی!

کیا تم دنیا میں کچھ کرنا چاہتے ہو؟

کیتھارڈ - میں ایک مشہور شاعر بننا چاہتا ہوں میں ایک بڑا ڈرامہ لکھوں گا۔

پروین - جس کی ہیروئن پروین ہوگی؟

کیتھارڈ - ہاں ہے تو ٹھیک -

پروین - لیکن ذرا محتاط رہنا کیکی پروین کے بحیثیت ہیروئن ڈرامے

میں موجود ہونے میں تو کوئی ہرج نہیں لیکن اگر تم نے مناسب احتیاط

نہ کی تو میں سچ کہتا ہوں پروین تمہارے ساتھ شادی کر لیگی۔

کیتھارڈ (ٹھنڈی سانس لیکر) میری ایسی قیمت کہاں

پروین - بندہ خدا - تمہارا سر شیرنی کے منہ میں ہے تمہیں آدھا تو نکل

یا گیا ہے اور بس چبانے کی دیر ہے

کیقباد۔ تم تو جانتے ہی ہو جانی میاں! وہ سب کے ساتھ ایسی ہی ہے۔
پروینز۔ ہاں وہ اپنے بچے سے ہر ایک کی کمر توڑ دیتی ہے لیکن سوال یہ
ہے کہ وہ ہم میں سے کسے ہضم کر لگی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے دانت تم پر ہی
کیقباد (ذرا تنک کر اٹھتے ہوئے) یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بیٹھ چھپے
ایسی باتیں کی جائیں جبکہ وہ بالا خانہ میں بیٹھی اپنے مرحوم باپ کے غم میں
ہی ہے خیر میں خود چاہتا ہوں کہ میں اس کے کسی کام تو آ جاؤں۔ تمہارا
سخت سست کہنا بھی مجھے بُرا نہیں لگتا۔ کیونکہ اس سے میری امید بندھی کہ
شاید میں کسی روز اپنی جان اس کے سامنے پیش کر سکوں۔

پروینز۔ عورت کی محبت کا یہ ایک شیطانی پہلو ہے کہ انسان پر ایسا جادو
کر دیتی ہے کہ وہ اپنی تباہی خود چاہنے لگتا ہے۔

کیقباد۔ لیکن یہ تباہی انہیں کامیابی ہے۔

پروینز۔ ہاں عورت کے مقصد کی۔ عورت کا مقصد نہ تمہارے لئے مسرت
حاصل کرنا ہے نہ اپنے لئے بلکہ فطرت کیلئے۔ عورت کا شباب قوتِ تخلیق
کے اندھے غیض و غضب کا منظر ہے جب وہ خود کو اپنے شباب پر قربان
کر دیتی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہیں قربان کرتے ہوئے اُسے تامل ہو گا؟
کیقباد۔ ہاں کیونکہ اس میں خود کو قربان کر لینی صلاحیت ہے اس لئے وہ
اپنے محبوب کو ہرگز قربان نہیں کر لگی۔

پروینز۔ یہ ایک بڑی حماقت ہے۔ کیونکہ اپنی قربانی پیش کر نیوالی عورت ہی

بلاتال اوروں کو قربان کر دیتی ہے۔

ان کا مقصد اپنا مقصد نہیں بلکہ کل کائنات کا مقصد ہے مرد زن کے کیلئے اس مقصد کی تکمیل کیلئے محض آلہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔

کیتقاؤ۔ اتنی بدگمانی ابھی نہیں پرویزہ انہیں ہم سے ہمدردی ہوتی ہے اور ہمارا خیال رکھتی ہیں۔

پرویزہ۔ ہاں بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک سپاہی اپنی بندوق کا خیال رکھتا ہے اور ایک سازندہ اپنے ساز کا لیکن کیا عورتیں ہماری آزادی کو گوارا کرتی ہیں۔ کیا وہ یہ گوارا کر نیکی کہ کبھی ہم انھیں آپس میں اول بدل کر لیا کریں۔ جب وہ کسی مرد کو ہتھیالیں تو کسی طاقتور سے طاقتور مرد میں بھی اتنی ہمت ہے کہ وہ ان کے جنگل سے رہائی پائے؟ ہمیں خطرہ میں دیکھ کر وہ کانپ جاتی ہیں۔ ہماری موت پر آنسو بہاتی ہیں۔ لیکن یہ آنسو ہمارے لئے نہیں ہوتے بلکہ اس لئے کہ ایک باپ ضائع ہو گیا۔ ایک بچے کی تخلیق کھٹائی میں پڑ گئی۔ وہ ہم پر الزام لگاتی ہیں کہ ہم انہیں۔ اپنے عیش و عشرت کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن فطرت تو اپنی تمام قوتوں کے ساتھ عورت کو آمادہ کرتی ہے اور مرد کو اپنے مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانے کیلئے بچائیں لے۔ فطرت کی بے پناہ قوتوں کے سامنے بھلا بچا رہے مردوں کی کیا چل سکتی ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے عیش و عشرت کا ذریعہ

بنانے کیلئے انہیں اپنا غلام بنائیں

کیتقاؤ۔ لیکن اگر ہم عورتوں کے مقصد کے حصول کا ذریعہ بن بھی جائیں تو

اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہمیں اس سے لطف تو حاصل ہو جاتا ہے۔
 پرویز۔ ہاں اگر تمہارا مقصد کوئی نہیں ہے تو کوئی ہرج نہیں۔ اور اگر
 عام لوگوں کی طرح تمہاری دلچسپیاں محض نون۔ تیل۔ سکرٹی تک ہی
 محدود ہیں تو کوئی ہرج نہیں لیکن کیسکی تم ایک آرٹسٹ ہو۔ تمہارا مقصد
 اتنا ہی اہمک اور دنیا و مافیہا سے بے نیازی چاہتا ہے جتنا کہ ایک عورت
 کا مقصد

کیسکیا۔ دنیا و مافیہا سے بے نیازی نہیں۔

پرویز۔ نہیں تمہارا کام قطعی بے نیازی چاہتا ہے ایک سچا آرٹسٹ اپنی
 بیوی کو بھوکا مرنے دیکھا۔ اپنے بچوں کو ننگے پھسرنے دیکھا۔ اپنی ستر سالہ
 بوڑھی ماں کو اپنا پیٹ بھرنے کیلئے خود محنت مشقت کرنے کے لئے چھوڑ دیکھا
 وہ صرف اپنے آرٹ میں منہمک رہ گیا اور دوسروں سے تعاضل برتے گا
 عورتوں کیلئے وہ ایک جراح یا خون چوسنے والی جونک کی حیثیت رکھتا
 ہے۔ وہ ان کے ساتھ محبت کی پتنگیں بڑھاتا ہے صرف اس لئے کہ انکی
 فطرت کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرے اور اس کی گہرائیوں میں اتر جائے
 مرد چاہتا ہے کہ عورت اس کی خفہ تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کر کے
 اسے عقل محض کی بے کیف دنیا سے نکال کر وجدان اور تصورات
 کی رنگین دنیا میں آباد کر سکتی ہے بقول فن کاروں کے عورت ان کیلئے
 الہام کی حیثیت رکھتی ہے۔ آرٹسٹ عورتوں کو بہلا پھسلا کر انہیں
 آمادہ کرتا ہے کہ وہ یہ سب اسکے لئے کریں اور انہیں باور کراتا ہے کہ

۲۴
یہ سب اپنے لئے کر رہی ہیں حالانکہ اس میں آرٹسٹ کو اپنی
منفعت مد نظر ہوتی ہے وہ اُن سے مستفید ہو کر اٹان ہی کا
منہ چڑھانا ہے۔ آرٹسٹ اولاد کی پیدائش کو روک کر عورتوں پر یہ
ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ انہیں ان کی حل کی تکالیف سے نجات دلا رہا
ہے حالانکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس طرح عورتوں سے انکی
شفقت سے استفادہ کرے جو اولاد کا حق ہوتی ہے۔ جب شادی بیاہ
کا رواج شروع ہوا ہے آرٹسٹ ایک پُر اشوہر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اصل
میں وہ ایک پُر اشوہر ہی نہیں وہ اولاد کا ڈاکو۔ خون چوسنے والا۔
ریاکار۔ اور دغا بازی۔ ہلٹ سے بہتر ڈرامہ لکھنے کیلئے مصوری میں
ایک نئے شاہکار کا اضافہ کرنے کیلئے۔ ایک خیال آفریں نظم لکھنے کیلئے
ایک بڑا ڈرامہ لکھنے کیلئے فلسفہ کا ایک دقیق نظام مرتب کرنے کیلئے اگر پوری
کی پوری قوم اُس کے آرٹ پر قربان ہو جائے۔ ہزاروں عورتوں کا حسن
اس کی فن کاری کی بھنٹ چڑھ جائے تب بھی اسے کچھ درد نہیں
ہوگا۔ کیونکہ یاد رکھو کیلئے آرٹسٹ کا کام ہے کہ وہ ہمیں سمجھائے
کہ ہم کیا ہیں۔ ہمارا ذہن صرف ہماری ذات کو سمجھنے کیلئے آمینہ ہے۔ جو
شخص ہمیں اپنے آپ کو سمجھنے میں ایک بھی آسانی پیدا کرتا ہے وہ گویا
ایک نئے دماغ کی تخلیق کرتا ہے۔ ایسے ہی جیسے ماں ایک بچہ پیدا کرتی
ہے۔ اس قسم کی فنی تخلیق میں آرٹسٹ اتنا ہی نڈر اور بے باک ہے
جتنی کہ عورت۔ وہ عورت کیلئے اتنا ہی خطرناک ہے جتنی عورت خود

اس کے لئے وہ عورت کو اتنا ہی محبوب سمجھتا ہے جتنی عورت اس کو دنیا کی لڑائیوں میں کوئی کوئی لڑائی اس قدر خونی نہیں ہوتی جتنی مرد آرٹسٹ اور ماں عورت کا مقابلہ۔ کون کس کو ہضم کر جائے۔ بس یہی سوال ہوتا ہے اور پھر ستم ظریفی یہ کہ تمہارے روحانی مذہب میں اس ستیزہ کاری کو محبت کہتے ہیں۔

کیقباد۔ اول تو ایسا ہوتا نہیں اور اگر ہو بھی تو قہنہ کوئی مقابلہ سخت اور کڑا ہوگا اتنا ہی طرفین کی صلاحیتیں اُجاگر ہونگی۔
پروینز۔ اگر اب کی دفعہ تمہاری کسی بھورے بھالو یا بنگالی شیر سے ڈھ بھڑ ہو جائے تو اپنا یہ قول یاد رکھنا۔

کیقباد۔ لیکن میرا مطلب تھا کہ یہ اُس وقت ممکن ہے جب دونوں میں محبت ہو۔ جانی میاں

پروینز۔ ہاں شیر بھی تم سے محبت کرے گا۔ اپنی خوراک سے زیادہ مخلصانہ محبت کسی سے نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے پروینز بھی تم سے اسی طرح محبت کرتی ہے۔ اُس نے تمہارے رخسار کو ایسے سہلایا تھا گویا وہ بچھے ہوئے گوشت کا پاؤچہ ہے۔

کیقباد۔ گورے میاں! اگر میں نے یہ طے نہ کر لیا ہوتا کہ تمہاری بات کا بُرا نہ مانو لگا تو میں کبھی تمہارے پاس پھٹکتا نہیں۔ بعض اوقات تو تم بہت بے لکھی باتیں کرتے ہو۔ ارد شیر واپس آتا ہے پروینز اس کے پیچھے وہ ذرا دوڑتے ہوئے آتے ہیں پچھلی مرتبہ کی طرح تکلف سے نہیں

اردو شہزاد اور پرویز کے درمیان آجاتا ہے اور کیتباو کو مخاطب کرنا چاہتا ہے۔ لیکن پرویز کو دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتا ہے۔ اردو شہزاد آپ ابھی یہیں تشریف رکھتے ہیں۔

پرویز۔ کیا میری موجودگی شاق گذری آچکو۔ اچھا خدا حافظ سرپرست بھائی صاحب! (دروازہ کی طرف جاتا ہے)

پرویز۔ جانی میاں ٹھیر جاؤ۔ دادا جان ان کا اس واقعہ سے باخبر ہونا ضروری ہے

اردو شہزاد کیتباو! میں تمہارے لئے ایک بہت ہیست ناک خبر لایا ہوں جو بہت نازک ہے اور ایسی ہے کہ اسے صیغہ راز میں رکھا جائے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے انوس ہوتا ہے کہ وہ بہت تکلیف دہ بھی ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں پرویز کی موجودگی میں یہ خبر تمہیں سناؤں؟

کیتباو۔ گورے میاں سے میری کوئی بات چھی ہوئی نہیں ہے اردو شہزاد۔ اس سے پہلے کہ تم اس کا فیصلہ کرو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ خبر تمہاری بہن سے متعلق ہے اور بہت ہولناک بھی ہے۔ کیتباو۔ کیا نسریں کے متعلق؟ کیا وہ — مر گئی؟

اردو شہزاد۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ نازک حالت میں کیتباو۔ کیا اسے سخت چوٹ آئی؟ کیا کوئی حادثہ ہو گیا؟ اردو شہزاد۔ نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔

پرویز۔ پرویز کیا تم اس قدر انسانیت کا ثبوت دے سکتے ہو کہ ہمیں صل

واقعہ سے یا خبر کر دو۔

پروین (آہستہ آواز میں) نہیں میں نہیں بتا سکتی نرسین نے ایک بہت بری حرکت کی ہے یہیں اُسے کہیں اور لے جاتا ہو گا۔ گھبرانی ہوئی سی میز کے پاس جا کر اردنیر کی کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔ اور ان تینوں افراد کو ان کے حال پر چھوڑتی ہے)

کیقباد (کچھ سمجھ کر) اردنیر صاحب کیا آپ کا یہی مطلب ہے؟
 اردنیر: ہاں دیکھنا کرسی میں گر سا جاتا ہے نہایت ہی مضطرب حالت میں) تین ہفتہ پہلے جب نرسیں۔ بیگم ہمدانی اور ان کے عزیزوں کے ساتھ مقیم تھی تو ہم نے سمجھا تھا کہ وہ واپس آگئی ہے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ وہ وہاں نہیں گئی تھی۔ بیگم ہمدانی نے دفعتاً اسے وہاں دیکھا۔ اور یوں یہ سارا قصہ معلوم ہوا

کیقباد (فرط غیظ سے اپنی سٹھی سمجھتے ہوئے اٹھتے ہوئے) لیکن یہ بدشہ ہے کون؟

پروین: وہ اس کا نام نہیں بتاتی
 کیقباد: (پھر کرسی میں گرتے ہوئے) تو یہ کیا مصیبت ہے۔
 پروین: (غصہ میں لیکن طنز پر لہجے میں) مصیبت! آفت! البتہ!
 اردنیر کے موت سے بھی بدتر۔!! (کیقباد کے پاس آتا ہے) غالباً تمہاری خواہش ہو گی کہ کاش وہ ریل کے نیچے آجاتی اور اس کی ہڈیاں

لے بیٹی کا ایک مقام

۴۸
چورچور ہو جاتیں۔ یا اسی قسم کا کوئی قابل عزت حادثہ پیش آتا
تاکہ آپ اس کے ساتھ نفرت کی بجائے ہمدردی کر سکتے۔

کیقباد۔ اس قدر سنگدل نہ بنو جانی میاں

پرویز۔ سنگدل! واللہ تم کہہ کیا رہے ہو۔ ہمارے سامنے ایک عورت
ہے جس کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ عرصے تک رونق محفل نبی رہی

اور اپنی عمر اور اپنی دولت برباد کرتی رہی۔ اب ہمیں معلوم ہوتا ہے

کہ ان ہیودگیوں کی یعنی افزائش نسل بجائے اس کے کہ ہم اس کی

جرات کی داد دیں اور اس کی نسائیت کی تکمیل پر خوشیاں منائیں اور

انہیں اولاد عطا کی گئی کے فرے لگائیں آپ لوگ ایسا سوگ منالے

ہیں جیسے کوئی مر گیا ہو۔ سب منہ لٹکائے ہوئے ہیں اور اس قدر شرم

محسوس کر رہے ہیں گویا اس لڑکی نے کوئی بدترین جرم کیا ہو۔

اردشیر (غصہ کے مارے ہٹا کر) میں اپنے گھر میں اس طرح کی لغو گفتگو

برداشت نہیں کر سکتا (میز پر مٹکا مارتا ہے)

پرویز۔ دیکھیے اگر آپ نے آئندہ اس طرح میری تنہا کی تو میں آپ کے مکان

سے باہر چلا جاؤں گا۔ پرویز! نہیں اس وقت کہاں ہیں؟

پرویز۔ کیوں کیا تم اس کے پاس جا رہے ہو؟

پرویز۔ ہاں میں اس کے پاس ضرور جاؤں گا۔ اسے مدد کی ضرورت ہے

اُسے روپیے کی ضرورت ہے۔ وہ توقع رکھتی ہے کہ اس کا احترام

کیا جائے اور اُسے مبارکباد دی جائے۔ اُسے اپنے بچے کیلئے سب

آرام و آسائش کی ضرورت ہے یہ چیزیں آپ لوگوں سے نہیں مل سکتیں۔ میں اسے یہ سب کچھ دونگا۔ کہاں ہے وہ ؟

پرویں۔ اتنے صدی نہ بنو جانی میاں۔ وہ ادھر بالا خانہ میں ہے۔
 پرویز میر۔ کیا کہا ؟ ارد شیر کی مقدس چھت کے نیچے ؟ ارد شیر صاحب
 جانیے اور اپنا ناخوشگوار فرض ادا کیجئے اور اسے اپنے گھر سے
 نکل باہر کیجئے۔ اپنے آستانے کو اس کی نجاست سے پاک کر دیجئے
 اپنے مقدس گھر کی عزت کی لاج رکھ لیجئے۔ میں گاڑی لانے جاتا ہوں۔
 پرویں (چونک کر) دادا جان! ایسا نہ کیجئے گا۔

کیسے کیا۔ (شکستہ دل ہو کر اٹھتے ہوئے) میں اسے لے جاؤں گا۔ ارد شیر صاحب
 اسے آپ کے گھر آنے کا کوئی حق نہیں تھا

ارد شیر (برہم ہو کر) لیکن میں تو اس کی ہر طرح مدد کر نیکی و خیر ہوں
 پرویز کو نفاط کر کے، آپ ایسے وحشیانہ افعال مجھ سے کیوں
 مشوب کرتے ہیں میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ میں اپنا سب
 کچھ لٹا نیکی لے تیار ہوں لیکن اسے آپ کی دست بگر نہیں ہونے دوں گا
 پرویز میر (مطلن ہو کر) بس تو پھر سب ٹھیک ہے۔ ارد شیر صاحب آج
 اپنے اصول پر عمل کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتے یہ طے ہے کہ ہم سب
 نسریں کے ساتھ ہیں۔

کیسے کیا۔ لیکن وہ ہے کون ؟ وہ نسریں سے شادی کر کے اس کی تلافی
 کر سکتا ہے۔ اور اسے کرنی پڑے گی ورنہ میں اسے دیکھ دوں گا۔

اردو شیر۔ اُسے ایسا کرنا ہو گا۔ کیتقباد میں تمہاری محبت کا داد دیتا ہوں
 پرویز۔ تو تم اسے بد معاش تو نہیں سمجھتے نا؟
 کیتقباد۔ بد معاش نہیں سمجھتے؟ وہ تو اول درجہ کا بد معاش ہے۔
 اردو شیر۔ بد معاش ملعون! معاف کرنا پڑوین میں اسے ایسا کہنے
 پر مجبور ہوں۔

پرویز۔ تو ہم تمہاری بہن کی شادی ایک ملعون اور بد معاش کے ساتھ
 کر رہے ہیں تاکہ اس کا کردار درست ہو۔ واللہ آپ لوگ پاگل ہو گئے ہیں
 پرویز۔ فضول باتیں نہ کرو جانی میاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو کیسی۔ لیکن ہم
 جانتے ہیں وہ ہے کون نرسی ہیں اس کا نام بتاتی ہی نہیں۔
 پرویز۔ اب اس سے کیا مطلب کہ وہ کون ہے۔ اس نے اپنا کام کیا۔
 اب باقی کام نرسی کو کرنا ہے

اردو شیر۔ (آپ ہی آپ) لاجول و لا قوۃ کیا دیوانگی ہے۔ ہم میں ایک
 شیطان آکر شامل ہو گیا ہے۔ ایک آوارہ۔ پاجی۔ غونی سے بھی
 زیادہ ظالم۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کون ہے
 اور اس کے باوجود ہم اُسے اپنے کنبہ کا ایک فرد بنانے کیلئے تیار ہیں
 اپنی بہو بیٹیوں کو اس کے ساتھ ملنے چلنے کی اجازت دینے کیلئے تیار ہیں
 اور — اور —

پرویز (نرسی سے سمجھاتے ہوئے) دادا جان اتنا زور سے نہ بولئے۔ واقعی
 خبر بہت افواہناک ہے۔ لیکن اگر نرسی ہیں اس کا نام نہیں بتاتی تو

ہم کیا کر سکتے ہیں! کچھ نہیں
 اردو شیر- ہوں۔ نہیں ایسا نہیں اگر کسی شخص کے سرسے کے ساتھ کوئی
 خاص مراسم ہیں تو ہم ضرور معلوم کر سکیں گے اگر ہم میں سے کوئی شخص
 ایسا ہے جس کے خیالات اور رجحانات نہایت مذموم ہیں تو۔
 پرویز- ہوں!

اردو شیر- تیز آواز سے اجی ہاں جناب! میں پھر کہتا ہوں۔ اگر ہم میں سے
 کوئی شخص ایسا ہے جس کے خیالات اور رجحانات حد درجہ مذموم ہیں تو۔
 پرویز- یا کوئی ایسا شخص ہے جو بہت جلد آپ سے باہر ہو جاتا ہے تو۔
 اردو شیر- (غصہ کے مارے لال ہو کر) کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں
 اس فعل کا مرتکب ہو سکتا ہوں؟

پرویز- میرے پیارے اردو شیر یہ ایک ایسا فعل ہے جس کا ہر شخص
 مرتکب ہو سکتا ہے۔ فطرت کے خلاف جہاد کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔
 جو شبہ آپ کو مجھ پر ہے وہ ہر شخص کے متعلق کیا جاسکتا ہے یہ ایک
 ایسی کیچڑ ہے جو ایک جج کے پرنکلف لباس اور مجتہد کے لباس
 سے بھی چپک سکتی ہے اور ایک آوارہ گرد کے جسم کے چٹھڑوں کے
 ساتھ بھی۔ تم حیران مت ہو کیونکہ اس جرم کا ارتکاب میں کر سکتا ہوں
 اردو شیر کر سکتے ہیں کوئی شخص بھی کر سکتا ہے۔ یہ جرم کسی شخص نے بھی
 کیا ہو لیکن وہ اس سے انکار ضرور کرے گا۔ جیسے اردو شیر کر رہے ہیں
 اردو شیر (گلاؤں پر واہیں) م۔ م۔ م۔

پرویز۔ زبان میں لکنت پہ معنی وارد؛ لیکن اس کے باوجود کیسی
تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ معصوم ہیں۔

اردشیر۔ دننگ آکر! میں خوش ہوں کہ آپ کو اس کا خود اعتراف ہے۔
جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس میں کچھ صداقت ضرور ہے چاہے آپ
اپنے مسخرے پن سے اُسے کتنی ہی بھونڈی شکل میں پیش کریں۔ کیقباد
میرا خیال ہے تمہیں مجھ پر تو کسی طرح کا شبہ نہیں۔

کیقباد۔ آپ پر :- ہرگز نہیں۔

پرویز۔ (سنجیدگی سے) میرا خیال ہے انہیں مجھ پر کچھ کچھ شبہ ہے۔
کیقباد۔ نہیں جانی میاں میں تمہارے متعلق خواب میں کبھی ایسا خیال
نہیں کر سکتا۔

پرویز۔ کیوں نہیں کر سکتے؟

کیقباد۔ (بھونچکا ہو کر) کیوں نہیں کر سکتے!

پرویز۔ اچھا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہیں مجھ پر شبہ کیوں نہیں ہوا تو
تم مجھ سے رگڑنا نہیں چاہتے۔ دوم نسرین کو مجھ سے محبت نہیں
تیرے اگر مجھے نسرین کے بچے کا باپ ہونیکی عزت حاصل ہوتی
تو میں اس سے انکار نہ کرتا بلکہ اس پر فخر کرتا۔ تم خاطر جمع رکھو دوست
ہماری تمہاری دوستی خطرے میں نہیں ہے۔

کیقباد۔ میں آپ کے متعلق تو شبہ کر بھی نہیں سکتا لیکن آپ فوراً اس معاملہ
پر نہ زیادہ سنجدگی سے غور کریں معاف کیجئے گا۔

پرویز۔ مجھ سے معافی کے خواستگار ہو؟ ہو نہ ہو کیا بچنا ہے۔ اچھا
تو اب ہم سب کو بیٹھ جانا چاہیے اور ملکر اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے
(بیٹھ جاتا ہے) کچھ لوگ بادل ناخواستہ اس کی تقلید کرتے ہیں، نسریں
ملک کی ایک خدمت انجام دے رہی ہے اس لئے اس کو فوراً بارہ
پتھر باہر کر دینا چاہیے۔ جب تک وہ فارغ نہ ہو جائے۔ اوپر کیا ہو رہا ہے؟
پرویں۔ نسریں خادمہ کی کوٹھری میں اکیلی بیٹھی ہے۔

پرویز۔ دیوان خانہ میں کیوں نہیں بیٹھتی۔
پرویں۔ کیسی باتیں کرتے ہو جانی میاں مس ارد شیر دیوان خانہ میں اتنی جا
کے ساتھ بیٹھی ہیں اور سوچ رہی ہیں کہ کیا کیا جائے۔
پرویز۔ اچھا تو خادمہ کی کوٹھری کو تو یہ خانہ بنایا گیا ہے۔ اور قیدی
ججوں کے سامنے پیش کئے جانے کی منتظر ہے۔ ان بوڑھی بلیوں کے سامنے۔

پرویں۔ ہیں ہیں۔ جانی میاں!
ارد شیر۔ اس وقت آپ ان بوڑھی بلیوں میں سے ایک کے مکان کی
چھت کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ میری بہن ہی اس گھر کی مالک ہے۔
پرویز۔ اگر ان کا بس چلے تو وہ مجھے بھی خادمہ کی کوٹھری میں بند کر دیں
لیکن خیر میں تلی کا لفظ واپس لیتا ہوں بلیوں میں کچھ زیادہ ہی
سمجھ بوجھ ہوگی۔ پرویں بحیثیت تمہارے سرپرست کے میں تمہیں
حکم دیتا ہوں کہ تم ابھی نسریں کے پاس جاؤ اس کی تسلی نشفی کرو۔
پرویں۔ میں ان سے مل چکی ہوں جانی میاں وہ مُصر ہے کہ وہ باہر نہیں

جائیگی۔ میرے رائے میں کیگی کو اس کے متعلق اس سے گفتگو کرنی چاہیے
 کیتیا۔ میں اس سے اس مسئلہ پر کیونکر گفتگو کر سکتا ہوں۔ د غم سے
 نڈھال ہو جاتا ہے)

پرویں۔ آزدوہ ہنو کیگی اس غم کو ہماری خاطر برداشت کرو۔
 ارد شیر زندگی محض کھیل تماشنا اور شاعری ہی نہیں ہے۔ کیتیا اس
 مصیبت کا مقابلہ مرد بن کر کرو۔

پروینز د پھر چھڑ خانی کرتے ہوئے! بچارا بھائی! بچارے ہمدرد عزیز
 واقربا! ہر شخص "بیچارا" ہے سوائے اس عورت کے جو ایک نئی جان کو
 پیدا کرنے کیلئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے والی ہے۔ کیگی تم ایک
 خود غرض گدھے مت بنو۔ ابھی جاؤ اور نہر سے گفتگو کرو اور اگر وہ
 آنا پسند کرے تو اسے نیچے لے آؤ۔ اس سے کہو کہ ہم اس کے ساتھ ہیں۔

ارد شیر۔ (اُٹھتے ہوئے) نہیں جناب۔
 پروینز (ارد شیر کی طرح اُٹھتے ہوئے) اس کا قطع کلام کر کے! اچھا۔ اب
 ہم سمجھے یہ آپ کے اصول کے خلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کو
 اس پر عمل کرنا ہو گا۔

کیتیا۔ میں آپ سب لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے خود غرض بننے
 کی کبھی کوشش نہیں کی۔ جب انسان کوشش کرتا ہے کہ وہ بہتر سے
 بہتر کام کرے تو اسے یہ فیصلہ کرنے میں بہت الجھن ہوتی ہے کہ کونسا
 کام بہتر ہے۔

پرویز۔ پیارے بیکسی تمہاری یہ عادت انگریز قوم کے ساتھ مخصوص ہے کہ تم دنیا کو ایک اخلاقی ورزش گاہ سمجھتے ہو جو تمہارے کردار کی تعمیر کیلئے بنائی گئی ہے۔ اس نظریہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر اوقات دوسروں کی ضرورت کا احساس کئے بغیر ہم اپنے خیالات اور نظریات کی بھول بھلیاں میں کھو جاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں ایک خوش و خرم ماں اور ایک صحت مند بچہ چاہیئے۔ اور کچھ نہیں۔ تم اپنی تمام کوششیں اس مقصد کو حاصل کرنے میں صرف کرو تو تم اس الجھن سے نجات پاسکو گے

(دیکھنا بد بو کھلایا ہوا باہر چلا جاتا ہے)

اردشیر (پرویز کی طرف غور سے دیکھ کر) اخلاق کی بھی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت ہے یا نہیں۔

پرویز۔ اخلاق سے آپ کا مطلب یہی ہے ناکہ ماں اور اس کا معصوم بچہ اخلاق کے عطا کئے ہوئے معیار کے مطابق شرم سے گھل گھل کر مرجائیں ایسے اخلاق کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اخلاق کو اس کے والد ماجد یعنی حضرت شیطان کے پاس جانے دیجئے

اردشیر۔ یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا ہی تھا حضرت! کہ ہمارے آزاد خیال لوگوں کو خوش کرنیکے لئے اخلاق کو اپنے باپ شیطان کے پاس جانا ہی ہوگا ہمارے ملک کا مستقبل یہی ہے نا؟

پرویز۔ جی نہیں ہمارا ملک آپ کی تلخ نوائی کے باوجود بھی زندہ رہے گا بہر حال مجھے امید ہے کہ اس وقت ہم نے نمرس کیلئے جو طرز عمل اختیار کیا

ہے اس سے آپ کو اتفاق ہوگا

اردو شیر۔ جی ہاں لیکن آپ کے زاویہ نگاہ سے ہیں آپ نے یہ طرز عمل اختیار کرنے کے جو وجوہ بیان کئے ہیں ان سے مجھے اتفاق ہے

پرویز۔ جب کوئی بھی آپ سے باز پرس کرے تو آپ یہی جواب دیدیجئے گا
دُمڑکرو دیوار کی تصویریں دیکھنے لگ جاتا ہے

پرویز۔ (اُٹھ کر اردو شیر کے پاس آتے ہوئے) دادا جان! ذرا آپ دیوان خانہ میں جا کر ان لوگوں کو مطلع تو فرمائیے کہ ہم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔
اردو شیر پرویز کی طرف دیکھ کر) میں ان صاحب کے پاس نہیں اکیلا جھوڑ کر
نہیں جانا چاہتا۔ تم بھی میرے ساتھ آؤ نا

پرویز۔ بس چینیائی پسند نہیں کر ٹنگی کہ میری موجودگی میں اس مسئلہ پر
گفتگو کریں۔ دادا جان! میرا وہاں ہونا مناسب نہیں

اردو شیر۔ ہاں مجھے یہ خود سوچنا چاہیے تھا۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ تم بڑی اچھی
بچی ہو (اُسے شاباش دیتا ہے وہ خوش ہو کر نظریں اٹھا کر اُسے دیکھتی

ہے بہت متاثر ہو کر باہر چلا جاتا ہے۔ اردو شیر کو اس طرح بڑھا دینے
کے بعد پرویز پرویز کی طرف دیکھتی ہے جس کی پیٹھ اس کی طرف ہے
کچھ دیر تک اس کی شکل و صورت کو دیکھتی رہتی ہے اور اس کے بعد چپکے
سے پاس جا کر اس کے کان میں کہتی ہے)

پرویز۔ جانی میاں! (پرویز چونک کر مڑتا ہے) تم میرے سر پرست بن کر خوش
ہونا۔ میری ذمہ داری لینے میں تمہیں کوئی تامل تو نہیں۔

پرویز۔ ہاں تمہارے قربانی کے بکروں میں ایک کا اور اضافہ ہو گیا۔
 پرویں۔ یہ تو تمہارا پڑا نانا مذاق ہے۔ اب چھوڑو اس دل لگی کو
 تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ جانی میاں!
 میں تو تمہیں خوش کرنے کی انتہائی کوشش کرتی ہوں بحیثیت سرپرست
 کے میرا فرض ہے کہ میں تمہیں تباؤں کہ اگر تم مجھ سے بے تکلفی نہیں
 برتنو گے تو مجھے افسوس ہوگا۔

پرویز۔ پرویں کو بھی اسی طرح حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے تصویریں
 دیکھ رہا تھا، تم کو محبت کیلئے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہمارے
 اخلاقی فیصلے کس قدر جھوٹے ہوتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے
 کہ تم میں ضمیر کا وجود ہی نہیں۔ صرف عیاری ہے۔ اور تم ان دونوں
 میں تمیز نہیں کر سکتیں۔ لیکن اس کے باوجود تم میں ایک کشش موجود ہے
 کسی نہ کسی طرح میں تمہاری طرف متوجہ ہو ہی جاتا ہوں۔ اور اگر تم
 مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ تو میری آنکھیں تمہیں ڈھونڈیں گی۔

پرویں (آہستہ سے اپنا بازو اس کے بازو میں دیتے ہوئے) لیکن یہ
 بالکل فطری ہے۔ جانی میاں ہم ایک دوسرے کو اس وقت سے
 جانتے ہیں جب ہم بچے تھے۔ تمہیں یاد ہے نا؟

پرویز۔ (جلدی سے اپنا بازو پرویں کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے)
 بس بس۔ مجھے سب یاد ہے۔

پرویں۔ کبھی کبھی ہماری خوب لڑکچھونک ہوتی تھی۔ لیکن۔

پرویز۔ اب چھوڑو بھی اسے نہ تو میں اب طفل مکتب ہوں نہ نوے برس کا سٹھیا یا ہوا بڈھا۔ اگر زندہ رہا تو کبھی ایسا پیر فرقت بن ہی جاؤنگا۔ پرانی باتیں یاد مت دلاؤ۔ مجھے بھول جانے دو پرویز۔ کتنے اچھے تھے وہ دن (اس کا بازو کچڑے کی پھر کوشش کرتی ہے) پرویز۔ بیٹھ جاؤ انسان بنو۔ اُسے میز کے پاس ایک کرسی پر بیٹھاتا ہے) اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے لئے وہ اچھے دن تھے۔ تم ایک اچھے لڑکی تھیں لیکن تم ایک چیز پر قائم نہیں رہیں تم نے خوب مزے کئے۔ مجھے یاد ہے کہ کس طرح تم دوسری لڑکیوں کو بیوقوف بناتی تھیں اور ان پر اپنے اخلاق کا رعب گانٹھتی تھیں۔ لیکن مجھے یہ تو بتاؤ تمہیں کبھی کوئی اچھا لڑکا بھی ملا۔

پرویز۔ اکثر لڑکے بیوقوف ہوتے ہیں لیکن کیسی ہمیشہ ایک اچھا لڑکا بنا رہا۔ پرویز۔ ہاں ہاں کیوں نہیں وہ ایک اچھا لڑکا بنا رہا کیونکہ تم اُس پر ڈورے نہیں ڈال سکیں۔

پرویز۔ ڈورے نہیں ڈال سکی؟
پرویز۔ ہاں میری شیطان کی خالہ تم ڈورے نہیں ڈال سکیں۔ تم ہر وقت یہ جانتے کی کوشش کرتی رہتی تھیں کہ فلاں لڑکا کس مزاج کا ہے۔ اور اکثر اوقات اُسے اپنے دام فریب میں پھنسا کر اسکے دل کی باتیں معلوم کرنے کا تمہیں کتنا شوق تھا۔

پرویز۔ کیا فضول باتیں کرتے ہو۔ چونکہ تم اکثر مجھے اپنے کرتوتوں کے

قصے سنایا کرتے تھے تم سمجھتے ہو کہ میں لڑکوں کے بھید لیتی پھرتی تھی اور تم اس قسم کی باتوں کو ”دل کی باتیں“ کہتے ہو۔ لڑکوں کے دل کی باتیں بھی وہی ہوتی ہیں جو پورے مردوں کی اور تم جانتے ہو کہ مردوں کے دل کی باتیں کیا ہوتی ہیں۔

پروینز (تجاہل عارفانہ سے) ہنیں میں ہنیں جانتا۔ کیا باتیں ہوتی ہیں بتاؤ پروین۔ ہوتیں کیا۔ وہی باتیں جو وہ ہر کسی سے کہتے پھرتے ہیں۔ پروینز۔ اب میں قسم کہتا ہوں کہ جو باتیں میں نے تم سے کہیں وہ کسی سے نہیں کہیں۔ تم نے مجھے اس قدر ایسا بنا لیا تھا کہ ہم میں تم میں کوئی راز راز ہی نہیں تھا۔ ہم نے طے کر لیا تھا کہ ہم کوئی بات ایک دوسرے سے نہیں چھپائیں گے۔ میں نے اس کا کبھی تم سے گلہ نہیں کیا کہ تم میری ہمیشہ سن لیتی تھیں لیکن اپنی کبھی نہیں کہتی تھیں۔

پروین۔ لیکن تم میری سننا ہی کہاں چاہتے تھے۔ جانی میاں۔ تم تو ہمیشہ اپنی ہی سنایا کرتے تھے

پروینز۔ ہاں! سچ ہے! سچ ہے!! لیکن کتنی آفت کی پرکالہ تھیں تم۔ کہ میری اس کمزوری سے واقف ہوتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھا کر میرا بھید لیتی تھیں۔ لو اب میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میں اکثر اوقات تمہارے سامنے ڈینگ ہانکتا تھا کہ تمہیں مجھ سے دلچسپی پیدا ہو میں نے اکثر حقیقتیں صرف اس لئے کیں کہ تمہارے سامنے بیان کر سکے لئے مجھے کوئی سالہ لمبا لگے۔ میں لڑکوں سے لڑ لیتا تھا چاہے مجھے

ان سے نفرت ہو یا نہ ہو۔ میں ضرورت بے ضرورت خواہ مخواہ جھوٹ بول دیا کرتا تھا۔ میں خواہ مخواہ چیزیں چراتا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اُن ٹرکیوں کے بوسے لیتا تھا جن کی صورت سے مجھے نفرت تھی۔ میں محض تم پر رعب گانٹھنے کے لئے تیس مار خاں بنتا تھا۔ میری باتوں میں کوئی صداقت نہیں تھی۔

پرویں۔ لیکن میں نے کسی سے تمہاری باتوں کا ذکر نہیں کیا۔ پرویز۔ نہیں اگر تم چاہتے کہ میں اس قسم کی حرکتوں سے باز آؤں تو تمہیں چاہیے تھا کہ تم اوروں سے ان کا ذکر کرو تیں۔ لیکن تم تو خود چاہتی تھیں کہ میں کوئی میں کروں۔

پرویں۔ (چپک کر) یہ غلط ہے۔ بالکل غلط ہے جانی میاں میں یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ تم وہ نازیبا۔ احمقانہ اور مذموم۔ حرکتیں کرو۔ مجھے امید تھی کہ تم سنبھل جاؤ گے۔

محاف کرنا جانی میاں تم نے میرا کہا کبھی نہ مانا۔ تمہارے کارناموں کو دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی تھی لیکن میں ان کا ذکر کسی اور سے صرف اس خیال سے نہیں کیا کہ اس سے تمہیں رنج ہو گا۔ میں سمجھتی تھی کہ ذرا تم بڑے ہو کر تم اپنے بھلے بُرے کو خود سمجھ سکو گے اور یہ باتیں چھو دو گے۔ شاید میں غلطی پر تھی

پرویز۔ (طنز آمیز مہنسی سے) تمہیں آرزو ہو نیکی ضرورت نہیں۔ پرویں میں قصوں میں سے اُنیں تھے جو میں تمہیں سنایا کرتا تھا بالکل

جھوٹ ہوتے تھے۔ کیونکہ میں نے^{۶۱} سمجھ لیا تھا کہ تمہیں سچی کہانیاں پسند نہیں تھیں۔

پرویں۔ ہاں یہ تو میں خوب جانتی تھی کہ جو واقعات تم بیان کرتے تھے اُن میں سے اکثر جھوٹے ہوتے تھے۔ لیکن —

پرویز۔ تم گویا تم یاد دلانا چاہتی ہو کہ بعض شرمناک کہانیاں جو میں نے تمہیں سنائی تھیں وہ سچی تھیں

پرویں۔ میں تمہیں کچھ یاد دلانا نہیں چاہتی البتہ میں اُن افراد کو جانتی ہوں جو تمہاری شرمناک داستانوں کے کردار تھے۔

پرویز۔ ہاں۔ لیکن میں سچی کہانیوں کو زیب داستان کیلئے کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا کرتا تھا۔ ایک حاس رٹ کے کی کمزوریوں کو معلوم کر کے اُن سے لطف لینا ممکن ہے ”چکنے گھڑے“ قسم کے لوگوں کیلئے ایک

اچھا مشغلہ ہو لیکن خود اس رٹ کے کیلئے نہایت تکلیف دہ اور موجب رسوائی ہوتا ہے اس لئے وہ مشکل سے اپنی نعرشوں کا اقبال کرتا ہے خپتر میں نے چوری چھپے کہیں کہیں آنکھیں لڑائیں تھیں لیکن جب میں نے تم سے سچ سچ کہہ دیا تھا۔ تو تم نے راز فاش کر نیکی دھکی دی تھی۔

پرویں۔ غلط۔ کبھی نہیں۔

پرویز۔ ہاں۔ صحیح۔ بالکل صحیح۔ تمہیں یاد ہے وہ سیاہ آنکھوں والی رٹ کی ”شہلا“ (تھوڑی دیر کیلئے پرویں کی بھنبوں سے گڑا جاتی ہیں)

۶۲
 اس کی میری آشنائی ہو گئی تھی۔ ایک دن رات کے وقت ہم
 دونوں باغ میں چلے اور ایک دوسرے کی بغل میں ہاتھ دے
 ٹہلتے رہے اور آخر کار لباسوں سے ہم نے ایک دوسرے کو رخصت
 کیا تھا۔ گویا وہ رات بڑی رنگین گذری۔ اگر یہ عشق بازی چلتی رہتی
 تو میں کچھ عرصہ کے بعد اکتا کر زندگی سے بیزار ہو جاتا۔ لیکن وہ چلی
 نہیں۔ ہوا یہ کہ شہلا نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا کیونکہ اسے معلوم
 ہو گیا تھا کہ میں نے نہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اُسے یہ کیونکر معلوم ہوا؟
 تم سے۔ تم اس کے پاس گئیں اور تم نے یہ راز فاش کیا اور اسے
 بدنام و رسوا کرنے کی دھمکی دی۔

پرویں۔ یہ چیز اس کے حق میں کتنی اچھی تھی۔ میرا فرض تھا کہ میں اسے چلتی
 سے رکھوں۔ اور اب وہ میری ممنون ہے۔

پروینزہ۔ سچ؟

پرویں۔ ہاں کم از کم اُسے ممنون ہونا چاہیئے۔

پروینزہ۔ اور میری بد چلتی کو روکنا تمہارا فرض نہیں تھا۔ ہے نا!

پرویں۔ شہلا کی بد چلتی کو روکنے سے تمہاری بد چلتی بھی رک گئی۔

پروینزہ۔ کیا تمہیں اس کا یقین ہے۔ تمہاری اس حرکت کا نتیجہ صرف اس قدر

نکلا کہ اس کے بعد میں نے اپنے حالات سے تمہیں مطلع کرنا چھوڑ

دیا۔ لیکن تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں نے اپنے شاغل ترک کر دئے۔

پرویں۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ بھی تم محبت

کے کھیل کھیلتے رہے

پرویز - ہنیں شہلا والی حاقق میرے لئے کافی تھی۔
 پرویز - تو پھر تم مجھ سے کیوں اکھڑے اکھڑے سے رہنے لگے؟
 پرویز - کیونکہ اسی زمانہ میں مجھے ایک ایسی چیز مل گئی جس کے متعلق میں نے
 فیصلہ کر لیا کہ اسے میں اپنے لئے ہی رکھوں گا۔ تمہیں اس کا حصہ دار نہ بناؤں گا
 پرویز - اگر تم اسے نہ دینا چاہتے ہو تو میں بھی تمہارے آگے ہاتھ نہ پھیلاتی۔
 پرویز - وہ ایک بیٹھائی کا ڈبہ نہیں تھا۔ پرویز وہ ایک ایسی چیز تھی جس کے
 متعلق تم مجھے کہنے ہی نہ دیتیں کہ وہ چیز میری ہے۔ تمہاری نہیں۔
 پرویز - کیا ہے وہ چیز۔

پرویز - میری روح

پرویز - عقل کے ناخون لو جانی میاں سوچ سمجھ کر باتیں کرو۔
 پرویز - میں بالکل سوچ سمجھ کر باتیں کر رہا ہوں۔ تم نے اس وقت
 محسوس نہیں کیا کہ تم بھی ایک روح کی مالک ہو چکی تھیں نہیں تو تم میں
 شہلا کے اخلاق سدھارنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔ اس وقت تک تم بچہ
 تھیں۔ لیکن تم میں کسی دوسرے کے کام آنے کی آرزو پیدا ہوئی تھی
 میں بھی اس وقت تک کچھ ایسا ہی تھا مجھ پر ایک خاص قسم کی ہمیت
 طاری تھی اور میں ضمیر سے معرت تھا۔ لیکن اس کے بعد میں سنجیدہ ہو گیا
 مجھے اپنے فرائض کا احساس ہونے لگا۔ میں نے آہستہ آہستہ محسوس کیا کہ

لے یہاں روح سے مراد اخلاقی شعور ہے جیسا کہ آگے چل کر پرویز کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ترم

صداقت عزت و وقار محض بڑے بوڑھوں کے منہ سے نکلے ہوئے حسین الفاظ ہی نہیں تھے بلکہ میری شخصیت کے وہ اجزاء تھے جن سے میرے کردار کی تعمیر ہو رہی تھی۔

پرویں - (قدرے اطمینان سے) ہاں۔ میں سمجھتی ہوں تمہارا خیال صحیح ہے۔ تم ایک مرد بن رہے تھے اور میں ایک عورت۔

پرویز - نہیں۔ محض مرد اور عورت ہی نہیں۔ ہم کچھ اور ہی بن رہے تھے مرد اور عورت بن جانے سے غموں کا مطلب لیا جاتا ہے؛ یعنی محبت کا آغاز۔ لیکن محبت کا تو اس سے کہیں پہلے آغاز ہو گیا تھا۔ محبت میرے (یا شاید تمہارے) خوابوں لغزشوں اور رومانوں میں بہت پہلے سے کارفرما تھی۔ حالانکہ ہمیں اس کے باوجود کوا احساس نہیں تھا۔ دراصل مجھ میں جو تبدیلی پیدا ہوئی وہ آغاز محبت نہیں بلکہ اخلاق کے جذبہ کی پیدائش کی وجہ سے تھی۔ اور میں اپنے تجربہ کی بنا پر برملا کہتا ہوں کہ اخلاق کا جذبہ ہی دراصل سچا جذبہ ہے۔

پرویں - سب جذبات اخلاقی ہونے چاہئیں۔ جانی میاں پرویز - ”ہونے چاہئیں“ جذبات کی دنیا میں ”ہونا چاہیے“ کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جو جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے وہ دوسرے جذبات پر چھا جاتا ہے

پرویں - ہمارا اخلاقی شعور دوسرے جذبات پر حاوی ہے۔ جانی میاں۔ بیوقوف نہ بنو۔

پرویز۔ اخلاقی شعور؟ کیا اخلاقی شعور ایک جذبہ نہیں ہے۔ اگر اخلاقی شعور ایک جذبہ بلکہ قوی ترین جذبہ نہ ہوتا تو انسانی ذہن کے دوسرے جذبات آندھی بن کر اُسے ایک برگِ صنیر کی طرح اڑا دیتے اسی جذبے کی پیدائش ہر انسان کو بچے سے بڑا بناتی ہے۔
 پرویز۔ لیکن اس جذبہ کے علاوہ کچھ اور جذبات بھی ہیں جانی میاں۔
 نہایت قوی جذبات۔

پرویز۔ وہ سب جذبات مجھ میں پہلے سے موجود تھے لیکن وہ اندھے تھے اور بے جان۔ محض طفلانہ حرص۔ ظلم۔ حیرت۔ تصور۔ عادت وہم وغیرہ جنہیں عقل سلیم مضحکہ خیز اور بے سرو پا خیال کرتی ہے۔ یہ جذبات میرے ذہن میں شمعِ نوافروختہ کی طرح روشن ہوئے لیکن ان کی روشنی انکی اپنی نہیں تھی۔ بلکہ جذبہ اخلاق کے آفتاب صبح کی ضیا پاشیوں سے مستعار تھی۔ اسی جذبہ نے اُن جذبات کو اعزاز بخشا۔ انہیں ایک ضمیر اور ایک مقصد عطا کیا اُن میں کسک اور بے تابی پیدا کر کے انہیں اصول و مقاصد کے ایک رشتہ میں منسلک کیا۔ میری روح کی تخلیق اسی جذبہ سے ہوئی۔

پرویز۔ میں بھی اندازہ کیا تھا کہ تم میں ذرا عقل شعور پیدا ہو گیا تھا۔ نہیں تو پہلے تم ایک مخدوش اور مخرب لڑکے تھے۔

پرویز۔ مخدوش! مخرب! میں صرف ایک شریر لڑکا تھا۔
 پرویز۔ جانی میاں۔ تم بہت مخدوش لڑکے تھے۔ تم نے سرو کے درختوں کو

اپنی لکڑی کی تلوار سے پھیل پھیل کر خراب کیا۔ تم نے لکڑی اور کھیرے کی بیلوں کو اپنی غیل سے توڑا تم نے ہرے بھرے کھیتوں میں آگ لگائی۔ پولیس نے بیچارے کیکی کو گرفتار کیا کیونکہ وہ تمہیں اس شرارت سے باز رکھنے میں ناکام ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ رہا تھا تم نے۔

پرویز۔ یہ تو لڑائیاں تھیں۔ بھاری تھی۔ چالیں تھیں دشمنوں سے اپنی کھوپریاں بچانکی۔ پرویں! میں اب پہلے سے دس گنا زیادہ مخرب ہوں۔ جذبہ اخلاق نے میرے تخریبی میدان کو اپنے ہاتھ میں لیکر اس کا رخ اخلاقی مقاصد کی طرف پھیر دیا ہے۔ میں ایک مصلح بن گیا ہوں اور دیگر مصلحین کی طرح بُت شکن۔ اب میں لکڑی بیلیں نہیں توڑتا۔ اب میں جھاڑیوں کو آگ نہیں لگاتا۔ اب میں پرانی رسوم کو توڑتا ہوں۔ میں اوہام پرستی کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہوں۔

پرویں (تنگ آکر) تم اسے نوانیت کہو گے۔ لیکن مجھے تو تخریب میں بھلائی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ بربادی صرف بربادی کہہ سکتی ہے پرویز۔ ہاں۔ اسی لئے تو یہ بہت کارآمد ہے۔ تعمیر خد مضر و لوگوں کی بنائی ہوئی عمارتوں سے زمین کو لاد دیتی ہے۔ تخریب اسے صاف کر کے کھلی ہوا میں سانس لینے اور آزاد رہنے کا موقع دیتی ہے پرویں۔ غلط! جانی میاں! تمہاری اس رائے سے کسی عورت کو اتفاق نہوگا

۶۷
 پرویز۔ اس لئے کہ تم تعمیر و تخریب کو تخلیق اور اعدام سمجھتی ہو۔
 یہ بالکل جدا ہیں۔ ہاں مجھے قوتِ تخلیق سے محبت ہے چاہے وہ
 درختوں اور پھولوں میں ہو یا یرندوں اور درندوں میں اور تم میں
 بھی (پرویں کا چہرہ پرویز کی گفتگو سے اکتا جانے کی وجہ سے اتر
 سا گیا تھا۔ و فور شوق و مسرت سے دمک اٹھا ہے) یہ جدتِ تخلیق
 ہی تھی جس کی بدولت تم نے اُس بندھن سے مجھے باندھ لیا جس کے
 نشانات ابھی تک مجھ پر ہیں۔ ہاں۔ پرویں بچپن کے وہ قول و اقرا
 دراصل بغیر شعوری طور پر محبت کا ایک ایک بندھن تھا۔

پرویں۔ جانی!

پرویز۔ چونکہ نہیں۔

پرویں۔ نہیں میں چونکی نہیں۔

پرویز۔ تو ہمیں ضرور چونکنا چاہیے۔ کہاں ہیں تمہارے وہ اصول؟

پرویں۔ جانی میاں تم سچ کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو۔

پرویز۔ کیا تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ جذبہ اخلاق کے متعلق جو کچھ میں نے
 کہا وہ سچ تھا یا مذاق۔

پرویں۔ نہیں ہنیں اس دوسری چیز سے (پریشان ہو کر) اوہ! تم کتنے
 شریک ہو۔ تم سے کس طرح گفتگو کی جائے۔

پرویز۔ ہمیں مجھ سے نہایت سنجیدگی سے گفتگو کرنی چاہیے میں تمہارا

لے سدوم ہو جانا۔ (مترجم)

سرپرست ہوں اور تمہاری ذہنی تربیت کا ذمہ دار۔

پرویں۔ تو محبت کا بندھن ٹوٹ گیا ہے نا؟ شاید مجھ سے تمہارا جی بھر گیا تھا پرویز۔ نہیں یہ بات نہیں۔ اخلاقی جذبہ نے ہمارے طفلانہ تعلقات

کو نامکمل بنا دیا۔ مجھے اپنی انفرادیت کا احساس شدید ہو چلا تھا۔

پرویں۔ بہر حال تم نہیں چاہتے تھے کہ تمہیں لڑکا سمجھا جا جو لے جانی میا پرویز۔ ہاں کیونکہ تجھے لڑکا سمجھنے کا مطلب یہ تھا کہ بڑا ہونے کے باوجود بھی مجھے بچہ ہی سمجھا جائے۔ مجھ میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

میں ایک ”دوسرا شخص“ بن چکا تھا۔ جن لوگوں نے پہلے شخص کو ہی دیکھا تھا وہ اس دوسرے شخص کو دیکھ کر ہنستے تھے۔ صرف ایک شخص تھا

جو ذرا سمجھ بوجھ سے کام لیتا تھا۔ اور وہ تھا میرا درزی۔ یعنی

دفعہ میں اس سے ملتا تھا اتنی بار وہ نئے سرے سے میرا پلٹتا تھا

اور لوگ پرانے ناپ سے ہی میرا اندازہ کرتے تھے۔ اور توقع رکھتے

تھے کہ ان کا اندازہ صحیح نکلے۔

پرویں۔ تم بہت خود میں ہو گئے تھے۔

پرویز۔ پرویں جب تم بہت میں جاو گی تو پہلے پہلے کچھ دنوں اپنے

جسم پر دیکھ کر تم میری طرح خود میں ہو جاو گی۔ وہاں جب تم اپنے

عزیز و اقارب سے ملو گی جو تمہیں اس وقت بھی ایک پیکر فانی ہی

سمجھتے تو تم اسے پسند نہ کرو گی۔ تم ایک ایسی صحبت تلاش کرو گی

جس کے افراد نے تمہیں صرف فرشتہ کے روپ میں ہی دیکھا ہو۔

۶۹
 پرویں۔ تو یہ تمہاری خود بینی و خود پسندی تھی جس نے تمہیں ہم سے الگ کیا۔
 پرویز۔ ہاں تم اسے خود بینی و خود پسندی ہی کہہ لو۔
 پرویں۔ تمہیں اس بنا پر مجھ سے علیحدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔
 پرویز۔ اوروں سے زیادہ تم سے۔ تم نے اوروں سے زیادہ میری
 اس رہائی کے خلاف جنگ کی۔

پرویں (زور دیکر) اوہ! کس قدر غلط! میں تمہارے لئے سب کچھ
 کر گزرتی۔

پرویز۔ سب کچھ سوائے مجھے اپنی قید سے رہا کرنے کے۔ ان دنوں
 تم نے عورتوں کی اُس مفت کرم و شہت والی چال پر عمل کرنا شروع
 کر دیا تھا۔ یعنی اپنے آپ کو بے دست و پا بنا کر، بیچارے مرد کے
 رحم و کرم پر اس طرح چھوڑ دیا جائے کہ وہ عورت کے مشورے
 کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کی جرات ہی نہ کر سکے۔ میں ایک بد قسمت
 انسان سے واقف ہوں جسے اپنی زندگی میں صرف ایک آرزو
 تھی کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔

وہ اسے دھکی دیتی تھی کہ اگر تم نے ایسا کیا تو جس گاڑی سے تم
 جاو گے میں اس کے انجن کے آگے اپنے آپ کو ڈال دوں گی۔ سب
 عورتیں ایسے ہی کیا کرتی ہیں۔ اگر ہم کسی ایسی جگہ جانا چاہتے ہیں
 جہاں جانا تم عورتوں کی رائے میں مناسب نہ ہو تو کوئی قانون ایسا
 نہیں جو ہمیں وہاں جانے سے روک سکے۔ قانون تو ہمیں نہیں روک سکتا

لیکن جونہی ہم کوئی قدم تمہاری مرضی کے خلاف اٹھانیکی کوشش کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا قدم زمین پر نہیں بلکہ تمہارے سینوں پر پڑ رہا ہے۔ ہماری گاڑی کے پھیپے سڑک پر نہیں بلکہ تمہارے جسم پر چل رہے ہیں۔ بس پھر کس کی مجال ہے جو اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام کر سکے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کوئی عورت کم از کم مجھے تو اس طرح اپنا غلام نہیں بنا سکے گی۔

ہوں۔ لیکن جانی میاں۔ دنیا میں رہتا ہے تو دنیا والوں کا تھوڑا بہت لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔

پرویز۔ خوب! لیکن کن لوگوں کا۔ دنیا والوں کا یہ لحاظ یا ان کا خوف جسے ہم لحاظ کہتے ہیں یہی لحاظ ہمارے طبعی میلانات کو اسیر کر کے اُن پر حاوی ہو جاتا ہے۔ تمہارا لحاظ کرنے سے دراصل تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری مرضی کو اپنی مرضی پر ترجیح دوں۔ چاہے وہ کتنی ہی بے تکلفی اور لٹو کیوں ہو عموماً عورتیں مردوں سے بہتر تعلیم حاصل کرتی ہیں یا بدتر۔ ووٹ دینے والے ووٹ نہ دیئے جانے والوں سے متحد ہوتے ہیں یا بدتر! بدتر!!۔

دونوں حالتوں میں بدتر!! تم ایک ایسی دنیا سے کیا توقع رکھ سکتی ہو جس کے تمدن کی تعمیر و ارتقاء کو بچانا عورتوں اور عوام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ ”مذہب“ اور ”حکومت“ کا مطلب عورت اور کرایہ دار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

پرویں (اطمینان سے) میں خوش ہوں کہ تم سیاسیات کو بھی خوب سمجھتے ہو جانی میاں تم لیڈر ہو جاؤ تو بڑا اچھا ہو۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم نے محسوس کیا کہ میری صحبت کا اثر تم پر بڑا ہوا۔ پرویز۔ میں نہیں کہتا کہ اس کا اثر بڑا پڑا۔ اچھا اثر پڑا ہو یا بڑا۔ میں تمہارے ڈھنگ پر آنا نہیں چاہتا تھا۔ اور نہ آنا چاہتا ہوں۔ پرویں۔ تو تم سے کہتا کون ہے کہ تم میرے ڈھنگ پر آؤ۔ جانی میاں۔ میں سچ کہتی ہوں مجھے تمہارے عجیب و غریب خیالات سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی ہم سب کی تربیت نہایت ترقی پسند اصولوں پر ہوئی ہے تم مجھے اس قدر تنگ نظر کیوں سمجھتے ہو!

پرویز۔ یہی تو مصیبت ہے کہ تمہیں میرے خیالات سے کوئی اختلاف نہیں کیونکہ تم جانتی ہو کہ میرے خیالات چاہے اچھے ہوں چاہے بُرے انہی تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں۔ اگر جب ایک مرتبہ بارہ سنگھ کے گرد کھنڈل بنا لیتا ہے تو وہ قطعی پرواہ نہیں کرتا کہ بارہ سنگھ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔

پرویں (کچھ سمجھتے ہوئے) اچھا! — تو یہ بات ہے۔ اسی لئے تم نے کیلکی کو ڈرا دیا تھا کہ میں اگر ہوں یہ بات دادا جان نے مجھے بتائی (ہنس کر اپنا سمور دار بولا) کالو بند پرویز کی گردن کے گرد لپیٹا دیتی ہو! کیوں؟ اچھا معلوم ہوتا ہے نا؟ نرم نرم؟

لے بولا (BOA) اگر کو کہتے ہیں اس کے چڑے کے گلو بند بھی بنتے ہیں (مترجم)

پرویز (جکڑی ہوئی حالت میں) اے تیرے تیرا چہرہ تر!۔ تم باز
ہیں آوگی اپنی مکاری سے؟

پرویں۔ میں نے کب کی تھی تم سے مکاری اجانی میاں۔ بولو۔ کیا خفا
ہو گئے تم؟ (گلو بند کو گردن میں سے نکال بیٹی ہے اور اسے کرسی
پر رکھ دیتی ہے) شاید۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا

پرویز (بڑی خچل لڑکی ایسا ضرور کرنا چاہیے تھے۔ تمہیں مزا جو
آ رہا تھا اس میں!)

پرویں (شہراتے ہوئے) کیونکہ۔ کیونکہ دراصل اجگر کے کنڈل سے
تمہارا مطلب یہ ہے (اس کے گلے میں بائیں ڈال دیتی ہے)

پرویز (اس کی طرف غور سے دیکھ کر) واہ! کیا کہنے ہیں اس جبارت کے!
(پرویں کھلکھلا کر ہنسی ہے اور پرویز کے رخساروں کو ہاتھ سے پیار

کرتی ہے، اب ذرا سوچو تو۔ اگر میں یہ سب کچھ کسی سے کہ دوں
تو کوئی میری بات پر یقین نہیں کریگا۔ اور اگر یقین کریگا تو مجھے
جان سے مار ڈالے گا۔ لیکن اگر تم میری شکایت کر دو تو چاہے میں
اپنی صفائی پیش کرنے میں سرٹیک کر مرجاؤں کوئی میری بات نہیں

ماننے کا!

پرویں (بڑی شان سے اپنی بائیں اس کے گلے سے نکالتے ہوئے،

اب تمہیں کون سمجھائے، لیکن تمہیں ہمارے محبت اور خلوص کا
مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ کسی کو اسی سے غلط فہمی پیدا نہیں ہو سکتی

میں سمجھتی ہوں تمہیں اس سے غلط فہمی تو پیدا نہیں ہوئی۔
 پرویز: میرے خون کی روانی میرے جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے
 پرویز: کیکی بچا را۔

پرویز: (چمک کر پرویز کو دیکھتے ہوئے) غالباً تم اتنے احمق تو نہیں
 ہو کہ کیکی سے جلنے لگو۔

پرویز: جلنے لگوں؟ کیوں؟ لیکن تم نے جو اس پر قابو حاصل کیا ہے
 وہ میرے لئے تعجب خیز نہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے کنڈل
 روز بروز میرے گرد کتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے
 ساتھ محض کھیل رہی ہو

پرویز: کیا تم سمجھتے ہو کہ کیکی پر میری نظر ہے۔

پرویز: جی ہاں۔ ہے۔ اور ضرور ہے۔

پرویز: (سنجیدگی سے) جانی میاں۔ دیکھو۔ خبردار۔ اگر تم کیکی کو
 میری طرف سے کسی غلط فہمی میں مبتلا کرو گے تو اُسے بڑی تکلیف ہوگی

پرویز: فکر مت کرو؛ کیکی تمہارے ہاتھ سے جاتا نہیں۔

پرویز: کیا تم واقعی اتنے عقلمند ہو جانی میاں؟

پرویز: کیوں کیا تمہیں اس میں کوئی شک ہے؟

پرویز: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم وہ سب چیزیں جانتے ہو جو میں

نہیں جانتی لیکن جو کچھ میں جانتی ہوں اُسے تم اتنا بھی نہیں جانتے
 جتنا ایک بچہ جان سکتا ہے۔

۷۴
 پرویز: تم خاطر جمع رکھو۔ پرویں: میں خوب جانتا ہوں کہ تم کیکی کیلئے کیا
 پرویں: اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کیکی میرے لئے کیا ہے؟
 پرویز: میں خوب جانتا ہوں کہ بچارے کیکی پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے
 پرویں: اگر آبا کی نئی نئی موت نہ ہوتی تو میں تمہاری اس بات
 پر خوب دل کھول کر ہنستی۔ یاد رکھو کیکی کو بہت رنج ہوگا۔
 پرویز: ہاں۔ لیکن وہ بوڑھم یہ بات کبھی سمجھے گا ہی نہیں۔ وہ تمہارے
 لئے ضرورت سے زیادہ موزوں ہے۔ اپنی وجہ ہے کہ وہ اس عمر
 میں یہ سب بڑی غلطی کر رہا ہے۔

پرویں: میں سمجھتی ہوں مرد سیدھے سادے ہونے سے اس قدر
 نقصان میں نہیں رہتے جتنے چالاک بننے سے۔ جتنا جیتے ہیں اتنا
 اتنا ہی کر کر کھاتے ہیں۔ (جھنجھلا کر کرسی پر بیٹھ جاتی ہے اور
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے مردوں پر لعنت کر رہی ہے)
 پرویز: میں جانتا ہوں تمہیں کیکی کا کوئی خاص خیال نہیں۔ لیکن یاد رکھو
 دنیا کا دستور ہے کہ ایک بوسہ لیتا ہے دوسرا لینے دیتا ہے
 کیکی بوسہ لے گا۔ اور تم صرف اپنا گال اس کی طرف کر دیا کرو گی۔
 اور جب کوئی کیکی سے اچھا مل جائیگا تو کیکی بچارے کو دھتکا
 تبادو گی۔

پرویں (برہمان کر) تمہیں ایسی باتیں کرنیکا کوئی حق نہیں جانی میاں۔
 یہ باتیں نہ تو صحیح ہیں اور نہ شائستہ۔ اگر تم اور کیکی میرے متعلق

عجیب و غریب باتیں سوچتے رہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں
 پرویز۔ میری تلخ نوائی معاف کر دو پر دیں! میں اس پاجی
 سنار کو کوس رہا ہوں۔ تم کو نہیں پرویں خوش ہو کر پرویز کی طرف
 اس انداز سے دیکھتی ہے گویا سب کچھ معاف کر دیا۔ پرویز فوراً
 سنبھل جاتا ہے (اچھا تو اب میں چاہتا ہوں کہ اردو شیرا جائے
 تمہارے ساتھ اکیلا ہونے کی وجہ سے میں اپنے آپ کو محفوظ نہیں
 سمجھتا۔ تم میں ایک خیطانی سحر ہے۔ نہیں نہیں سحر نہیں بلکہ ایک
 دلچسپی ہے (پرویں منہ ہنسی ہے) بس کچھ ایسی ہے کہ ہر بار تمہاری ہی
 جیت ہوتی ہے۔ سولہ آنے تمہاری جیت!

پرویں۔ کیسے ہر جانی ہو تم!

پرویز۔ ہر جانی؟ میں؟

پرویں۔ ہاں۔ ہر جانی۔ تم لوگوں کو دل بھر کر خوب صلواتیں سناتے ہو
 دل جلاتے ہو۔ لیکن پھر بھی انہیں اپنے پھندے سے نہیں نکلنے دیتے
 پرویز۔ یہ گفتگو فوراً ضرورت سے زیادہ طویل اور نازک ہوتی جا رہی
 ہے۔ میں تو بجاتا ہوں گھنٹی۔

(اردو شیرا اور کیتھارڈ۔ مس چینیائی کے ساتھ آتے ہیں بس چینیائی
 ایک اوجھڑ عمر کی عورت ہے اور ایک بھورے رنگ کا سادہ گون
 پہنے ہوئے ہے۔ اس کے زیورات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ لباس
 میں اس کی سادگی کی وجہ اس کے اصول ہیں نہ کہ افلاس۔ وہ بے ڈھنگ

کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ اور وہ دو اصحاب کچھ گھبرائے ہوئے
 سے اس کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ پروین فوراً اٹھ کر مس چینیائی
 سے ملنے کیلئے بڑھتی ہے۔ پروین پیچھے ہٹ کر تصویروں کو غور سے
 دیکھنا شروع کر دیتا ہے گویا ان کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اردو شیر حسب
 معمول اپنی میز پر چلا جاتا ہے اور کیتبا د پروین کے پاس جا کھڑا ہوتا ہے
 مس چینیائی (پروین کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے بیگم ہدانی کی کرسی
 پر جا بیٹھتی ہے) مجھے اب اس معاملہ سے کوئی مطلب نہیں۔
 لیتبا د۔ (منطو مانہ لہجہ میں) مس چینیائی میں جانتا ہوں کہ آپ کی خواہش
 ہے کہ میں نسریں کو یہاں سے لے جاؤں۔ آپ بے فکر رہیں میں
 ایسا ہی کروں گا (ذرا گھبرایا ہوا دروازہ کی طرف بڑھتا ہے)

اردو شیر - نہیں نہیں —

مس چینیائی - اردو شیر! نہیں کہنے سے کیا فائدہ! کیتبا د جانتا ہے
 کہ جو عورت اپنے کئے پریشماں و منفعل ہو اس کے ساتھ میں ایسا
 سلوک ہرگز روا نہیں رکھتی۔ لیکن جب عورت ایک تو بد چلنی کرے
 اور پھر اس سے باز نہ آئے۔ تو ایسی عورت کا میرا کوئی ساتھ نہیں
 پروین۔ ارے بس چینیائی آپ کا مطلب میں سمجھی نہیں نسریں نے
 کیا کیا ہے؟

اردو شیر - نسریں ہے تو بڑی ضدی عورت وہ ہمیشہ سے جانیکا نام نہیں لیتی۔
 میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

مس چینائی۔ میں جانتی ہوں کہ بات بالکل صاف ہے اور ویدر۔
 بات صرف اتنی ہے کہ اُسے بمبئی چھوڑنے سے اس لئے انکار ہو
 کہ وہ اس مردوے سے جدا ہونا نہیں چاہتی۔

پرویں۔ ہاں ٹھیک تو ہے کیتباد! تمہاری نرسیں کی کیا باتیں ہوئیں
 کیتباد۔ وہ کچھ بتاتی ہی نہیں مجھے۔ وہ اس وقت تک کوئی قطعی
 فیصلہ نہیں کرنا چاہتی جب تک کہ وہ ایک شخص سے مشورہ نہ کر لے

اور وہ شخص یقیناً وہی بد معاش ہے جس نے اُسے دغا دی
 پروینر۔ (کیتباد سے) تو کرینے دو اُسے مشورہ اس شخص سے۔ وہ اُسے
 باہر بھیجنے کو ضرور خوش ہوگا۔ اس میں دقت کیا ہے؟

مس چینائی (کیتباد کے منہ سے جواب چھپتے ہوئے) جانی میاں وقت
 اس لئے ہے کہ میں نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس کی
 بد اطواری میں اس کی شریک بننے کا نہیں۔ یا تو اُسے قسم کھانی ہوگی
 کہ وہ اُس شخص سے کبھی نہیں ملیگی۔ نہیں تو وہ جلد از جلد اپنے لئے
 کوئی نئے دوست احباب تلاش کرے (خادمہ دروازے پر نظر
 آتی ہے۔ پرویں جلدی سے اپنی نشست پر بٹھ جاتی ہے۔ اور ایسی
 معلوم ہوتی ہے گویا اس بحث سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔

کیتباد تو گویا اس کا معمول بن کر اس کی نقل کرتا ہے)

خادمہ۔ گاڑی دروازے پر کھڑی ہے بیگم صاحبہ۔

مس چینائی۔ کیسی گاڑی؟

خادمہ - مس سرزجی کیلئے

مس چینائی - اوہ (سنجھتے ہوئے) اچھا - (خادمہ چلی جاتی ہے) لو
اس نے گاڑی منگائی ہے -

پرویز - میں خود آدھے گھنٹے پہلے گاڑی منگانا چاہتا تھا۔
مس چینائی - مجھے خوشی ہوتی ہے کہ آخر کار نرسیں کو اپنی معاملے
کی نزاکت کا احساس ہو گیا ہے -

اردشیر - سوسن! میں نہیں چاہتا کہ اُسے اس طرح جانے دیا جائے
ہیں اس کے ساتھ درشتی سے ہرگز پیش نہیں آنا چاہیئے۔
اکیقباد - نہیں۔ آپکا بہت بہت شکریہ مس چینائی درست فرماتی ہیں۔
نرسیں کو ہرگز یہاں قیام نہیں کرنا چاہیئے۔
پرویں - کیکی! کیا مناسب ہندو گناہ تم بھی اس کے ساتھ جاؤ۔

اکیقباد - وہ چاہتی ہی نہیں کہ میں اس کے ساتھ جاؤں۔
پرویز - یہ اس قابلِ حسین خیر مقدم کا نتیجہ ہے جو اس گھر میں نرسیں
کا کیا گیا۔

اردشیر (بوکھلا کر) یہ سچ کہتے ہیں میں چاہتا تھا کہ تم اپنے
سخت اصولوں کو ان الفاظ کی روشنی میں دیکھو۔ اور اس بچاری
رٹ کی کے معاملے میں ذرا تحمل سے کام لو۔ وہ بالکل نوجوان ہے
اور ہر چیز کا ایک وقت ہو کرتا ہے۔

مس چینائی - تو اس کے حمایتی بھی تو بہت سے موجود ہیں۔ جانی میا

مجھے تمہاری باتوں پر حیرت ہوتی ہے

پرویز۔ اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ ارد شیر صاحب! اور
 مجھے اس پر ناز ہے (نہریں دروازہ میں نظر آتی ہے) وہ بہت
 خود دار ہے اور اس کے چہرے سے پشیمانی کے کوئی آثار نمایاں
 نہیں۔ اس کا چھوٹا سر۔ چھوٹا سا دہن۔ اور ٹھوڑی۔ اس کا حسن بیا
 اور اندازِ خرام۔ اس کے لباس کی پھبن نے اُسے کچھ ایسا جاذب
 نظر بنا دیا ہے کہ وہ متین بھی نظر آرہی ہے۔ وہ پرویں کی طرح
 عشو، گرہنیں اس کے خداداد حسن نے اُسے عشوہ و ادا سے بے نیاز
 کر دیا ہے۔ کرشمہ خود و امن دل کھینچ کر دعوتِ نظارہ دیتا ہے
 علاوہ ازیں پردیں ذرا چلبلی رڑکی ہے۔ نہریں ایسی نہیں شاید موقع
 آئے تو اس کا دل بھی نہ لپیچے جہاں اوروں کی آنکھیں نم ہو جاتی
 ہیں۔ وہ رحم سے زیادہ انصاف و تعقل کو اپنا رہنما سمجھتی ہے
 اس کا اندازِ بیان ایسا ہے گویا وہ ایک استانی ہے جو شریہ
 لڑکیوں کو سخت سست کہہ رہی ہے۔
 نہایت متانت اور تمکنت سے کچھ کہنے کیلئے آگے بڑھتی ہے)
 نہریں۔ میں مس چنیاؤں سے صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ انہوں نے میری
 سالگرہ کے موقع پر جو کنگن مجھے بطور تحفہ دئے تھے وہ خادمہ
 کے کمرے میں رکھے ہیں۔

پرویز۔ نہریں! ذرا آؤ۔ ہم سے بات کرو۔

نہیں۔ بس شکریہ میں صبح سے باتیں کرتی اور سنتی رہی ہوں اور پرویں
 تمہاری والدہ روتی ہوئی گھر گئی ہیں۔ بہر حال آخر کار میں نے دیکھ لیا کہ
 میرے نام نہاد دوست اور سہارو کتنے پانی میں ہیں۔ خدا حافظ !

پرویز۔ نہیں ہنیں ذرا ٹھیرے تو۔ مجھے آپ سے کچھ کرنا ہے اور میں آپ سے
 درخواست کرتا ہوں کہ آپ اُسے سین (نہیں نہایت بے اعتنائی سے اس کی
 طرف دیکھتی ہے۔ اور کچھ دیر توقف کرتی ہے۔ اور اس وقفہ میں اپنے
 دستانے پینے لگتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دستانے پینے کو
 وہاں تھوڑی دیر ٹھہر گئی ہے ورنہ اُسے پر ویز کی بات سے کوئی دلچسپی
 نہیں) میں اس معاملہ میں قطعی آپ کے ساتھ ہوں میں آپ کی خدمت میں
 اپنی انتہائی مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے نہایت جرات
 سے کام لیکر یہ کام کیا۔ آپ بالکل صحیح راستہ پر ہیں اور سب لوگ
 غلط راستے پر۔

دسب حاضرین پر ایک ہیجانی گنیت طاری ہو جاتی ہے۔ پرویں اور
 مس چینیائی کھڑے ہو کر پرویں اور نہری کی طرف بڑھتے ہیں نہری
 سے زیادہ اچنبہ میں ہے۔ وہ دستانے پینا بھی بھول جاتی ہے۔
 اور کمرے کے بیچ میں آتی ہے۔ کچھ گھبرائی ہوئی سی اور کچھ بیزار۔
 صرف کیقباد اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا ہے نہ ہلتا ہے نہ چلتا ہے
 کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

پرویں۔ پرویز کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے) جانی میاں۔

مس چینیائی (تلمذاکر) میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ -
 نسریں - (تیزی سے پرویز کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ سے کس نے کہا؟
 پرویز - کیوں؟ اردو تیر اور کیکی نے مجھ سے کہا۔ کیوں نہ کہتے وہ؟
 نسریں - لیکن وہ نہیں جانتے۔
 پرویز - وہ کیا نہیں جانتے؟

نسریں - میرا مطلب ہے - وہ یہ نہیں جانتے کہ میں سیدھے راستے پر ہوں۔
 پرویز - اوہ! اوہ! اپنے اپنے دل میں سب قائل ہیں لیکن وار اپنی اوہام
 پرستی۔ روایت پرستی اور بے ڈھنگی اخلاقیات کی وجہ سے ہمیں ملزم
 قرار دینے پر مجبور ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ اور ساری دنیا جانتی ہے۔
 (حالانکہ وہ زبان سے نہیں کہتی) کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ تمہاری فطرت
 کا تقاضا تھا۔ کہ شباب اور جرات عورت کی سب سے زیادہ قابل تمام
صفات ہیں۔ اور ماں بننا عورت بننے کی تہید ہے اور یہ کہ آپ کہ
 شادی شدہ ہونا یا ہونا آپ کے وقار اور ہمارے آپ کے مراسم پر کسی قسم
 کا کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔

نسریں (تمغہ اور غصہ کے مارے لال پیلی ہوتے ہوئے) اوہ! تو آپ
 مجھے اور عورتوں کی طرح ایک بدچلن عورت سمجھتے ہیں۔ آپ سمجھتے
 ہیں کہ نہ صرف میں نے بدچینی کی ہے بلکہ میں آپ کے ان مکروہ خیالات
 میں بھی آپ کی شریک ہوں۔ مس چینیائی: میں نے آپ کی سخت کلامی
 اس نئے برواشت کی کہ میں جانتی تھی کہ جب اصل صورت حال سے

واقف ہو گئی تو آپ اپنے کہے پر پھپھتا نیگی۔ لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ مجھے ان کمینی عورتوں میں شمار کیا جائے جن کی جانی میاں صاحب مدح و ثنا فرما رہے ہیں۔ میں نے اپنے شوہر کی خاطر اپنی شادی کے راز کو سہرا لپیٹ رکھا۔ لیکن اب میں ایک شادی شدہ عورت کی حیثیت سے کہتی ہوں کہ میری اس طرح تو بہن نہ کی جائے۔

کیسبیا دوسرا اٹھاتے ہوئے۔ ناقابل بیان حد تک مطمئن ہوتے ہوئے، تو آپ کی شادی ہو گئی!

سر۔ ہاں۔ اور مجھے امید تھی کہ آپ لوگ خوب بھانپ جائیں گے مجھے شادی کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھنے کے باوجود آپ کو کیا حق تھا کہ آپ سمجھیں کہ مجھے اپنی شادی کی انگوٹھی پہننے کا حق نہیں ہے۔ آپ میں سے کسی نے اس کے متعلق مجھ سے پوچھا تک نہیں۔ میں اس کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

پرویز۔ (ارے... ارے... ارے) میں کسی بُرے خیال سے نہیں کہا تھا۔ میں معذرت کرتا ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

سر۔ مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ اپنی گفتگو میں ذرا احتیاط سے کام لیا کریں گے۔ ظاہر ہے ایسی باتوں کا کوئی بُرا نہیں مانتا۔ لیکن میرا خیال ایسی باتیں ناگوار ہوتی ہیں۔ اور انسان کی بد ذاتی کو ظاہر کرتی ہیں۔

پرویز۔ (اس آنت ناگہانی میں بھگی بلی بنے ہوئے) میں کوئی صفائی پیش

نہیں کر سکتا۔ میں آئندہ کسی عورت کی حمایت کرنے سے احتراز کر نیکی کوشش کروں گا۔ سوائے پرویں کے ہم نے اپنے آپ کو اپنی آنکھوں سے گرا دیا۔ پرویں کی خاطر مجھے معاف کر دیجئے۔

سر۔ ہاں۔ پرویں مجھ پر ہریان رہیں۔ لیکن پرویں کو سب کچھ معلوم تھا۔ روئینز۔ (حد سے زیادہ گھبرا کر) اوہ !!! آف ری مکاری! مس چینائی (دکھیا کر) اور ذرا یہ تو فرمائے کہ وہ کون ذات شریف ہیں جنہیں اپنی بیوی کو بیوی تسلیم کرنے سے انکار ہے۔

سر۔ (فوراً) مس چینائی! یہ میرا معاملہ ہے۔ آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں۔ میں نے چند وجوہ کی بنا پر اپنی شادی کو فی الحال راز میں رکھا ہے۔ روئینز۔ سر میں صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ہم اتنا سے زیادہ نادار ہیں ہم نے آپ کے ساتھ جیسا سلوک کیا ہے اس پر مجھے سخت مذمت بقباد (بوکھلائے ہوئے) میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ سر میں آپا پس میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مس چینائی۔ (اب بھی اپنی مندیراڑے ہوئے) تمہاری ان باتوں نے واقعی اصل واقعہ پر ایک نیا رنگ چڑھا دیا ہے۔ لیکن خیر۔ مجھے افسوس ہے کہ۔

سر۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) آپ کو مجھ سے معافی مانگنی چاہیے۔ آپ کو میرے علاوہ خود اپنے سے معافی مانگنی چاہیے۔ آپ ایک بیاہتا عورت ہوتیں تو پسند نہ کرتیں کہ آپ کو ایک خادمہ کے کمرے میں

۸۴
 اکیلا چھوڑ دیا جائے اور آپ کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو ایک
 شہر میں بچے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور اس بد تمیزی میں نوجوان لڑکیوں
 اور بوڑھی عورتوں نے نہایت غیر ذمہ دارانہ طور پر برابر کا حصہ لیا۔
 پرویز۔ ہم اپنے کئے پر نادم ہیں اب ہمیں اور زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔
 نسریں! ہم نے آپ کو بے وقوف بنایا۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ آپ نے
 ہم سب کو بے وقوف بنایا۔

نسریں۔ لیکن خیر۔ جانی میاں۔ آپ کا تو اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔
 پرویز۔ کوئی تعلق نہیں؟ ارے! اردشیر صاحب نے ازراہ عنایت خود
 مجھے وہ نامعلوم شخص گردانا تھا۔

(اردشیر چونکتا ہے۔ لیکن نسریں کے پرسکون غصہ سے اُس کا جوش
 ٹھنڈا پڑ جاتا ہے)

نسریں۔ آپ کو؟ اُف کیا بے حیائی ہے۔ کس قدر مکروہ! آپ لوگ
 میرے متعلق کس قدر شرمناک گفتگو کرتے رہے ہیں۔ اگر میرے شوہر
 کو یہ معلوم ہو جائے تو وہ مجھے آپ لوگوں سے آئندہ بات بھی
 نہ کرنے دے (اردشیر سے) کم از کم میرے متعلق تو آپ کو ایسی
 باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔

اردشیر۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کبھی — کم از کم یہ بات
 کا بیکسر ضرور بنایا گیا ہے۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ —
 مس جینیائی۔ اردشیر تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ آفت

انہوں نے خود اپنے سر لی ہے انہیں خود ہم سے معافی مانگنی چاہیے
کہ انہوں نے ہمیں دھوکے میں رکھا۔

نسرین - مس چینیائی مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ
سمجھ ہی نہیں سکتیں کہ ایسے موقع پر ایک شادی شدہ عورت کے
تاثرات کیا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ مجھے زیادہ تجربہ
کار اور عمر رسیدہ عورتوں سے ایسی کچھ فہمی کی توقع نہ تھی۔ بہر حال
میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کو کئے پر افسوس ہے اور اب میرے لئے
یہی مناسب ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں۔ خدا حافظ۔

(چلی جاتی ہے۔ اور حاضرین اسے گھورتے ہیں)

مس چینیائی - خیر میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ۔

اردو شیر - (غم آگیاں لہجہ میں) میں نہیں سمجھتا کہ اس کا دل ہماری طرف
سے صاف ہے۔ بس شادی کی انگوٹھی ہمتیں اور ہم سب کو مرعوب
کر دینے کیلئے کافی ہے۔ البتہ ہماری ذلت کا پیمانہ بے ریزہ ہو چکا ہے

دوسرا ایکٹ

بہی کے مضافات مکان کے پاس ایک موٹر خراب ہو کر رُکی ہوئی ہے۔ موٹر درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس ہی کھڑی ہے۔ اس کے پاس پرویز کھڑا ہوا ہے۔ اس نے چمڑے کا اور کوٹ پہن رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی سفر کر کے آیا ہے۔ اس کی کمر جھکی ہوئی ہے اور اس کے ہاتھ گھٹنوں پر ٹکے ہوئے ہیں۔ اور وہ نہایت غور سے دو ٹانگوں کو دیکھ رہا ہے جو موٹر کے نیچے سے نکلی ہوئی ہیں۔

طاہر نکلیں۔ ہا! ہو گیا ٹھیک!

پرویز۔ بالکل ٹھیک ہو گیا؟

طاہر نکلیں۔ آں! بالکل ٹیک ہو گیا۔ آ۔

(پرویز ٹانگوں کے ٹخنوں کو پکڑتا ہے۔ اور ان کے مالک کو کھینچ کر باہر لے آتا ہے جو ہاتھوں کے بل چلتا ہوا منہ میں ہتھوڑی ٹھامے ہوئے یاہر ہوتا ہے۔ وہ ایک نوجوان آدمی ہے اور نیلے رنگ کی

قمیص اور پلن پیسے ہوئے ہے۔ ڈائری موبچیں دو تھیں۔
صاف آنکھیں سیاہ کچھ چوکور قسم کی انگلیاں۔ چھوٹے چھوٹے سیاہ
بال خوب سنوارے ہوئے ہیں۔ بھنوں کچھ عجیب وضع قطع کی ٹیڑھی
بھنگی سی ہیں۔ پرویز اور اس کے دوستوں کے ساتھ اس کا برتاؤ
آقا اور نوکروں جیسا نہیں۔ اس کا انداز گفتگو نہایت شریفانہ
اور تصنع سے پاک ہے۔ معززین سے ملتا جلتا نہیں بلکہ انہیں
اپنے سے الگ رکھتا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ ان کی حرکات و سکنات
کا نہایت چالاکی سے مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی باتوں میں ایک
طنز بھی پوشیدہ ہے۔ اس کی گفتگو کی سلاست کسی سے کم نہیں
اس کے لباس کی نفاست کو دیکھ کر اس کے نئے اور اس کے ہم پیشہ
لوگوں کیلئے احترام کے جذبات پیدا ہوتے ہیں

وہ اب کار میں بیٹھ کر اپنے اوزار اور اپنا لبار وغیرہ
اتار کر سنبھال کر رکھنا شروع کرتا ہے۔ پرویز بھی اپنا چمڑے کا
اور کوٹ اتارتا ہے اور ایک اطمینان کا سانس لیکر اسے کار میں
رکھ دیتا ہے۔ ڈرائیور تسخراً میز مہنی سے اس کی طرف دیکھتا ہے
ڈرائیور۔ کیوں تھک گئے بس؟

پرویز۔ یہی میں تو اب مکان میں جاتا ہوں اور کمر سیدھی
کرتا ہوں۔ اور ذرا مکان اتارتا ہوں (گھڑی دیکھ کر) تھمہ احمدم
ہے کہ ہم بمبئی سے ملاؤ اکیس منٹ میں پہنچ گئے۔

ڈرائیور۔ اگر ہمیں سڑک صاف ملتی تو میں پندرہ منٹ سے بھی کم
میں یہ فاصلہ طے کر لیتا۔

پرویز۔ کیوں کریتے؟ کیا تمہیں کھیلنے کا شوق ہے یا اپنے بدقسمت
آقا کو معیشت میں ڈالنا چاہتے ہو۔

ڈرائیور۔ کیوں؟ کیا آپ کو ڈر لگتا ہے۔

پرویز۔ ہاں! پولیس سے اور اپنی گردن ٹوٹنے سے۔

ڈرائیور۔ اچھا تو اگر آپ سبج سبج جانا چاہتے ہیں تو بس میں سفر کیا
کےجئے۔ وہ سستی بھی ہے۔ آپ مجھے تنخواہ اس نئے دیتے ہیں کہ میں

آپ کا وقت بچاؤں۔ اور جو رقم آپ نے اس کار پر خرچ کی ہے
وہ آپ کو وصول ہو جائے (خاموشی سے بیٹھ جاتا ہے)

پرویز۔ میں تو اس کار کا اور تنہا غلام ہوں۔ میں تو خواب میں بھی
اسی کمبخت کو دیکھتا ہوں

ڈرائیور۔ خیر یہ شکایت بھی جلد رفع ہو جائیگی۔ اگر آپ مکان میں
چارے ہیں تو کیا میں دریا فت کر سکتا ہوں کہ آپ وہاں کتنی دیر
ہرٹینگے۔ کیونکہ اگر آپ آج کی صبح عورتوں سے گپ مارنے
میں صرف کرنا چاہتے ہیں تو میں کار کو موٹر خانے میں رکھوں اور
ذرا کھانے پینے کی فکر کروں۔ ورنہ میں کاریاں تیار رکھتا ہوں۔

پرویز۔ بہتر یہ ہے کہ تم یہیں ٹھہرے رہو۔ ہم جلدی آئیں گے۔ کوئی
ظلمان صاحب آئے ہوئے ہیں۔ یہودی ہیں۔ وہ کیفتاد صاحب کو اپنی

امریکی کار میں ذرا سیر کو لے جانا چاہتے ہیں۔
ڈرائیور۔ (کار میں سے اچک کر پرویز کے پاس آتے ہوئے) امریکی کار
بہی سے یہاں تک دوڑا!

پرویز۔ غالباً وہ یہاں پہنچ چکے ہیں۔
ڈرائیور۔ کاش میں یہ جانتا۔ (ذرا افسوس سے) پرویز صاحب آپ نے مجھے
پہلے کیوں نہیں بتایا؟

پرویز۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کار چور اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار
سے دوڑتی ہے۔ اور مجھے معلوم ہے کہ جب دوڑ میں کسی سے مقابلہ
ہو جائے تو تم کیا ہنگامہ کر سکتے ہو۔ نہیں مقصود بعض باتیں ایسی ہیں
کہ ان کا جاننا تمہارے لئے اچھا نہیں۔ یہ بات اُن میں سے تھی۔ خیر!
اب تم خوش ہو جاؤ۔ تمہارے ہی دل کی بات ہو نیوالی ہے۔ ظلم
صاحب کی کاریں تو کیتھارڈان کی بہن نسرتیں اور پرویز ہونگی ہماری
کاریں یا سمین ہونگی۔ اور دونوں موٹروں کی دوڑ ہوگی۔

ڈرائیور۔ یا سمین صاحبہ پر دین صاحبہ کی بہن ہیں نا؟
پرویز۔ ہاں۔ ڈرائیور۔ یا سمین صاحبہ پر دین صاحبہ کی بہن نا؟
ڈرائیور۔ ادھر پر دین صاحبہ دوسری گاڑی میں جا بیٹھی آپ کے ساتھ نہیں؟
پرویز۔ کیوں وہ کیوں آئیں میرے ساتھ؟ کیتھارڈان دوسری کار میں ہونگے
(ڈرائیور پرویز کی طرف کچھ اس نظر سے دیکھتا ہے گویا اسے دال میں کچھ کالا
نظر آ رہا ہے۔ پھر مڑ کر گاڑی کی طرف بڑھتا ہے اور گیت کے یہ بول گنگتا ہے۔
ڈرائیور کا نام۔

عینوں کے تیر چلا گئی..... شہر کی لونڈیا..... شہر کی لونڈیا۔
 پرویز کچھ چڑسا جاتا ہے۔ وہ اسی موضوع پر کچھ کچھ اور گفتگو کرتا لیکن کیتبا
 کے پاؤں کی آہٹ ٹرک پر سے سنائی دیتی ہے۔ کیتبا دکان سے قمیص اور
 پتلون پہنے ہوئے نکلتا ہے۔ ہم دوڑیں ہار گئے چلو اچھا ہی ہوا ایلودہ کیتبا
 صاحب آرہے ہیں کیکی! امریکی موٹر کامیاب رہی نا۔

کیتبا دہ میں سمجھتا ہوں اچھی ہی رہی ہم بوری بندر سے یہاں تک
 صرف سترہ منٹ میں پہنچ گئے ڈرائیور جل جاتا ہے کھیا ہٹ میں کار
 کو ٹھوکرا رہا ہے اور نہیں کتنی دیر گئی؟
 پرویز۔ ارے ہیں تو کوئی پون گھنٹہ لگ گیا۔

ڈرائیور۔ (صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے)۔ نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں
 پرویز صاحب! ہم تو یہ فاصلہ پندرہ منٹ سے بھی کم میں طے کر لیتے
 پرویز۔ ارے ہاں۔ آپ سے ملے۔ آپ ہیں مسٹر کیتبا دہر مزاجی اور آپ
 ہیں مسٹر مکسود علی

مقصود علی۔ مجھے آپ سے بلکہ خوشی ہوئی پرویز صاحب مجھے مکسود علی
 کہتے ہیں آپ۔ آپ بھی بجائے مقصود کے مکسود کہہ لیجئے مجھے کوئی
 اعتراض نہ ہو گا۔

پرویز۔ کیکی! تم کہو گے کہ ان کے ساتھ چھیڑ خانی کرنا مجھے زیب نہیں
 دیتا۔ لیکن تم غلطی پر ہو یہ ان کی ذات اور پیشہ کی نشانی ہے میں نے
 اے۔ پرویز مقصود علی کو چھیڑنے کیلئے مکسود علی کہتا ہے۔

اپنے پیشے پر اتنا ناز کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا تھا جس کا منہ لکھو مقصود۔ پرویز صاحب مجھے کیوں کانٹوں میں گھیسے ہیں اتنی تعریف کے قابل نہیں ہوں ذرا اعتدال سے کام لیجئے۔

پرویز۔ اعتدال سے کام لوں سنتے ہو کیسی اتم بھی شاید کہو گے کہ میں قصیدہ خوانی کر رہا ہوں۔ لیکن ذرا غور تو کرو۔ یہ شخص تعلیم یافتہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ جانتا ہے کہ ہم لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہیں تمہارے اس اسکول کا کیا نام تھا کسود۔

مقصود۔ ”نیو انڈیا موٹر ورکشاپ بمبئی“

پرویز۔ ”نیو انڈیا موٹر ورکشاپ بمبئی“ ہم میں سے کوئی مہاراجہ کالج یا جاگیردار کالج۔ یا علی گڑھ کالج۔ کا نام اس قدر عالمانہ شان سے نہ لے گا! ”نیو انڈیا موٹر ورکشاپ بمبئی“ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ٹرکے جاکر کچھ سیکھتے ہیں مہاراجہ کالج ایک ایسی تربیت گاہ ہے جہاں ہمیں اسلئے بھی جانا سیکھ ہم گھروالوں کیلئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ یا اس لئے کہ اگر بعد میں کبھی کسی بڑے جاگیردار یا رئیس کا ذکر آئے تو ہم کہہ سکیں کہ وہ تو ہمارا ہم جماعت تھا۔ کسود تمہیں تو علی گڑھ سے نفرت ہے نا؟

مقصود۔ نہیں میں علی گڑھ کالج کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

علی گڑھ ان لوگوں کیلئے بڑی اچھی جگہ ہے جو بڑے آدمی بننا چاہیں علی گڑھ میں شریف آدمی بننا سکھایا جاتا ہے۔ اور ورکشاپ میں کارگر بننا سکھایا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایا آئیے ان دونوں میں کتنا فرق ہے؟

پرویز۔ کیا طنز کی ہے ظالم نے! کاش تم جانتے کہ مقصود کے دل میں
ایک "شریف آدمی" کیلئے کس قدر تنفر ہے۔ اور اپنے کاریگر ہونے
پر کس قدر ناز ہے! وہ اکثر اوقات چاہتا ہے کہ کار بگڑ جائے۔ تاکہ
وہ اپنی کاریگری کے سامنے میری "شرافت" کی بے بسی کا مشاہدہ کر سکے۔
مقصود۔ آپ ان کی باتوں کی پرواہ نہ کیجیے۔ یہ اکثر یوں ہی کہا کرتے
ہیں ہم ان سے خوب واقف ہیں۔ کیوں! ہے نا؟

کیقباد (عالمانہ انداز میں) لیکن جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اسی کی تہ میں ایک
عالمگیر حقیقت پوشیدہ ہے۔ میں تو مزدوروں کی عظمت کا بہت

شدت کے ساتھ حامی ہوں
مقصود۔ (متاثر ہوئے بغیر) کیونکہ آپ نے خود کبھی مزدوری نہیں کی۔ قیقباد صاحب
میرا کام یہ ہے کہ میں مزدور کا کام مشین سے لوں۔ میں اکیلا اول
ایک مشین اتنا کام کر سکتے ہیں کہ بیس مزدور نہیں کر سکیں گے اور پھر کھلانے
پلانے کا خرچ بھی کم

پرویز۔ کیکی خدا کیلئے تم اس سے سیاسی مباحثات کی بحث مت چھیڑو۔
یہ اس علم کے متعلق سب کچھ جانتا ہے اور ہم کچھ نہیں جانتے تمہاری
اشتراکیت محض شاعری تک محدود ہے اور یہ اس کا عملی ثبوت دیکھاؤ۔
مقصود (اطمینان سے) ٹھیک! اچھا تو یہ بحث تو اب بڑھتی ہی جاے گی
مجھے ذرا موٹر کی دیکھ بھال کرنا اور آپ کو عورتوں کے متعلق باتیں
کرنا ہیں۔ (کار کے پاس جا کر کچھ ٹھیک ٹھاک کرتا ہے گویا بہت مصروف)

۹۳
ہے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سگریٹ کے کشوں میں کہو جاتا ہے
پرویز۔ یہ اشتراکیت کا بہترین نمونہ ہے۔

کیقباد۔ کون؟

پرویز۔ مقصود علی سا لہا سال سے ہم تعلیم یافتہ اور متمدن انسانوں
کا قاعدہ رہا ہے کہ جب کوئی پرانے خیالات کی عورت ہمارے
سامنے آتی ہے تو ہم ایک خاتون جدیدہ کا خواب دیکھنے لگتے ہیں
لیکن ہمیں یہ معلوم ہی نہیں کہ ”مرد جدید“ دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے وہ
”مرد جدید“ مقصود علی ہے۔

کیقباد۔ میں تو اس میں کوئی نئی بات نہیں دیکھتا۔ سوائے نوک جھونک
کے لیکن خیر اس وقت میں اس کے متعلق گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔
میں پرویز کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں

پرویز۔ مقصود اس سے بھی واقف ہے۔ شاید ورکشاپ میں اس نے
یہ فن بھی سیکھا ہو گا۔ خیر پرویز کی باتیں کرو۔ کیا تم نے اپنی مرضی
اس پر ظاہر کر دی؟

کیقباد (پچھتا رہا ہے) میں کل رات یہ حاکت کر بیٹھا۔ وحشیانہ حرکت۔
پرویز۔ وحشیانہ؟ کیوں؟

کیقباد۔ جانی میاں! ہم مرد نوگ بہت سخت ہوتے ہیں۔ ہم اندازہ
نہیں کر سکتے کہ عورت کس قدر حساس ہوتی ہے۔ ہائے! میں نے یہ کیا کیا!
پرویز۔ ابے بوڑم — آخر کیا کیا؟

کیقباد۔ ہاں میں بوڑم ہوں۔ جانی میاں آہ! تم اس کی آواز سننے
 تم اس کے آنسو دیکھتے۔ ساری رات ان آنسوؤں کے تصور میں مجھے
 نیند نہیں آئی اس سے تو اگر وہ مجھے جھڑک دیتی تو اچھا ہوتا۔

پرویز۔ آنسو! یہ بہت خطرناک ہے کیا کہا اس نے؟
 کیقباد۔ اُس نے کہا کہ میں اپنے پیارے ابا جان مرحوم کے سوگ میں
 کسی اوزبات پر کیونکر غور کر سکتی ہوں؟ یہ کہہ کر وہ ہچکیاں لے لے کر
 رونے لگی (غم سے مدھال ہو جاتا ہے)

پرویز۔ (پیٹھ پر ٹھیکسی دیتے ہوئے) مردِ جاؤ کیسی۔ اور اس غم کا گدھے
 کی طرح نہیں بلکہ انسان کی طرح مقابلہ کرو۔ یہ تو بڑا پراتا کھیل ہے۔
 تمہارے جذبات سے کھیلنے سے ابھی اس کا دل نہیں بھرا۔

کیقباد۔ (بے تاب ہو کر) کیسی احمقانہ باتیں کرتے ہو جانی میاں۔ وہ ایسی
 ہرگز نہیں ہے۔ یہ محض تمہاری سخن پروری ہے۔

پرویز۔ ہوں۔ اُس نے اور کچھ بھی کہا؟
 کیقباد۔ جی ہاں۔ میں نہیں سب باتیں تباہ ہوں۔ اور تم صرف مجھے
 بیوقوف بناتے رہو۔

پرویز۔ (احمرت سے) نہیں پیارے کیسی یہ بات نہیں۔ واللہ میں تمہیں
 بناتا نہیں خیر ہاں! تو پھر کیا ہوا۔

کیقباد۔ اس کا احساس فرض اس قدر مستحکم۔ اس قدر مکمل۔ اس قدر
 پرویز۔ ہاں ہاں۔ وہ تو میں جانتا ہوں۔ تم آگے کہو

کیقباد - جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اس نئے فیصلہ کے بموجب آپ اور اردشیر اس کے سرپرست مقرر ہوئے ہیں اسلئے وہ محسوس کرتی ہے کہ باپ کی زندگی میں جس طرح اس کے باپ کو اس کے حکم دینے کا حق تھا اور اس کا بجا لانا اس کا فرض۔ ایسے ہی اب وہ اختیار نہیں حاصل ہے اور تمہاری اطاعت اس پر فرض۔ اُس نے کہا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس مسئلہ پر میں تم دونوں سے گفتگو کروں۔ وہ ٹھیک کہتی ہے لیکن یہ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ میں رسمی طور پر شادی کے امیدوار کی حیثیت سے تمہارے پاس آؤں کہ آپ مجھے اپنی فرزندگی میں قبول فرمائیں پرویز - مجھے خوشی ہوتی ہے کہ محبت نے ابھی تک تم سے خوش مذاقی اور بند کجی نہیں چھینی۔

کیقباد - کیا جواب دیا ہے آپ نے میری بات کا۔ اگر میں بھی یہ جواب اُسے سنا دوں تو کیا وہ مطمئن ہو جائے گی۔

پرویز - تو سرپرست کی حیثیت سے میرا جواب یہ ہے۔ خدا مبارک کرے برخوردار! دولہا دلہن خوش رہیں آباد رہیں۔ دل کی کلی کھلے اور کھلی ہی رہے۔

کیقباد - خدا کیلئے مذاق چھوڑو۔ تمہارے لئے یہ مذاق ہے۔ میرے لئے نہیں۔

پرویز - تم خوب جانتے ہو کہ اسے اپنا رفیقِ حیات منتخب کیا مجھے اتنا ہی حق ہے جتنا تمہیں۔ پھر مجھ سے کیوں پوچھا جاتا ہے۔

لیقباؤ۔ لیکن وہ تو یہ نہیں سمجھتی
 پروینز۔ نہیں سمجھتی! دیکھو! غضب خدا کا۔ خیر۔ اچھا تم مجھ سے کیا چاہتے
 لیقباؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مخلصانہ طور پر سنجیدگی سے میرے متعلق اپنی
 رائے سے اُسے مطلع کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے اتنا کہدو کہ تم
 اسے میرے سپرد کر سکتے ہو بہتیں مجھ پر اعتبار ہے۔ میرا مطلب ہے
 اگر تمہیں واقعی مجھ پر اعتبار ہے تو —

پروینز۔ مجھے تم پر تو قطعی اعتبار ہے۔ اُسے تمہارے سپرد کرنے میں
 مجھے کوئی تامل نہیں لیکن خوف تو مجھے یہ ہے کہ تمہیں اس کے سپرد
 کیسے کروں۔ تم نے میٹر لنک کی وہ کتاب پڑھی ہے جو اس نے
 شہد کی مکھیوں پر لکھی ہے۔

لیقباؤ (ریشہ لاپنا) (غصہ ضبط کرتے ہوئے) اس وقت ہم ادبیات پر
 بحث نہیں کر رہے ہیں۔

پروینز۔ ذرا صبر تو کرو میرے یار! میں ادب پر بحث نہیں کر رہا ہوں
 اس کتاب میں رموزِ فطرت بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بنی نوع انسان
 کیلئے ایک سبق ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ تم پرویں کے طلب گار ہو یعنی تمہارا
 کام جستجو کرنا۔ اکتھا کرنا اور نا صیہ فرسانی کرنا ہے۔ گویا تم قہیں صحرا
 نورد ہوا اور وہ یلی محل نشیں۔ بیوقوف کہیں کے۔ تم پرویں کے
 طلب گار نہیں دراصل وہ تمہاری طلب گار ہے تمہیں اس کی ضرورت نہیں
 اُسے تمہاری ضرورت ہے۔ تم صید ہوا اور وہ صیاد۔ وانہ و دام

دونوں تمہارے سامنے ہیں۔ دانہ کو للچائی ہوئی نظروں سے مت
دیکھو۔ دام کو نشین مت سمجھو۔ جس قدر جلد ہو سکے اڑ جاؤ۔

کیقباد۔ تمہاری اُلٹی سیدھی باتیں میری سمجھ میں خاک نہیں آتیں۔

پرویز۔ ارے بندہ خدا اس میں مشکل کیا ہے۔ دیکھو۔ سوائے شوہر کی
تلاش کے اور اس کے پاس کام کیا ہے دنیا میں۔ عورت ہمیشہ کوشش

کرتی ہے کہ جلد از جلد شادی کرے۔ اور مرد یہ کوشش کرتا ہے کہ جب

تک ہو سکے شادی نہ کرے تم تو نظلیں اور حزن یہ ڈرامے لکھ کر دل

بہلا سکتے ہو پرویں پیاری کیا کرے؟

کیقباد۔ میں وجدان کے بغیر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اور پرویں ہی مجھے دجدا
پیدا کر سکتی ہے

پرویز۔ اگر یہ بات ہے تو تمہیں اُس سے اچھے خاصے فاصلے پر رہنا
چاہیئے۔ دو باتیں کو انورا دھا سے اور دانستے کو بیٹرس سے کبھی

اکثری قربت نصیب ہوئی جتنی تمہیں پرویں سے حاصل ہے۔ لیکن اسکے

باوجود ان کی شاعری کس قدر بلند ہے۔ کم از کم میں نے سنا تو

ایسا ہی ہے۔ انہوں نے کبھی اپنے عشق کی عبودیت کو از رو اجی تعلقا

کے پیمانے سے نہیں ناپا۔ اور اس کے باوجود ان کا عشق مرتے دم

تک قائم رہا۔ تم پرویں سے شادی کر کے دیکھو۔ ایک ہفتہ کے بعد

تم اُس میں اتنی ہی وجدانیت پاؤ گے جتنی دو چار گلاب جامنوں میں

کیقباد۔ کیا تمہارا مطلب ہے۔ اس سے میرا دل بھر جائیگا؟

پرویز۔ نہیں بگلاب جامن کھانے سے دل نہیں بھرتا۔ اکتیہ وجدانی
 کیفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب کچھ دنوں کے بعد وہ شاعر کے خواب
 کی دہلوی سے اتر کر محض ڈیڑھ من کی ایک موٹی تازی ٹھوس میوی
 رہ جائیگی تو تمہارا سارا رومان اور وجدان دھرا کا دھرا رہ جائیگا
 پھر تمہاری آنکھیں خواب میں کسی اور ”دیوی“ کو ڈھونڈ لگی اور ایک
 نیا منگامہ شروع ہو گا۔

کیقباد۔ یہ سب بیکار باتیں ہیں جانی میاں! تم کیا جانو محبت کو۔
 ع۔ ہائے کم بخت تو نے یہی نہیں۔

پرویز۔ میں نے نہیں پی؟ یہ پوچھو کہ کب نہیں پی؟ میں تو مئے الفت
 میں ہمیشہ مار ہوش رہتا ہوں مثلاً اور تو اور میں پرویز ہی سے
 محبت کرتا ہوں۔ لیکن نہ تو میں محبت کا غلام ہوں اور نہ کاٹھ کا اتو۔
 اجی شاعر صاحب۔ ذرا شہد کی مکھی کے پاس جاؤ اور اس سے سبق
 حاصل کرو۔ کیکی! واہ! اگر عورتیں ہماری کمائی کی محتاج نہ ہوتیں۔
 اور ہم خود کمانے کے بجائے ان کی اولاد کی کمائی کھاتے۔ تو وہ ہل
 اس طرح مار ڈالیں جیسے مکڑی یا شہد کی مکھی اپنے نر کو مار ڈالتی
 ہے۔ اور ان کا یہ فعل حق بجانب ہو گا اگر ہم محبت کرنے کے
 علاوہ کوئی مفید کام کر نیکے قابل نہ ہوں۔

کیقباد۔ آہ! کاش ہم محبت کر نیکے قابل ہوتے۔ دنیا میں محبت جیسی
 کوئی چیز نہیں۔ جگ میں پریم ہی پریم بسا ہے۔ اگر محبت نہ ہوتی تو

کائنات محض ایک خواب پریشاں بن کر رہ جاتی ہے۔

پرویز۔ یہ لیجئے۔ یہ ہیں وہ صاحب جو چاہتے ہیں کہ میں اس رٹکی کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں جن کا میں سرپرست ہوں کیگئی! اب معلوم ہوتا ہے بچپن میں ہم تم جھولوں میں بدل گئے تھے۔ عمر خیام کی نسل سے دراصل تم ہو نہ کہ میں۔

کیقباد۔ خدا کیلئے کہیں پرویز سے نہ کہ دنیا کہ میں خیام کی نسل سے ہوں۔ پرویز۔ ڈرو نہیں۔ اس نے بہتیں اچھی طرح گانٹھ لیا ہے۔ اب کوئی نہیں چھڑا نہیں سکتا اب تو بچپن کے تم (مقصود ایک اخبار لے والی آتا ہے) ایلو وہ "مرد جدید" جو آ رہا ہے۔ ہاتھ میں ٹکے کا اخبار ہے۔ گویا اخبار پڑھ کر اپنی عادت بگاڑ رہا ہے

مقصود۔ یقین جانئے کیقباد صاحب۔ جب ہم موٹر میں نکلتے ہیں تو دو اخبار خریدتے ہیں۔ "وقت" ان کے لئے اور "رہبر" یا "بازگشت" میرے لئے لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں مجھے میرا اخبار پڑھنے کو ملتا ہے کبھی نہیں۔ یہ "رہبر" مجھ سے ہتھیالیتے ہیں اور "وقت" میرے سر مار دیتے ہیں تاکہ میں اس سے سرچھوڑتا رہوں۔

کیقباد۔ کیا "وقت" میں لیں وغیرہ کی خبریں نہیں ہوتیں؟ پرویز۔ کیگئی! مقصود کو اس قسم کے کھیلوں کی خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں اسے تو بس یہ سنک ہے کہ تیز موٹر چلا بیکا تازہ ریکارڈ کس نے توڑا۔ آج کوئی تازی خبر ہے۔ مقصود!

۱۰۰
 مقصود۔ بھیجے سے بنوں تک اوسط رفتار چالیس میل فی گھنٹہ۔

دربارے سندھ کو چھوڑ کر۔

پرویز۔ اور مرے کتے؟
 مقصود۔ صرف دو بھڑیں ہرج ہی کیا ہے اس میں۔ بھڑیں ایسی زیادہ
 قیمتی تو نہیں ہوتیں ان کے مالکوں نے شکر کیا کہ قصائی کو دے بغیر
 انہیں ان کی قیمت مل گئی۔ خیر آپ دیکھیے گا۔ اس پر بہتے دے
 ہوگی اور پھر ہندوستانی حکومت اس سلسلہ ہی کو بند کر دیگی۔ اور
 ہمیں اپنے جوہر دکھانیکا موقع نہیں ملیگا۔ بس دل تھام کے رہ جاتا ہوں
 پرویز صاحب ایک دوڑے ہوئے ہی نہیں دیتے۔ حالانکہ ان کیلئے ممکن ہے

پرویز۔ کیجی! انہیں بچا فریڈوں یاد ہیں؟

کیسقباد۔ ہاں ہاں۔ کیوں؟

پرویز۔ بچا فریڈوں کے پاس ایک بہت اچھی ماما تھی۔ اس کے پکائے
 بغیر بچا کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ بڑے میاں ذرا شرمیلے واقع ہوئے
 تھے اور سوسائٹی سے انہیں ذرا نفرت سی تھی۔ لیکن ماما کو اپنے فن
 پر ناز تھا اور وہ چاہتی تھی کہ نوابوں اور رئیسوں کو کھانا کھلائے
 اور داد حاصل کرے۔ اس ڈر سے کہ وہ کہیں انہیں چھوڑ کر چلی نہ جا
 اسے خوش کرنے کیلئے ہینے میں دو مرتبہ بڑی بڑی ضیافتیں کرتے تھے
 اور مصیبت برداشت کرنا گوارا کرتے تھے۔ پھر حال ہمارے ہر بان مقصود علی
 ٹرودید کا ہے۔ میں سفر کرنا پسند نہیں کرتا لیکن شکل یہ ہے کہ میں مقصود

۱۰۱
 کو پسند کرتا ہوں۔ اُسے شوق ہے تو صرف یہ کہ ایک چمڑے کا کوٹ
 ڈانٹے اور دھوپ کی عینک پہڑھائے۔ دو دو انچ خاک اپنے اوپر
 لئے۔ اپنی اور میری جان کو خطرے میں ڈالے ساٹھ میل کی رفتار
 سے گاڑی اڑائے جائے۔ انہیں قرار آتا ہے تو اُسی وقت جب وہ
 کچھ ٹکے اور موٹر کے نیچے چت لیٹے ہوں اور یہ معلوم کرنیکی کوشش کر رہے
 ہوں کہ خرابی کہاں ہوئی ہے اگر میں دو ہفتہ میں ہزار ایک میل کا چکر
 انھیں نہ لگا لینے دوں تو میں انہیں کہو بیٹھوں گا۔ یہ مجھے چھوڑ دیا
 کسے کسی کروڑ پتی کے ہاں نوکر ہو جائیگے۔ اور مجھے ایک بانکے (ناری)
 سائیس پر قناعت کرنا ہوگی جو صرف مجھے سلام کرنے اور اپنی جگہ
 پر آرام کرنے میں ماہر ہوگا میں مقصود کا غلام ہوں جیسے فریدیوں
 چچا اپنی ماما کے غلام تھے۔

مقصود (تنگ آکر) میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس ایک کار ہو جو اتنی
 تیز چلے جیسے آپ کی زبان چلتی ہے۔ اصل میں میرا مطلب یہ
 ہے کہ اگر آپ موٹر کو استعمال نہ کریں تو روپیہ فضول ہو جائیگا۔
 آپ تو ایک چھکڑالے لیجئے آپ کو کھینچے کھینچے پھرا کرے آپ کو میری
 اور کار کی ضرورت نہ رہے گی۔

پرویز (تسلی دیتے ہوئے) اچھا اچھا۔ مقصود گھبراؤ نہیں ہم ابھی
 آدھ گھنٹے بعد باہر جائیگے۔
 مقصود (ناراضگی سے) آدھے گھنٹے کے بعد (موٹر میں آن بیٹھا ہے۔

۱۰۲
اور اخبار کا ایک نیا صفحہ نکال کر کوئی دوسری خبر تلاش کر لیتا ہے)
کیقباد۔ ارے ہاں مجھے خوب یاد آیا۔ میرے پاس یاسمین کا ایک خط
ہے تمہارے نام (خط پرویز کو دیتا ہے)

پرویز۔ (خط کھولتے ہوئے) معلوم ہوتا ہے یاسمین اور پرویز میں کچھ
کھٹ پٹ ہو گئی ہندوستانی لڑکیاں سب سے زیادہ اپنی بڑی بہن سے
نفرت کرتی ہیں۔ بڑی بہن کے بعد اگر انہیں کسی سے نفرت ہوتی ہے
تو وہ ان کی ماں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے یاسمین کو پرویز سے نسبت
اپنی ماں کے کچھ کم نفرت ہے (نفرت امیر العجم میں)

کیقباد۔ بات کیا ہے۔

پرویز۔ یاسمین میرے ساتھ کار میں سیر کیلئے جانی والی تھی۔ اب وہ کہتی
ہے کہ پرویز نے اسے میرے ساتھ جانے سے منع کر دیا ہے

مقصود۔ ایک دم ذرا زور زور سے اپنی وہی پرانی دہن میں سیٹی بجانے
لگتا ہے۔ نینوں کے تیر چلا گئی..... شہر کی لونڈیا..... جس سے صفا

معلوم ہوتا ہے کہ مقصود علی کے اس نغمہ میں ایک طنز پنہاں ہے۔

کیقباد اور پرویز اسے محسوس کرتے ہیں سو الیہ انداز میں مڑ کر دیکھتے ہیں۔

لیکن وہ تو اخبار بینی میں محو ہے۔ توجہ ہی نہیں کرتا

کیقباد۔ (سنجمل کر) اس نے اس کی کوئی وجہ بھی بیان کی ہے؟

پرویز۔ وجہ! کسی کی تو ہیں کرنا کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ پرویز نے
اسے منع کر دیا ہے کہ وہ کسی وقت بھی میرے ساتھ اکیلی نہ رہے

کہتی ہے میں ایک نوجوان لڑکی کے پاس بیٹھنے کے لائق نہیں ہوں۔

اب اپنی دلیوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

کیقباد - ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے شانوں پر ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بار ہے۔ بیگم ہدانی بہت کمزور ہو گئی

ہیں اور وہ اب پوری طرح یاسین کی نگرانی نہیں کر سکتیں۔

پرویز - (اُسے گھورتے ہوئے) محقر یہ کہ تمہیں پرویز کی رائے سے اتفاق

کیقباد - نہیں۔ یہ بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ میں یہ وہی کہ سمجھتا ہوں۔ اس

حقیقت سے تو شاید تمہیں بھی انکار نہ ہو گا کہ تمہارے خیالات اور

نظریات ایک جوان لڑکی کے کردار کی تعمیر کیلئے زیادہ موزوں نہیں۔

پرویز - جی نہیں۔ میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ جوان لڑکی کے کردار کی

تعمیر کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے سامنے جھوٹ بولے جائیں معلوم

نہیں کیوں لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ میں لڑکیوں سے گھل مل

جانے سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہوں۔ مجھے یہ چیز سخت ناپسند ہے۔

کیقباد - لیکن پرویز تو تمہیں ایسا نہیں سمجھتی۔

پرویز - تو پھر آخر اس کا مطلب کیا ہے۔

مقصود (پرویز کو مکان میں سے نکل کر آتے ہوئے دیکھ کر) صاحبان!

پرویز بیگم تشریف لاتی ہیں (گاڑی میں سے اتر کر سڑک سے دور نکل

جاتا ہے گویا آپ اس کے وہاں موجود رہنے کی ضرورت نہیں۔

پرویز (کیقباد اور پرویز کے بیچ میں آکر) صبح شام بخیر جانی میاں!

۱۰۴
 میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ آج بچاری یاسمین کے سر میں درد ہے
 جو اسے اکثر ہوا کرتا ہے۔ اور اس لئے وہ آج تمہارے ساتھ کار
 میں نہیں جاسکتی اسے بڑا افسوس ہوا۔ بچاری

پرویز۔ کیکی بولو۔ اب کیا کہتے ہو۔

کیقباد۔ دیکھو جانی میاں! پرویں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ پرویں تمہاری
 بھلائی چاہتی ہے چاہے اس میں تمہیں دھوکہ ہی کیوں نہ دینا پڑے۔
 پرویں۔ کیا مطلب تمہارا؟

پرویز۔ پرویں! کیا تم یاسمین کے دردِ سر کا علاج کرنا چاہتی ہو؟
 پرویں۔ ضرور۔

پرویز۔ تو جو کچھ تم نے ابھی مجھ سے کہا ہے اس سے جا کر کہو۔ اور
 ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہو اس کا خط تمہارے آنے کے تھوڑی ہی دیر
 پہلے مجھے مل گیا تھا اور وہ میں نے پڑھ لیا ہے۔

پرویں۔ تو یاسمین نے تمہیں خط لکھا ہے!

پرویز۔ جی! پوری تفصیلات کیساتھ۔

کیقباد۔ کوئی بات نہیں پرویں! تم نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ جانی میاں! اس
 نے صرف انہی فرض ادا کیا ہے۔ تم خود اس حقیقت سے واقف ہو۔
 اور اس نے اپنے فرض کو نہایت حسن و خوبی سے ادا کیا۔

پرویں۔ (کیقباد کے پاس جا کر) شکریہ کیکی تم میرے کتنے کام آتے ہو۔
 تم مجھے کقدرِ صحیح سمجھتے ہو۔

۱۰۵ ۸۶۹ ۳۳۲ (کیکی سر جھکا لیتا ہے)

پرویز۔ ہاں! ذرا کنڈال اور زور سے کس لو۔ کیکی نہیں اس سے محبت ہوتا
کیتقا۔ ہاں ہے۔ اور یہ خود بھی جانتی ہیں۔

پرویز۔ شش۔ کیکی کچھ شرم کرو۔ ایسی بے باکی بھی کس کام کی۔
پرویز۔ نہیں نہیں۔ میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ میں تمہارا سر پرست ہوں
اور میں ایک گھنٹہ کیلئے نہیں کیکی کے سپرد کئے دیتا ہوں میں موٹر میں
گھومنے جا رہا ہوں

پرویز۔ نہیں جانی میاں۔ مجھے یاسین کے متعلق تم سے کچھ کہنا ہے۔
کیکی تم ذرا گھر میں جا کر اپنے یہودی دوست کے ساتھ کچھ بات چیت
کرو۔ اور اس کا دل ہلاؤ۔ صبح سے آج اسے لئے بیٹھی ہیں۔ اب
انہیں کچھ گھر کا کام کرنا ہے۔

کیتقا۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ پرویز پیاری! (اس کے ہاتھ چومتا ہے)
پرویز۔ (پیارے) کے کی!!

(کیتقا پرویز کی طرف دیکھتا ہے۔ شرماتا ہے۔ اور چلا جاتا ہے)
پرویز۔ (اکھڑپن سے) پرویز! سنو۔ اب تو حد ہو گئی اگر کیکی کو تم سے
محبت ہوتی تو وہ خوب اچھی طرح سے اندازہ کرتا کہ کتنی جھوٹی ہو تم۔
پرویز۔ تم سمجھتے نہیں جانی میاں! مجھے کیکی سے سچ سچ کہنے کی جرات نہیں ملی
پرویز۔ تمہاری جرات بھی کچھ اوندھی ہی ہے۔ تمہارا مطلب کیا تھا

۱۰۵ پرویز پرویز کو اجگر سے تشبیہ دے چکا ہے (منہم) ۸۲۱'۵۹۱۲

یاسمین سے یہ کہنے سے کہ میں بدچلن آدمی ہوں اور اس کے ساتھ
اُٹھنے بیٹھنے کے لائق نہیں! جب تم نے اس طرح اس کے کان بھروں
ہیں تو اب میں کس منہ سے اُس کے سامنے جاؤں گا۔

پرویں۔ میں جانتی ہوں کہ تم بدچلن نہیں ہو۔

پرویز۔ پھر تم نے اس سے جھوٹ کیوں کہا؟

پرویں۔ مجھے ایسا کہنا پڑا۔

پرویز۔ کہنا پڑا؟

پرویں۔ ہاں امی نے مجھے مجبور کیا۔

پرویز۔ یہ بات ہے! یہ تو مجھے پہلے ہی سے فرض کر لینا چاہیے تھا۔
امی ہر بات میں امی!

پرویں۔ یہ سب تمہاری اس فتنہ انگیز کتاب کا نتیجہ ہے۔ تمہیں تو معلوم ہی
ہے امی کس قدر ڈرپوک ہیں پرانے خیالات کی عورتیں ڈرپوک ہوئی
ہی ہیں اور ہمیں بھی پرانے خیالات کی پیروی کرنی ہی پڑتی۔ جانی میا
ہمیں تو لوگ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم سے بدگمان ہو جاتے
ہیں۔ تم اپنے آپ کو دیکھو تم مرد ہو۔ اگر تم اپنے دل کی بات صاف
صاف کہو تو لوگ باگ فوراً تم پر شک کرنے لگیں گے اور بدنام کر کے
چھوڑینگے۔ میں مانتی ہوں کہ میں نے تمہیں کچھ بدنام کیا۔ لیکن کیا تم
گوارا کرو گے کہ پجاری یاسمین بدنام ہو جائے۔ ابھی وہ سیانی نہیں
ہوئی ایسی صورت میں کیا امی کیلئے یہ مناسب ہو گا کہ وہ اُسے یوں

بے لگام چھوڑ دیں جبکہ وہ اپنے بھلے برے کو نہیں سمجھتی۔
 پرویز۔ بمختصر یہ کہ غلط فہمی پیدا ہونے سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے
 انسان جھوٹ بولے۔ افترا پردازی کرے۔ جوڑ توڑ کرے۔ اور جس قدر
 ممکن ہو سکے مکاری کرے۔ جسے آپ ماں کی فرما برداری کہتی ہیں،
 وہ دراصل ایک قسم کی دغا بازی ہے۔

پرویز۔ جانی میاں مجھے اپنی ماں سے محبت ہے
 پر حیر۔ کیا ماں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی انفرادیت سے
 محروم ہو جاؤ۔ تمہیں اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنے کا حق نہ ہو۔ کیونکہ
 تم کم عمر ہو۔ اوہ! بوڑھوں کی رائے کو جو جوانوں کی رائے پر ترجیح
 دی جاتی ہے اس سے مجھے سخت نفرت ہے۔ ذرا اس سوسائٹی
 پر غور کرو جسے تم ترقی یافتہ (دیشن ابل) کہتی ہو۔ یہ سوسائٹی اپنے
 اپنے آپ کو کس روپ میں ظاہر کرنیکی کوشش کرتی ہے۔ یہ کیا ہے؛ محض
 چند حوروں کا ایک دلفریب رقص! قیمت کی ماری لڑکیوں کا ایک
 جلوس جس میں سے ہر لڑکی ایک مکار۔ دغا باز۔ حریص۔ سٹھیانی
 ہوئی احمق بوڑھیا کے خشک میں پھنی ہوئی ہے جسے وہ ماں کہتی ہے
 اور اس ماں کا فرض صرف اتنا ہے کہ وہ لڑکی کے ذہن کا ستیاناس
 کرنے کے بعد اسے سب سے بڑھ کر بولی بولنے والے شخص کے ہاتھ
 بیچ دے۔ یہ بد قیمت لڑکیاں آخر شادی کرتی کیوں ہیں۔ صرف
 اس لئے کہ شادی ہی ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس سے ان حیلوں

۱۰۸
 بیچھا چھڑا سکتی ہیں۔ جو ماں کی ماتا کے پردے میں اپنے بغض
 و حسد کو چھپاتی ہیں انہیں جوان اور نو عمر لڑکیوں سے جلن اسلئے
 ہوتی ہے کہ اب انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ مجھے ایسی عورتوں سے
 سخت نفرت ہے فطرت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ بھٹی کی تربیت
 باپ کے ہاتھ سے اور بیٹے کی ماں کے ہاتھ سے ہونی چاہیئے۔ باپ
 بیٹے اور ماں بیٹی کا رشتہ محبت کا نہیں بلکہ نیاوت کا ہے یعنی یہ کہ
 بوڑھے اور سیٹھائے ہوئے لوگوں کو مٹ کر جو شیلے نو جوانوں کیلئے
 جگہ خالی کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو۔ ہر جوان مردوں عورتوں کا فرض
 اومین اعلان آزادی ہے۔ جو مرد اپنے باپ کے جبر و اقتدار کے
 آگے سر جھکا دیتا ہے۔ مرد نہیں۔ جو عورت۔ اپنی ماں کے جبر و
 اقتدار کے آگے تسلیم خم کر دیتی ہے اُسے کوئی حق نہیں کہ وہ
 ایک آزاد قوم کیلئے اولاد پیدا کرے۔

پرویں۔ (اس کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے) جانی میاں! معلوم ہوتا ہے
 کبھی تم ضرور سیاسیات میں قدم رکھو گے۔
 پرویز (جو پرویں کے اس جملہ سے محسوس کرتا ہے گویا اُسے کسی انجانی
 سے نیچے گرا دیا ہو) ہیں۔ کیا؟ (خود کو سنبھالتے ہوئے) جو کچھ میں ابھی
 کہہ رہا تھا اس کا تمہارے اس جملہ سے کیا تعلق ہے؟

لہ قابل توجہ اہلینِ نفا! اشاکے اس بیان سے فرائید کے نظریہ پر تو کچھ روشنی نہیں پڑتی؟ (مترجم)

۱۰۹

پرویں۔ تم باتیں بہت اچھی طرح کر سکتے ہو۔

پرویز۔ باتیں! اچھا تو جو کچھ میں نے کہا وہ تمہارے نزدیک محض باتیں تھیں۔ گویا میں بھینس کے آگے مین بجاتا رہا۔ اچھا جاؤ اور اپنی امان کی مدد کرو تاکہ وہ یاسمین کو سمجھا بھجا کر اس کے خیالات کو بھی ایسے ہی خراب کر دے جیسے اس نے تمہارے خیالات کو خراب کیا ہے۔ سدھائے ہوئے ہاتھی ہی جنگلی ہاتھیوں کو پکڑنے میں مدد دیتے ہیں پرویں۔ خوب۔ تو میں آج کل ترقی کر رہی ہوں۔ کل میں ”اُجگر“ تھی آج ہاتھی یا ہتھنی بن گئی۔

پرویز۔ اچھا تو اپنی سوئڈ سنبھالو اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ مجھے اور کچھ تم سے نہیں کہنا ہے۔

پرویں۔ تم بڑے ڈھیٹ ہو کسی کی سنتے ہی نہیں۔

پرویز۔ تم ایک کام کرو۔ اپنی بیڑیاں کاٹ ڈالو۔ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہو اسی کے اس ضمیر کی آواز پر اپنا قلب و دماغ صاف رکھو اور کار کے سفر سے لطف اندوز ہونا سیکھو۔ اُسے اپنی سازشوں کا ایک حید مت بناؤ۔ میرے ساتھ کار میں ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پشاور چلو اور اس کے بعد بنوں۔ اگر جی چاہے تو کابل تک چلی چلو یہ سفر ایک اعلانِ آنہادی ہو گا اور ایک انتقام بھی بعد میں تم اس پر ایک کتاب بھی لکھ سکو گی۔ اس سے تمہاری ماں کی شخصیت ختم ہو جائیگی اور تمہاری محتاجی بھی۔ اور تم ایک عورت بن جاؤ گی۔

۱۱۰
 پرویں (غور کر کے) جانی میاں میں سمجھی ہوں اس میں کوئی ہرج ہو
 نہیں ہوگا۔ تم میرے سرپرست تو ہو ہی۔ اور والد مرحوم کی خواہش
 کے مطابق تم ان کے جانشین ہو ہمارے ساتھ سفر کرنے پر کوئی ایک
 لفظ بھی نہ کہہ سکیگا۔ بڑا مزار ہوگا۔ شکریہ۔ ہزار بار شکریہ جانی میاں!
 میں ضرور آؤنگی

پروینز۔ (حیران ہو کر) تم آؤ گی ! !

پرویں۔ ضرور

پروینز۔ لیکن۔ (رُک جاتا ہے۔ بھونچکا سا رہ جاتا ہے۔ پھر سنبھلتا ہے)
 نہیں۔ دیکھو پرویں ! اگر ہمارے ساتھ سفر کرنے میں کوئی ہرج نہیں
 تو جانا بیکار ہے۔

پرویں۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم مجھے اپنا ہم خیال تو نہیں بنانا چاہتے ہو نا۔
 پروینز۔ ہاں یہی تو میں چاہتا ہوں۔

پرویں۔ تم بالکل بے معنی باتیں کر رہے ہو۔ تم مجھ پر زبردستی نہیں کرو گے
 پروینز۔ اچھا اگر تم میری ہم خیال نہیں بننا چاہتے تو مت آؤ۔

پرویں۔ (ذرا زور دیکر) میں ضرور آؤنگی۔ جانی میاں ! صرف اس لئے
 کہ تمہاری خواہش ہے۔ تم میرے سرپرست ہو۔ اور میرا خیال ہے کہ
 ہمیں ایک دوسرے سے ذرا زیادہ واقف ہونا چاہیے اور ایک دوسرے
 کو سمجھنے کی کوشش کرتی چاہیے (دمنونیت کے انداز سے) یہ تمہاری عنایت

لے کیونکہ بغاوت اور انتقام کا پہلو نمایاں نہ ہو سکے گا۔ (مترجم)

اور بندہ نوازی ہے کہ مجھے ایسی خوشگوار سیر و تفریح کا موقع دے رہے ہو خاص طور پر جبکہ یاسمین کے متعلق ایسی باتیں میرے منہ سے نکلیں تھیں تم بڑے اچھے ہو۔ اتنے اچھے کہ تم خود نہیں جانتے کہ تم کتنے اچھے ہو۔ اچھا تو ہم کب چلیں گے؟

پرویز۔ لیکن۔

بیگم ہدانی کے آنے سے سب کچھ منقطع ہو جاتا ہے۔ یہودی نوجوان ان کے ساتھ ہے۔ اور اردشیر اور کیتھارڈ بھی پیچھے پیچھے آرہے ہیں خورشید ظلمان۔ ایک یہودی ہے۔ خوش وضع و خوش پوش ہے۔ ہندوستان میں آکر یہیں کے لوگوں میں گھل مل گیا ہے لیکن اکثر اوقات اس کے بعض افعال میں اس کی انفرادیت کی جھلک نظر آتی ہے عام معلومات خاصے ہیں۔ سیاسیات سے طبعاً متفرع عموماً ذرا دل پھینک قسم کے لوگوں میں خوش رہتا ہے۔ اسی لئے کیتھارڈ سے خوب گھٹ رہی ہے۔

اردشیر جاکر ذرا موڑ کو دیکھنے لگتا ہے۔ کیتھارڈ خورشید کیساتھ ہولٹا ہے پرویز (ماں کو دیکھ کر خوشی سے) اتنی جانی میاں مجھے موڑ میں اپنے ساتھ پشاور لیجانا چاہتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ اچھا ہو گا نا مجھے کتنی خوشی ہوگی۔

پرویز۔ (گہرا کر) بیگم ہدانی کی مرضی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے وہ نہیں جاتی ہے نا۔ (اردشیر صاحب۔

اردشیر۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

پرویں ۔ اتنی آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ۔

بیگم ہدانی ۔ اعتراض ؟ مجھے اعتراض کیوں ہونے لگا ۔ میرا خیال ہے کہ یہ تمہارے لئے اچھا ہی ہو گا ۔ میں چاہتی تھی کہ تم کبھی کبھی یا سیتن کو گھمانے لے جایا کرو ۔ وہ بہت گھر گھسنی بن گئی ہے ۔ جب تم واپس آؤ گے تو ضرور لے جایا کرنا

پرویز ۔ یا بے ایمانی تیرا ہی آسرا !!!

پرویں (پرویز کے اس جملہ سے بیگم ہدانی کی توجہ ہٹانیکے لئے) ارے ہاں ! خورشید صاحب کا تلافی کرانا تو بھول ہی گئی آپ سے ملے آپ ہیں پرویز صاحب میرے سر پرست ۔ اور آپ ہیں خورشید صاحب ۔

خورشید ۔ مجھے آپ سے ملکر بڑی خوشی ہوئی پرویز صاحب ! اپنا در اور بہنوں جانیوالی پارٹی میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا تھا ۔ اگر نامناسب نہ ہو تو پرویں ۔ ہاں ام سب ہی جائیں گے یہ تو ظاہر ہے ۔

خورشید ۔ بندے کے پاس بھی ایک کار ہے ۔ اگر مس ہر مزاجی میری کار کو اپنی نشست کا شرف بخشیں تو میری کار حاضر ہے ۔

کی تقیادو ۔ یعنی نسریں !

(سب بھونچکے سے رہ گئے ہیں لیکن خاموش ہیں)

پرویں (ملاکت سے) اتنی آئیے انہیں سفر کے انتظامات وغیرہ پر گفتگو کرنے دیجئے ۔ مجھے سامان سفر ٹھیک ٹھاک کرنا ہے ۔

بیگم ہدانی حیران ہو کر دیکھتی ہیں لیکن پرویں جلدی سے انہیں وہاں

سے لے جانی ہے اور دونوں مکان کی طرف چلے جاتے ہیں
 خورشید - اچھا۔ تو ہم مس ہرمرجی سے دریافت کئے لیتے ہیں۔ اگر
 ان کی مرضی ہو تو وہ میرے ساتھ چلیں۔

(سب گھبرائے ہوئے کھڑے ہیں کہ کیا جواب دیں)
 کیتباؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ نسریں کو ہمیں نہیں چھوڑنا پڑے گا۔ کچھ حالات
 ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس کا ہمارے ساتھ اس سفر پر چلنا مناسب نہیں
 خورشید (مسکراتا ہے۔ گویا اسے کیتباؤ کی بات کا یقین نہیں آیا)
 یہ تو بالکل ہندوستانی انداز نہیں! کیا صاحبزادی کو ایک ننگرانی کرنیوالے
 کی بھی ضرورت ہے؟

کیتباؤ۔ نہیں یہ بات نہیں خورشید۔
 خورشید۔ اچھا تو کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اور کیا اعتراض ہو سکتا ہے
 پرویز۔ (بلے تاب ہو کر) ارے تباؤ۔ تباؤ نا! انہیں! ہم اس راز کو اس
 وقت تک پوشیدہ نہیں رکھ سکتے جب تک یہ سب پر فاش نہ ہو جائے
 خورشید صاحب اگر آپ نسریں کے ساتھ بیٹوں جا چنگے تو گویا آپ
 ایک دوسرے شخص کی بیوی کے ساتھ جائیں گے کیونکہ نسریں کی شادی
 ہو چکی ہے۔

خورشید۔ (تصویر حیرت بن کر) نہیں نہیں۔ آپ غالباً مذاق کر رہے ہیں
 پرویز۔ نہیں یہی بات ہے۔ لیکن یہ ایک راز کی بات ہے۔
 اردو شیر۔ (اس خوف سے کہ کہیں خورشید اسے ناجائز نکاح نہ سمجھے)

ابھی تک ان کی شادی کی خبر کو عام نہیں کیا گیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ فی الحال اس شادی کو راز میں بھی رکھا جائے۔

پرویزہ میں محترمہ موصوف کی اس خواہش کا احترام کرتا ہوں۔ کیا یہ نامناسب ہوگا اگر میں یہ دریافت کرنیکی جرات کروں کہ آپ کے شوہر کون صاحب ہیں شاید اس سفر کے بارے میں میں ان سے ہی دریافت کر سکوں۔

خورشید۔ بڑا مان کر (لیسا ہے تو مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔
(سب لوگ پہلے سے زیادہ گھبرا جاتے ہیں۔ گویم شکل و گرنہ گویم شکل)

کیقباد۔ آپ کو اس سے حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی۔

خورشید۔ ہاں میں کچھ حیران تو ضرور ہوں محاف کیجئے گا۔

اردو شیر۔ (کچھ خشکیں ہو کر۔ لیکن معذرت امیر ہلجے میں) ان کی شادی خاموشی سے ہوئی تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے اُن کے شوہر نے منع کر دیا ہے کہ ان کا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ آپ کو یہ بات بتانی پڑی کیونکہ آپ نے مس... اے۔ میرا مطلب ہے نسرتی سے دلچپی کا اظہار کیا

کیقباد۔ (ہمدردانہ ہلجے میں) مجھے امید ہے آپ کو اس سے بالوی نہ ہوئی ہوگی۔
خورشید۔ (کچھ نرم ہو کر) میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایک شخص اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔
ظاہر ہے کہ یہ کچھ غیر معمولی سی بات ہے۔ مردانگی کے سخت خلاف

کیقباد۔ ہمیں خود بھی اس کا شدید احساس ہے۔

اردو شیر۔ اُس بے وقوف کو ابھی معلوم نہیں کہ ایسی بات کو راز میں

رکھنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

خورشید - (اظہار نفرت سے) میرا بھی یہی خیال ہے۔ یہ جرم ناقابلِ معافی ہے
اردو شیر صاحب آپ بہت رعایت سے کام لے رہے ہیں۔ میرا خیال
ہے کہ شادی تو انسان کو شریف انسان بنادیتی ہے۔

پرویز - (طنز سے) خوب!

خورشید - پرویز صاحب کیا آپ کو مجھ سے اتفاق نہیں۔

پرویز - (اطمینان سے) ہاتھ کنگن کو آرسی کیا شادی کر لیجئے آپ کو
خود معلوم ہو جائیگا۔ کچھ عرصے تک تو آپ خوش رہیں گے۔ لیکن آپ یہ
کبھی محسوس نہ کریں گے کہ شادی اخلاق کو بلند کر دیتی ہے۔ عورتیں
مردوں سے زیادہ بلند کردار کی تو نہیں ہوتیں

خورشید - دیکھیے ہم یہودی لوگ سمجھتے ہیں کہ عموماً عورتیں مردوں سے
زیادہ نیک چلیں ہوتی ہیں۔ عورت کی صفائی قلب مرد کے اخلاق کو
جلادیتی ہے۔ اور اسے ایک بہتر انسان بناتی ہے۔

کیٹیا - (یقین کے ساتھ) بالکل ٹھیک!

پرویز - اسی لئے امریکی عورتیں یورپ میں رہنا پسند کرتی ہیں۔

یورپ کی زندگی کو امریکی زندگی سے بہتر سمجھتی ہیں جہاں ان کی محض
پوجا ہی ہوتی ہے۔ خیر کچھ بھی ہو۔ بہر حال نسرتی کا شوہر تو شریف
آدمی بنا نہیں۔ تو اب کیا کیا جائے۔

خورشید - (سر ہلاتے ہوئے) صرف اس قدر ہی کہنا اس کے لئے کافی نہیں

۱۱۶
ہے۔ پرویز صاحب۔ خیر میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ وہ جو کوئی بھی ہے
بہر حال میں ہر مزاجی کا شوہر ہے۔

لیقباؤ۔ (متاثر ہو کر) مجھے افسوس ہے خورشید سخت افسوس!
خورشید۔ تم واقعی بہت اچھے آدمی ہو لیقباؤ شکریہ

پرویز۔ اچھا اب کچھ اور باتیں کیجئے۔ نسریں آرہی ہیں۔
خورشید۔ صاحبان میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے نسریں
صاحبہ سے تھوڑی دیر تنہائی میں بات کرینے دینگے۔ میں باز آیا
اس سفر پر جانے سے۔

اروشیر۔ (گفتگو کے ختم ہونے سے مطمئن ہو کر) اچھا پرویز۔ کیکی۔ آؤ۔
چلو۔ پرویز اور لیقباؤ کو لیکر دور موٹر کی طرف چلا جاتا ہے۔

نسریں سیدھی خورشید کے پاس آتی ہے)

نسریں۔ وہ دیکھ تو نہیں رہے ہیں؟
خورشید۔ نہیں۔

(خورشید کا بوسہ لیتی ہے)

نسریں۔ کیا تمہیں میری خاطر جھوٹ بولنا پڑا۔

خورشید۔ کوئی جھوٹ سا جھوٹ؟ میں نے تو دروغ گوئی کا ایک
تانتا باندھ دیا تھا۔ نسریں اب تو اصل بات ظاہر کر دیں تو اچھا ہے

نسریں (ایک دم سنجیدہ اور زور اکرتے ہوئے) نہیں تم نے وعدہ
کیا تھا کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔

خورشید۔ نہیں میں اپنے وعدہ پر قائم رہوں گا۔ جب تک تم نہ کہو گی یہ راز
 فاش نہو گا لیکن میں ذرا شرم محسوس کرتا ہوں۔ میں کب تک تمہارا شوہر
 ہونے سے انکار کرتا رہوں۔ یہ تو بڑی بزدلی ہے

نسرین۔ کاش تمہارے والد اس قدر ہٹ و ہرم نہ ہوتے
 خورشید۔ وہ ہٹ و ہرم نہیں۔ اپنے زاویہ نگاہ کے مطابق وہ بھی سچ
 کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انہیں منہ دستانیوں کے متوسط طبقہ سے
 کچھ بغض ہے۔

نسرین۔ کیا فضول خیال ہے! تم جانتے ہو میں تو تم سے ایسی باتیں
 نہیں کرتی۔ اگر میں تم سے کہوں۔ لیکن نہیں میں تم سے ایسی باتیں
 کرونگی ہی نہیں۔

خورشید۔ نہیں میں تو جانتا ہوں۔ اگر تم ایک پارسی نوجواں سے شادی
 کر لیتی جس کا باپ فرینچر کا بیو پار کرتا ہو تو تمہارے دوست احباب
 اس شادی کو شادی ہی نہیں سمجھتے۔ ادھر میرے والد ہیں جو فرینچر
 کا بیو پار کرتے ہیں اور ایک پارسی لڑکی سے صرف اس لئے شادی
 کرنے نہیں دیتے کیونکہ وہ کسی بڑے خاندان سے نہیں۔ حالانکہ اس
 میں وہ سب خوبیاں ہیں جو ایک اچھی لڑکی میں ہونی چاہئیں یہ سب
 داہیات باتیں ہیں۔ لیکن دیکھو نسرین میں ابا جان کو دہوکہ دینا نہیں
 چاہتا۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں گویا میں ان کی چوری کر رہا ہوں۔
 تم مجھے اس شادی کا اعلان کیوں نہیں کرنے دیتیں۔

۱۱۸
 نسریں۔ تم اکیس ہم دو کے اخراجات کے متحمل نہ ہو سکو گے۔ محبت
 کے متعلق تو تم جتنا چاہے رومانی بن جاؤ۔ لیکن جہاں روپیے پیسے
 کا معاملہ آئے وہاں رومانی بننا ٹھیک نہیں۔

خورشید۔ (جو اخلاق اور زن پرستی کے درمیان متعلق ہے) ہندوستانیہ!
 جو کچھ تم نے اس وقت کہا یہ بالکل ہندوستانیہ ہے (ذرا جوش
 میں آن کر مگر ایسے گویا انتہا کر رہا ہے) نسریں! ابا جان کو کبھی نہ کبھی
 خیر ہو ہی جائے گی۔

نسریں۔ ہاں کچھ عرصہ کے بعد۔ تب کاتب دیکھا جائیگا۔ لیکن خدا کیلئے
 بار بار اسی مسئلہ پر بحث نہ کیا کرو۔ جب بھی ہم ملتے ہیں تم یہی قصہ لے
 بیٹھتے ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ —

خورشید۔ اچھا بابا۔ اچھا! میں —

نسریں۔ (خاموش ہوتے ہوئے) اس راز کے پوشیدہ رہنے سے میں
 مصیبت میں ہوں نہ کہ تم اور سچی بات ہے مفلسی کی مصیبتیں مجھ سے
 نہ جھیلی جائیں گی۔ میرے بس کی بات نہیں

خورشید۔ نہیں تم کیوں جھیلو گی؟ میں ابا جان سے کچھ روپیہ گویا
 بطور قرض کے لے لوں گا۔ پھر جب میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاؤں گا
 تو تمہیں اپنا لونگا اور روپیہ واپس کر دوں گا۔

نسریں۔ (چونک کر) کیا تم خود کماؤ گے؟ کیا تم ہماری شادی کا سنبھالنا
 کرنا چاہتے ہو؟

خورشید۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ شادی میرے کردار کا ستیاناس کر دے
 تمہارے دوست پرویز صاحب پہلے ہی مجھ پر ہنس چکے ہیں۔
 نسریں۔ اس کا کیا وہ تو ایک جانور ہے جانور مجھے تو پرویز سے نفرت ہے
 خورشید۔ (دشوق کے ساتھ) نہیں وہ سمجھدار آدمی ہے۔ اُسے ایک عورت
 کی محبت کی ضرورت ہے جو اس کے اخلاق کو بلند کر دے۔ ہاں! وہ
 ایک موٹر کے سفر پر سرحد کی طرف جا رہا ہے۔ مجھے دعوت دی ہے۔
 میں نہیں بھی بے چلونگا۔

نسریں۔ کتنا مزا آئیگا! ۱
 خورشید۔ ہاں۔ لیکن یہ ہو گا کس طرح۔ انہوں نے مجھے تنبیہ کر دی ہے کہ
 میں نہیں اپنے ساتھ نہ لے جاؤں۔ انہوں نے مجھ پر بہت اعتبار
 کر کے مجھ پر یہ راز فاش کیا ہے کہ تم شادی شدہ ہو! یہ ایک ایسا
 احسانِ عظیم ہے کہ کسی نے آج تک مجھ پر نہیں کیا ہو گا۔
 (پرویز مقصود علی کو لیکر واپس ہوتا ہے مقصود کار کی طرف چلا جاتا ہے)
 پرویز۔ آپ کی کار تو بڑی کامیاب رہی خورشید صاحب! اب آپ کا
 ڈرائیور کارار د شیر صاحب کو دکھا رہا ہے۔

خورشید۔ سب کچھ بھول کر گھبرائے ہوئے) نسریں۔ آؤ چلیں۔
 نسریں۔ (سنجیدگی سے خورشید کو آنکھ مار کر دو پیش سے خبردار کرتے ہوئے)
 خورشید صاحب! میں کچھ سمجھی نہیں۔

خورشید۔ (سنجھتے ہوئے) او..... اے..... میرا مطلب ہے نسریں صاحبہ کیا

۱۲۰
 میں آپ کو اپنی امریکی موٹر کار دکھانے کی عزت حاصل کر سکتا ہوں؟
 نسریں - شکریہ - (دونوں چلے جاتے ہیں)
 پرویز - مقصود اس سفر کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟
 مقصود - (جو کار کو ٹھیک کرنے میں مصروف ہے) کاہے کے متعلق؟
 پرویز - پرویں صاحبہ میرے ساتھ جائیں گی۔
 مقصود - یہ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔
 پرویز - مسٹر کیتبا د بھی ساتھ ہوں گے۔
 مقصود - ہوں۔

پرویز - مسٹر کیتبا د تمہارے بہت ممنون ہوں گے اگر تم پرویں کیساتھ اکیلا
 بیٹھا رہنے دو گے اور تم خود میرے ساتھ رہو گے۔

مقصود - (پرویز کی طرف دیکھ کر) کیا کہنے!
 پرویز - تمہارے دادا جان ہوتے تو پھٹک جاتے اس وقت!
 مقصود - جی، نہیں وہ آپ کو ڈیڑھ ہفتہ کا سلام کرتے۔

پرویز - میں انہیں ایک اشرفی پیش کرتا۔
 مقصود - آپ ایک انہیں دس اشرفیاں پیش کرتے (کار کو چھوڑ کر پرویز
 کے پاس آتا ہے) خیر وہ تو جو کچھ ہوتا ہوتا لیکن یہ تو تباہی کے پرویں
 صاحبہ کی کیتبا د صاحب کے متعلق کیا رائے ہے؟

پرویز - وہ بھی مسٹر کیتبا د کیساتھ چھوڑ دے جانے سے اسی قدر خوش
 ہو گی جتنے کہ مسٹر کیتبا د!

مقصود۔ اپنے آقا کی طرف کچھ شکوک لگا ہوں سے دیکھتا ہے۔ پھر کا
 کی طرف مڑ کر اپنی اُسی پرانی شہر کی لونڈیا والی دھن میں سیٹی بجاتا
 شروع کر دیتا ہے)

پرویز۔ ختم کرو اس بھونڈی آواز کو۔ آخر تمہارا مطلب کیا ہے اس سے
 مقصود نہایت اطمینان کے ساتھ پھر سیٹی بجانی شروع کر دیتا ہے
 اور اُس دھن کو ختم کر کے دم لیتا ہے۔ پرویز بھی بادل ناخواستہ اس
 دھن کو ختم ہو جانے تک سنتا ہے (مقصود میں نے ہمیشہ موسیقی کو عوام
 میں مقبول بنانے کی تائید کی ہے۔ لیکن یہ کیا مصیبت ہے کہ جو ہنی پرویز صاحبہ
 کا نام آیا اور تم نے یہ فغمہ سرائی شروع کر دی۔ تم نے آج صبح بھی ایسا
 ہی کیا تھا۔

مقصود۔ (دڑھٹ بن کر) مطلب یہ ہے کہ کیقباد صاحب جو کوشش کر رہے
 ہیں وہ بیکار ہے۔ انہیں یہ خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔

پرویز۔ کیوں

مقصود۔ آپ خود جانتے ہیں۔ اب یہ میرا کام نہیں کہ میں ایسی
 باتیں بتاؤں آپ مجھے جھانسا دے رہے ہیں۔

پرویز۔ میں تمہیں جھانسا نہیں دے رہا ہوں۔ واقعی میں نہیں جانتا۔
 مقصود۔ (مسکرا کر) اچھا۔ یہ ہے تو یہی سہی۔ میں بھی نہیں جانتا۔

پرویز۔ (ذرا سنجیدگی سے) دیکھو مقصود۔ مجھے آقا اور ڈرائیور کے
 حقوق و فرائض کا بخوبی اندازہ ہے۔ میں خود نہیں اپنے خانگی معاملات

گھسیٹنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کاروباری معاملات بھی تمہاری انجمن
مزدوراں کی تائید سے طے کئے جاتے ہیں۔ اپنے اختیارات کا ناجائز
استعمال مت کرو۔ والتیر کا قول ہے کہ جو کچھ نثر میں کہنا ناجائز ہے اس کا
نظم میں کہنا جائز ہے۔

مقصود۔ یہ والتیر کا قول نہیں۔ بومارشے کا قول ہے۔

پرویز۔ ٹھیک۔ مجھ سے بھول ہوئی۔ یہ بومارشے ہی کا قول ہے۔ ہاں
تو تمہارا خیال ہے کہ جو کچھ باتوں میں بیان کرنا ناجائز ہے اُسے سیٹی
بجا کر بیان کرنا جائز ہے۔ بد قسمتی سے تمہارا سیٹی بجانا حالانکہ کانوں کو
بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اچھا سنو۔ اس وقت
نہ تو میرے معزز عزیز واقارب ہماری باتیں سن رہے ہیں اور نہ تمہاری
انجمن کا مقصد پس تم ہو اور میں۔ تو مقصود تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میرے
دوست کی قیاد صاحب پرویز کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہونگے
مقصود۔ کیونکہ وہ کسی دوسرے کے پیچھے ہے۔

پرویز۔ ارے! دوسرا کون؟

مقصود۔ آپ۔

پرویز۔ میں؟

مقصود۔ جیسے کچھ جانتے ہی نہیں۔ جائیے بھی۔ پرویز صاحب!

پرویز۔ (بے تاب ہو کر) تم مذاق کر رہے ہو یا سچ کہہ رہے ہو؟

مقصود (ذرا خشمیں لہجہ میں) میں مذاق و زاق نہیں کر رہا ہوں (ٹھنڈے ہو کر) یہ بات تو اتنی سچی ہے جتنی آپ کے منہ پر ناک! اگر آپ اتنا بھی بہتر سمجھے تو اس معاملہ میں آپ بالکل کچے ہیں۔ (آواز تیز کر کے) معاف کیجئے گا۔ آپ خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ نے پوچھا تو میں نے بتا دیا پرویز۔ (خدا سے امان مانگتے ہوئے) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں — وہ شہد کی مکھی میں ہوں۔ وہ مکڑی دراصل میں ہوں۔ وہ پھنسا ہوا شکار میں ہے مقصود۔ اب شہد کی مکھی اور مکڑی کے متعلق تو میں کچھ جانتا نہیں۔ لیکن پھنسنے ہوئے شکار تو آپ ضرور ہیں اور یہ بھی آپ کے لئے ایک اچھا شغل رہے گا۔

پرویز۔ (کچھ یاد کر کے) مقصود علی تمہاری زندگی کا سنہری لمحہ آن پہنچا۔ مقصود۔ کیا مطلب آپ کا؟ پرویز۔ وہ بنوں والا ریکارڈ۔ مقصود۔ (بہت دلچسپی سے) اچھا پھر؟ پرویز۔ تم وہ ریکارڈ توڑ دو۔ مقصود (خوشی سے پھولا نہیں سکتا) کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ پرویز۔ ہاں۔

مقصود۔ کب؟

پرویز۔ اب کیا موڑ تیار ہے

مقصود۔ (بوکھلائے ہوئے) لیکن آپ —

۱۲۴
 پرویز۔ (کار میں بیٹھ کر اس کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے) بس چلو
 اب پہلے نمک کی طرف روپیئے لینے۔ پھر میرے گھر میرا سامان لینے
 پھر اپنے گھر اپنا سامان لینے۔ پھر بمبئی سے سرحد کی طرف چلو اور دریا
 سندھ اور پشاور میں سے ہوتے ہوئے بنوں۔

مقصود۔ آپ دل لگی کر رہے ہیں۔
 پرویز۔ اچھا اگر ایسا ہے تو تم یہیں بیٹھے رہو۔ اگر تم نہیں آتے تو میں اکیلا
 ریکارڈ ٹوٹر دوں گا (موٹر اسٹارٹ کرتے ہوئے)۔

مقصود۔ (اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے) ارے جناب۔ واللہ ذرا
 بات تو سنئے۔ ٹھہرئے تو! (بھاگتے ہوئے موٹر میں چھلانگ کر بیٹھ جاتا ہے)۔

تیسرا ایکٹ

بنوآن کے پاس انگلش کی ایک شام۔ پہاڑی علاقہ ہے۔ کہیں کہیں پتھر ملی پہاڑیاں اپنے گرد و پیش کی سطح سے بلند ہو کر خود کو ممتاز کر رہی ہیں۔ ہر طرف مرز میں افغانستان کی غطمت و شان نظر آتی ہے۔ پہاڑیوں کے آغوش میں ایک چوڑی سڑک بل کھاتی ہوئی چلی گئی ہے۔ سڑک کے ایک طرف ایک پہاڑی کے دامن میں ایک غار ہے۔ پہاڑی پر ایک شخص کھڑا سڑک کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وضع قطع سے افغان ہی معلوم ہوتا ہے۔ غار کی طرف جانے والے راستے پر ایک کھوہ میں ایک درجن بھر آدمی آگ کے گرد بیٹھے ہیں۔ گویا انگلش کے ویرانے کو آباد کر رہے ہیں۔ انہیں "آوارہ گرد" یا "شریف کنگال" کہہ لیجئے۔

ان لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ جو لوگ ہماری معاشرت کی خرابیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان پر روشن ہے کہ ہماری معاشرت کئی

ناکامی اور بے راہ روی کے نمونے صرف شرابی اور مرل انسان ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس طبقہ میں پیدا ہوئے جس کے لئے وہ موزوں نہیں تھے یعنی وہ لوگ جو

اے روشنی طبع تو برمن بلاشدی۔ کامصداق ہوتے ہیں۔ مثلاً جو خصوصیات اور صلاحیتیں ایک تعلیم یافتہ آدمی کو ایک آرٹسٹ بنا دیتی ہیں وہی خصوصیات اور وہی صلاحیتیں ایک جاہل اور مفلس انسان پر بلائیں کر اُسے قعرِ افلاس و مصائب میں ڈھکیل دیتی ہیں اور وہ ایک شریف کنگال نکر رہ جاتا ہے۔ جب ایک شخص جو فطرتاً شاعر ہے بننے کو نوکری کرنے پر فائق کرنا یا اپنے کسی عزیز یا دوست کے ٹکڑوں پر پڑے رہنے کو ترجیح دیتا ہے تو ہم اس سے ہمدردی کرتے ہوئے اسے معاف کر دیتے ہیں۔ جب کوئی شریف عورت کسی کی دست نگر اور محتاج رہنا تو پسند کرتی ہے لیکن کہیں ماما کی نوکری نہیں کر لیتی۔ تو ایسی عورت کو بھی ہم حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ کچھ اسی قسم کی رعایات اور مراعات کے وہ لوگ بھی مستحق ہیں جنہیں ہماری سوسائٹی نے اپنے اندرونی نقائص کی وجہ سے محض ایک ”شریف کنگال“ یا ”آوارہ گرد“ یا صرف ”ٹیڑا بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ ہم لوگ جانتے ہیں کہ ہم مزدوروں سے ضرورت سے زیادہ سختی اور بے انصافی سے کام لیتے ہیں اگر ایک شخص اپنے ساتھ نا انصافی اور تشدد کو برداشت نہیں کر سکتا تو ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ وہ کام کرنے سے جمی چراتا ہے۔ ہم ان مسائل پر ٹھنڈے دل سے کبھی غور نہیں

کہتے ہیں لوگ شہد کی مکھیوں اور چونٹیوں کی طرح ہیں جو عقل و فہم کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی جبلت اور فطرت کی وجہ سے کام کرتی رہتی ہیں۔ اس لئے جب کوئی اہل نظر اکراکناٹ کے نظریے کے مطابق ہم سے کہتا ہے کہ اگر ہر شخص ایسے ہی کرے جیسا کہ میں کرتا ہوں تو دنیا اپنے آپ کو سدھارنے پر مجبور ہو جائیگی۔ اور دنیا سے غلامی اور بربریت کا وجود ہمیشہ کیلئے مٹ جائیگا۔ ہمیں ایسے شخص کا احترام کرنا چاہیے اور اس کی تقلید کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ شخص شریف کنگال اور "وانا مفلس" ہے۔ دنیا والے عموماً دو ہی طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یا تو وہ قوم کے سہارے جیتے ہیں یا قوم ان کے سہارے جیتی ہو۔ اول الذکر تو فاقہ مست اور شریف کنگال قسم کے لوگ ہیں موخر الذکر وہ لوگ ہیں جو خود کماتے ہیں اور قوم ان کی محنت سے فائدہ اٹھا کر ان کا خون چوس کر جیتی ہے اور انہیں ایک کشمکش سیہم کا خوگر بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ ان دونوں میں کون سا طرز زندگی بہتر ہے اس کا فیصلہ کرنا اتنا آسان نہیں۔ البتہ یہ واقعہ ہے کہ دونوں طریق زندگی غلط ہیں لیکن چونکہ بد قسمتی سے صرف یہی دو راستے ہیں جن میں سے ایک پر سے انسان کو گزرنا ہے۔ اس لئے فاقہ مست کنگال وہ راستہ منتخب کرتا ہے جو سیدھا اور صاف ہے۔ اور جس پر چل کر وہ نسبتاً کم مصائب برداشت کر کے زندگی گزار سکتا ہے۔

لہذا ننگش کے ان ٹیسروں کو بہت زیادہ حقارت کی نظر سے
نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ہمارے ان کے مقاصد ایک ہیں محض راستے جدا
ہیں ان میں اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ لیکن یہ سب
ایک سردار کے محکوم ہیں جس کا ہر لفظ قانون ہے۔

ان کا سردار ان کے بیچ میں ایک پتھر پر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک لمبا
مٹرنز گا آدمی ہے۔ طے کی چونچ جیسی ناک۔ سیاہ بال تاؤ دی ہوئی
موچیں رعب دار چہرہ جس میں کچھ شیطنت جھلک رہی ہے۔ اردو
اچھی طرح بولتا ہے آگ کے گرد بیٹھے والوں میں سے اکثر اور کوٹ
مغلز اور بہت سی کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ صرف ایک شخص پینس سال
سے زیادہ کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک بھوری موچوں والا مختصر سا
آدمی ہے اسکے کوٹ کا کارنخل کا ہے۔ یہ ایک معزز شخص معلوم
ہوتا ہے۔ عمر کوئی چالیس بلکہ پچاس سال سے بھی زیادہ ہی ہوگی
اس کے بائیں طرف تین آدمی بیٹھے ہیں جو صورت شکل سے اشتراکی
معلوم ہوتے ہیں۔ ان تین میں سے ایک شخص ننگالی ہے باقی دو پنجابی
ہیں۔ ایک آدمی۔ سنجیدہ اور صندی ہے۔ دوسرا دنگلی اور جھگڑالو۔
سردار تقریر کرنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے۔ نعرے بلند ہوتے ہیں جن
سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار ایک اچھا مقرر ہے

سردار۔ دوستو! اور میرے قزاق بھائیو! اس جلسہ میں مجھے ایک تجویز
پیش کرنا ہے۔ ہم تین شاہیں صرف اس بحث پر صرف کر چکے ہیں کہ

فوضوی زیادہ دیر ہوتے ہیں یا معاشری اشتراکی۔ ہم نے فوضیت اور معاشری اشتراکیت کے اصولوں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ فوضیت کی نہایت عالمانہ تائید ہمارے ایک فوضوی بھائی نے کی ہے جو نہیں جانتے کہ فوضیت کیا ہے۔

(تہقہہ)

فوضوی۔ (اُٹھتے ہوئے) سکندر خاں! میں ایک ضابطہ کا سوال کرنا چاہتا ہوں۔ سکندر خاں۔ نہیں خدا کیلئے نہیں۔ تمہارا پچھلا ضابطہ کا سوال اتنا طویل تھا کہ اس پر نصف گھنٹہ صرف ہو گیا۔ اس کے علاوہ فوضوی ضابطہ کے قائل ہی نہیں ہوتے۔

فوضوی۔ یہ ایک ناش غلطی ہے میں ثابت کر سکتا ہوں۔ سکندر خاں۔ خاموش خاموش۔

اور لوگ۔ خاموش! خاموش۔ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ جناب صدر چٹے جاؤ۔ (فوضوی دب جاتا ہے)

سکندر خاں۔ اور ہمارے پاس تین معاشری اشتراکی صاحبان بھی ہیں ان صاحبان میں آپس میں بات چیت بند ہے۔ معاشری اشتراکیت کے تین مختلف اور متضاد نظریے پیش کئے گئے ہیں۔ (تین آدمی جو صورت سے اشتراکی معلوم ہوتے ہیں)

پہلا۔ جناب صدر! مجھے اس سے اختلاف ہے میں اس کی توجیہ چاہتا ہوں

۳۰۔ اس کبھی نہیں کہا سکندر خاں انصاف کرو

تیسرا۔ جھوٹ بالکل جھوٹ ! یہ جھوٹ ہے قطعی جھوٹ ہے

سکندر خاں۔ خاموش ! خاموش !

دوسرے لوگ۔ خاموش ! خاموش ! خباب صدر !

تینوں کیونٹ خاموش ہو جاتے ہیں۔

سکندر خاں۔ آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ ہم ہر قسم کے خیالات اور نظریات کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ لیکن بھائیو ! ہم میں سے سب سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو نہ تو فوضوی ہیں اور نہ معاشری اشتراکی بلکہ مید ہے سادہ شریف آدمی اور ہندوستانی مجمع میں سے بیشتر لوگ (تائید کرتے ہوئے)

خوب ! خوب ! ہم ایسے ہی ہیں۔ ٹھیک !

پہلا اشتراکی۔ تم ہندوستانی نہیں ہو۔ تم غیر ملکی ہو۔

سکندر خاں۔ (مرہبانہ انداز میں) میرے دوست ! میں سب قواعد سے

مستثنیٰ ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے ایک افغان ہونے کا شرف

حاصل ہے۔ اور جب میرے افغان بھائیوں کو ہندوستان کی سرزمین پر

نوا آبادی قائم کرنے کیلئے ایک قائد کی ضرورت ہوگی تو میں ان سے کسی

طرح پیچھے نہ رہوں گا (نعرہ ہائے تحسین) لیکن میں اوہام پرستی کا غلام

نہیں ہوں۔ میں نے تمام نظریات پر عبور حاصل کر لیا کیونکہ کوشش کی ہے۔

یہاں تک کہ میں اشتراکیت کا بھی ایک حد تک قائل ہوں۔ اور وہ کہاؤ

ہے نا کہ جو شخص ایک مرتبہ اشتراکی ہو گیا۔ پس آیا اور پھنسا۔

سکندر خاں - لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ ایک عام آدمی - حتیٰ کہ ایک قزاق بھی — جسے ایک عام آدمی نہیں کہا جاسکتا - (نعرہ تحقیر) ایک فلسفی نہیں ہو سکتا ہی اس کے لئے بس معمولی سمجھ بوجھ کافی ہے۔ اور ہمارے کام میں بھی بس معمولی سمجھ بوجھ ہی کافی ہے اچھا تو سرحد ہندوستان کی اس ہنگامہ پر ورسر زمین میں آج ہم کس مقصد کیلئے جمع ہوئے ہیں! کیا ہم سیاسی معاشیات کے دقیق مسائل پر بحث کرتے کیلئے جمع ہوئے ہیں - نہیں ہم اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ آنے جانے والی موٹر کاروں کو روکیں - اور دولت کی تقسیم مساوات کے اصولوں پر کریں دوسرا اشتراکی - یاد رکھئے کہ یہ دولت مزدوروں کی ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ سکندر خاں - (علامت سے) بیشک! مزدوروں کی ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ جوان دو لختہ بد معاشوں کے ہاتھوں ہندوستان کی عیش پرور زمیں پر لہو و لعب میں برباد ہو رہی ہے - ہم اس دولت کو یوں ضائع ہونے سے روکتے ہیں - ہم اسے اُس طبقہ کے افراد میں بانٹ دیتے ہیں جنہوں نے اسے پیدا کیا - یعنی مزدوروں میں - اس اقدام میں ہم اپنی جان اور آزادی خطرے میں ڈالتے ہیں - اور جرات - جفاکشی - دور اندیشی - اور پرہیزگاری سے کام لیتے ہیں - خصوصاً پرہیزگاری سے ہیں نے خود تین روز سے پھلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کھایا - دوسرا اشتراکی - (بڑبڑاتے ہوئے) ہم نے بھی کچھ نہیں کھایا - سکندر خاں - (دنگ کر) کیا میں نے اپنے حصے سے کچھ زیادہ لے لیا -

دوسرا مشترکی۔ آپ اپنے حصے سے زیادہ دے بھی کس طرح سکے تھے۔
 فوضوی۔ کیوں نہیں لے سکتے دیتے ہیں بادہ طرف قح خوار دیکھ کر
 منگالی مشترکی۔ (فوضوی کو مکا دکھاتے ہوئے) سمجھ لو نگا تجھے بھی!
 سکندر خاں۔ (موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے) مجھے آپ دونوں حضرات
 سے اتفاق ہے۔

ایک قزاق۔ کیا کہتے ہیں سکندر خاں صاحب! خوب!!
 سکندر خاں۔ میرا کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے
 شریفانہ برتاؤ کرنا چاہیے اور صرف میدان میں ہی ایک دوسرے سے
 بازیے جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پہلا مشترکی۔ (دطنزاً) اس وقت اقبال کی روح تڑپ گئی ہوگی۔
 رچو لوگ پہاڑی پر جمع ہیں ان کی طرف سے ایک سیٹی کی آواز آتی ہے
 اُپھل کر دوڑتا ہے اور دو لبرٹرک کی طرف اشارہ کرتا ہے)
 دوسرا مشترکی۔ موٹر! موٹر! اشتراکی دوڑتا ہوا پہاڑی کی طرف
 جاتا ہے اور دوسرے قزاق بھائیوں میں شامل ہو جاتا ہے جو گھٹنوں
 کے بل چل رہے ہیں۔

سکندر خاں۔ حکیمانہ ہجے میں اسلحہ سے یس ہو جاؤ۔ بندوق کس کے پاس ہے
 دوسرا مشترکی۔ ایک رائفل سکندر خاں کو دیتے ہوئے یہ ہے۔
 سکندر خاں۔ مٹرک پر میخیں اچھی طرح سے گاڑ دی گئی ہیں نا۔
 پہلا مشترکی۔ پوری دو اونس کی میخیں!

سکندر خاں۔ خوب! (نبگالی سے) رحمان! تم میرے ساتھ رہو۔
 اگر میخیں کام نہ کریں تو گولی مار کر ان کے ٹائروں میں پنکچر کر دینا۔
 (رفض رحمان کو دیتا ہے اس کے ساتھ پہاڑی کو جاتا ہے سکندر خاں
 دور بین نکالتا ہے۔ اور لوگ سڑک کی طرف دوڑتے ہیں اور۔)

شمال کی طرف غائب ہو جاتے ہیں۔)

سکندر خاں (پہاڑی پر کھڑے دور بین دیکھتے ہوئے) صرف وہ ہیں
 ایک سرمایہ دار اور ایک اسکا ڈرائیور۔ ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں
 رحمان۔ ہندوستانی۔ ہندوستانی! داغ دوں ایک گولی (رفض) یہ ہے
 ارے وہ تو بڑھے چلے آ رہے ہیں!!

سکندر خاں۔ انہیں میخیں چھب گئی ہیں۔ ان کا ٹائر بیٹھ گیا ہے۔ پھیر رہے ہیں!
 رحمان۔ مار دیا بھی! ارے! جل تو جلاں تو۔۔۔!!

سکندر خاں۔ (اس کے آپے سے باہر ہونے پر اسے دھمکاتے ہوئے)
 چپ رہو رحمان! ذرا زبان بند کرو۔ آویچھے چلیں اور ان کا خیر مقدم کرو۔
 (سکندر خاں نیچے اترتا ہے پرویز اور مقصود علی موٹر کے سڑک کی
 چمڑے کے کوٹ اور ٹوپیاں پہنے ہوئے ہیں قزاق انہیں سناٹے چپ
 آ رہے ہیں)

پرویز۔ کیا یہی آپ کے سردار ہیں! کیا یہ اردو بول سکتے ہیں!
 پہلا اشتراکی۔ کیوں نہیں! کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم ہندوستانی لوگ آپ
 غیر ملکی کے محکوم ہو سکتے ہیں!

۱۳۴
 سکندر خاں (ذرا اکڑ کر) مجھے اپنا تعارف کرنیکی اجازت دیجئے۔ میں
 ہوں سکندر خاں۔ صدر انجمن باشندگان گلش! (محکمانہ لہجہ میں)
 میں ایک قزاق ہوں۔ میں امیروں کو لوٹ کر زندگی بسر کرتا ہوں۔
 پرویز۔ (فوراً) میں ایک شریف آدمی ہوں۔ میں غریبوں کو لوٹ کر
 زندگی بسر کرتا ہوں۔ ہاتھ ملائیے!

اشتراکی۔ خوب!

دقیقہ۔ اس فقرہ بازی سے سب محفوظ ہوتے ہیں۔ پرویز اور
 سکندر خاں ہاتھ ملاتے ہیں قزاق اپنی اپنی جگہ چلے جاتے ہیں)

مقصود۔ اور میں؟

پرویز۔ تعارف کرتے ہوئے، یہ ہے میرا دوست اور ڈرائیور۔
 دوسرا اشتراکی (مشکوک نگاہوں سے) یہ اصل میں ہے کون؟ دوست یا
 ڈرائیور۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیوں ہے نا؟

سکندر خاں۔ (تشریح کرتے ہوئے) دوستوں سے تو ہم تاوان وصول
 کرتے ہیں۔ لیکن ڈرائیور سے نہیں۔ اسے تاوان معاف۔ بلکہ اگر وہ
 منظور کرے تو اسے اپنے آقا کے تاوان کا کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے
 مقصود۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ آپ لوگ کچھ حصہ مجھے دیکر مجھے ترغیب
 دنیا چاہتے ہیں کہ میں کوئی اور شکار پھانس کر یہاں لاؤں خیر اس کے متعلق
 سوچوں گا۔

رحمان۔ (مقصود کے پاس دوڑ کر جاتے ہوئے) واہ میرے دوست!

(اُس سے بڑی گرجو ششی سے گلے ملتا ہے اور اس کے دونوں رخساروں پر بو سے لیتا ہے۔)

مقصود۔ (تنگ آکر) ارے کیا کر رہے ہو بھینا! ہٹو پیچھے۔ تم ہو کون؟
رحمان۔ رحمان معاشری اشتراکی!

مقصود۔ تو تم معاشری اشتراکی ہو!
فوضوی۔ یہ تو بس متوسط طبقے کے شہریوں اور سیاست دانوں کا غلام ہے بڑا صلح کل بنتا ہے

رحمان۔ غصہ میں آن کر) میں جانتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے متوسط طبقہ صلح کل ہے نہ سمجھتا ہے نہ بوجھتا ہے بڑ بڑ کئے جاتا ہے۔

مقصود۔ سکندر خاں صاحب آپ بھک بھک کیونکر برداشت کرتے ہیں؟
ہم یہاں پہاڑوں میں میر کیلئے آئے ہیں یا اشتراکیوں کے جلسے میں شرکت کرنے
حاضرین کی آوازیں خوب اچھے جاؤ بانکا لو باہر۔ بیٹھ جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ
اشتراکی اور فوضوی دونوں پیچھے ڈھکیل دے جاتے ہیں۔ یہ کام ختم
کرنیکے بعد مقصود سکندر خاں کے بائیں طرف آ جاتا ہے پر دیر کی دایں طرف پار
سکندر خاں۔ کھانے کیلئے کچھ حاضر کروں؟ بھینا ہوا گوشت پھل وغیرہ
پرویز۔ شکریہ۔ ہم نے کھانا کھا لیا ہے۔

سکندر خاں۔ (اپنے مریدوں سے) حضرات! آج کا کام ختم ہو گیا۔
اب آپ جہاں چاہے جاسکتے ہیں کل صبح تک!!

قزاق آہستہ آہستہ چھٹ جاتے ہیں۔ کچھ غار میں چلے جاتے ہیں۔ بعض کھلی ہوا میں بیٹھ یا لیٹ جاتے ہیں۔ بعض لوگ تاش نکالتے ہیں اور سڑک کی طرف چلتے ہیں۔ کیونکہ تاروں بھری رات ہے۔ روشنی کافی نہیں پرویز کی موٹر میں لمپ لگا ہوا ہے قزاق اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مقصود - (آواز دیکر) موٹر کو چھڑنا نہیں۔ سنا تم نے۔

سکندر خاں - فکر مت کیجئے ڈرائیور صاحب۔ پہلی موٹر جو ہم نے پکڑی تھی اس نے ان لوگوں کو ایک اچھا خاصا سبق دیا۔ مقصود - (دلچسپی سے) کیا ہوا۔

سکندر خاں - وہ موٹر، پیارے تین بہادر جوانوں کو لگی جو موٹر چلانا جانتے تھے لیکن روکنا نہیں جانتے تھے۔ موٹر دو رینوں تک چلی گئی اور وہاں کی پولیس چوکی سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ وہ دن اور آج کا دن! جب تک ڈرائیور نہ وہم موٹر کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اچھا تو آئیے بیٹھیں کچھ گپ ہے! پرویز - ضرور!

پرویز سکندر خاں اور مقصود آگ کے پاس سمرہ پر بیٹھ جاتے ہیں سکندر خاں یحیثیت صدر کے پتھر پر ذرا بلند ہو کر بیٹھنے کا عادی ہے اور اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ لیکن اس وقت وہ اپنے اس اختیار کو استعمال نہیں کرتا اور اس کے ساتھ نیچے بیٹھ جاتا ہے اور پتھر سے پیچھے لگا لیتا ہے۔ سکندر خاں - افغانستان میں یہ وقت کسی کام کیلئے موزوں تصور نہیں کیا جاتا۔ اصل میں آپ ہمارے دفتر کے وقت کے بعد تشریف لائے ہیں۔ بہر کیف

اگر آپ تاوان کا مسئلہ ابھی طے کرنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔
 پرویز۔ نہیں کل پر رکھے میں امیر آدمی ہوں۔ آپ کو متہ مالگتا تاوان دوں گا۔
 سکندر خاں۔ (پرویز اس اعتراف سے حیران ہو کر مودبانہ) آپ خوب
 آدمی ہیں ہمارے یہاں عموماً اپنے آپ کو تلاش اور کنگال بناتے ہیں
 پرویز۔ ادھر۔ تلاش لوگ موڑ نہیں رکھتے۔
 سکندر خاں۔ یہی ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں۔

پرویز۔ آپ ہم سے اچھی طرح پیش آئے۔ ہم احسان فراموشی نہ کریں گے
 مقصود۔ تجھے ہوئے گوشت اور پھلوں سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں یہ باور
 کرانیکی کوشش نہ کیجئے کہ آپ کے پاس اس سے بہتر کوئی چیز ہے ہی نہیں۔
 سکندر خاں۔ دو دودھ۔ پنیر۔ روٹی۔ نقد قیمت پر مل سکتی ہے۔
 مقصود۔ اب بات کہی آپ نے!

پرویز۔ صاف کیجئے گا کیا آپ سب لوگ یہاں اشتراکی ہیں۔
 سکندر خاں۔ (اس غلط فہمی کو جلد دور کر نیکی کوشش کرتے ہوئے) ہمیں
 نہیں۔ نہیں۔ بالکل نہیں میں سچ کہتا ہوں بات یہ ہے کہ دولت کنی
 بیجا تقسیم پر ہمارے خیالات فطرتاً کچھ جدید قسم کے ہیں نہیں تو ہماری
 خوداری میں فرق آجائے۔ ورنہ ہم لوگ اشتراکی و اشتراکی نہیں سوا
 دو تین خطیوں کے۔

پرویز۔ نہیں میں اشتراکیوں کی کوئی برائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سچ تو یہ ہے
 کہ میں خود بھی تھوڑا بہت اشتراکی ہوں۔

مقصود۔ (سنجیدگی سے) امیر لوگ عموماً اشتراکی ہوتے ہی ہیں۔ میں نے اکثر دیکھا ہے۔

سکندر خاں۔ بالکل ٹھیک۔ میں نے بھی یہ دیکھا ہے۔ موجودہ دور کا ہی راجا ہے مقصود۔ اگر آپ کے آدمیوں نے اشتراکیت میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے تو سمجھے اشتراکیت کے اچھے دن آگئے۔

سکندر خاں۔ آپ درست فرما رہے ہیں۔ جو تحریک محض فلسفیوں اور ایماندار لوگوں تک ہی محدود رہے گی وہ کوئی سیاسی انقلاب پیدا نہ کر سکے گی کیونکہ فلسفی اور ایماندار بہت کم ہوتے ہیں۔ جب تک قزاقوں اور ڈاکوؤں میں مقبول نہو اُسے کوئی سیاسی اکثریت حاصل نہیں ہو سکتی پرویز۔ لیکن کیا آپ کے قزاق شہریوں سے کچھ کم ایماندار ہیں۔

سکندر خاں۔ جناب میں صاف صاف کہتا ہوں قزاقوں کا طبقہ اور طبقات سے بالکل مختلف طبقہ ہے۔ ہمارے طبقہ میں دو قسم کے لوگ آتے ہیں۔ یا تو وہ جو اس قدر رذیل ہیں کہ شہری زندگی کے لائق نہیں یا وہ جو اس قدر شریف ہیں کہ شہری زندگی کے لائق نہیں۔ ہم لوگ یا تو درِ دہشتہ جام میں یا کفِ بالائے جام۔

مقصود۔ ذرا آہستہ بولئے۔ کوئی درِ دہشتہ جام، سن نہ لے۔ سکندر خاں۔ نہیں کوئی بات نہیں۔ ہر قزاق اپنے آپ کو کفِ بالا جام سمجھتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ دوسرے کو درِ دہشتہ جام کہا جائے۔

پرویز۔ آپ تو بڑے بذلہ سنج ہیں (سکندر خاں انکساری سے سر جھکا لیتا ہے)

کیا میں ایک سوال کر سکتا ہوں

سکندر خاں - ضرور!

پرویز - آپ جیسے صاحب ذوق نے یہ کیونکر پسند کیا ہے کہ بھنا ہوا گوشت اور جنگلی پھل کھا کھا کر اس ریوڑ کی گلہ بانی کریں۔ میں نے آپ سے کم خوش مذاق اور کم ایذا دار لوگوں کو تاج محل ہوٹل میں بیٹھے لذیذ کھانے اور شیمین اڑاتے دیکھا ہے

سکندر خاں - اب وقت آرہا ہے کہ انہیں جنگلی پھل کھانے کو ملیں گے۔ اور تاج محل ہوٹل میرے حصہ میں آئیگا۔ بلکہ میری باری تو آچکی ہے۔ میں وہاں خدمت گار تھا۔

پرویز - خدمت گار! مجھے حیرت ہوتی ہے۔

سکندر خاں - (سرگرمیاں) ہاں میں نگین کا سردار سکندر خاں ایک خدمت گار تھا۔ اور شاید اسی نے میں "مردِ آفاقی" بن گیا ہوں۔

(ایک دم جوش میں آکر) کیا میں آپ کو اپنی آپ بیتی سناؤں؟

مقصود - (ذرا تشویش سے) بشرطیکہ وہ بہت لمبی نہ ہو

پرویز - (قطع کلام کرتے ہوئے) شش ... تم بڑے بد مذاق ہو مقصود! تم میں کوئی رومان ہی نہیں۔

سکندر خاں - صدر صاحب - مجھے آپ کی باتوں میں بہت لطف آرہا ہے آپ مقصود کی فکر نہ کیجئے۔

۱۲۰
سکندر خاں - جس عورت سے مجھے محبت تھی —

مقصود - اچھا تو یہ پریم کہانی ہے۔ خیر تو سنائے میں اس نے ڈر رہا تھا کہ شاید آپ اپنے متعلق ایسے اس کی خاطر اپنے آپ کو برباد کر لیا۔ اسی سے میں اس وقت یہاں موجود ہوں خیر اس کے بغیر دنیا اور دنیا والے گویا میری طرف سے مر گئے اس کا سراور زلفیں ایسی حین تھیں کہ میری نظر سے کبھی نہیں گذریں۔ وہ خوش مزاج تھی ذہین تھی لذیذ کھانے بنا سکتی تھی۔ اس کی حساس طبیعت نے اُسے متلون مزاج شکی۔ سنگدل۔ مخقر یہ کہ ساحرہ بنا دیا تھا۔

مقصود - یعنی ایسی جیسی ایک ناول کی ہیروئن۔ بس صرف کھانا پکانی کی کمی تھی۔ وہ مغیبہ خاندان کی شہزادی تو نہیں تھی؟

سکندر خاں - جی ہنیں وہ کسی امیر کبیر کی بیٹی نہیں تھی میں نے ہندوستانی اُمرا کی لڑکیوں کی تصویریں دیکھی ہیں۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ ان لڑکیوں کو ان کی صوتوں۔ جھیز۔ لباس۔ خطابوں وغیرہ کے ساتھ صرف اپنی محبوبہ کی ایک مسکراہٹ پر قربان کر سکتا ہوں۔ اس کے باوجود وہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی ایک مزدور لڑکی تھیں اور اگر وہ مزدور لڑکی نہ ہوتی تو میں اس سے نفرت کرتا۔

پرویز - بالکل ٹھیک۔ اور کیا اسے بھی تم سے محبت تھی۔

سکندر خاں - اگر اسے محبت ہوتی تو میں یہاں بیٹھا ہوتا؟ وہ ایک کاہلی چٹھان سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔

پرویز - قومیت کی بناء پر
 سکندر خاں - ہنیں وہ ایک آزاد خیال لڑکی تھی - وہ کہتی تھی کہ ہر ٹھکانے
 دل میں خیال کرتا ہے کہ ہندوستانی لوگ اپنی عادات میں بہت گندے
 ہوتے ہیں

پرویز - (حیران ہو کر) گندے ؟
 سکندر خاں - اس سے اس کے دنیا کے متعلق غیر معمولی معلومات کا پتہ
 چلتا ہے کیونکہ یہ امر واقعہ ہے کہ پٹھان ہندوستانیوں کو ایسا ہی سمجھتے
 ہیں - ہم صفائی میں اتنا پسند ہونیکی وجہ سے اوروں کو ذرا حقارت
 کی نظر سے دیکھتے ہیں -

پرویز - مقصود کبھی تم نے بھی یہ سنا ؟
 مقصود - ہاں میں نے اپنی بہن کی زبانی سنا ہے - وہ کسی زمانے میں پٹھانوں
 کے ایک گھرانے میں کھانا پکانے پر ملازمہ تھی -

سکندر خاں - جو خیال اُس نے قائم کر لیا تھا نہ میں اس سے انکار کر سکتا
 تھا اور نہ ہی اسے اس کے دل سے نکال سکتا تھا میں ہر اعتراض کا
 جواب دے لیتا تھا - لیکن عورت پر برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کی شخصیت
 پر حملہ کیا جائے - میری سب کوششیں بیکار گئیں - وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ
 وہ میرے لائق نہیں تھی - وہ مجھ سے ذریعہ نامی ایک نوڈیا سے
 شادی کر لینے کی سفارش کرتی تھی - جس سے مجھے سخت نفرت تھی -
 میں نے زہر کھا لینے کے سلسلہ پر گفتگو کی تو اس نے زہر لاکر میرے سامنے

پیش کر دیا۔ میں نے اسے قتل کرنے کی دہلکی دی تو وہ ہنستے ہنستے لوٹ ہو گئی۔ آخر تنگ آ کر میں برما چلا گیا تاکہ رات کو خواب میں وہ یہ نہ دیکھے کہ میں اسے قتل کرنے کیلئے آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہوں وہاں رنگون میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کی پولیس تلاش کر رہی تھی کیونکہ وہ ریلوں کو راستے میں روکا کرتا تھا۔ سرحد میں موٹریں روکنے کا خیال اسی کے ذہن کی پیداوار ہے اور میرے موجودہ مسائل اسی کے عالمی دماغی کے مرہون منت ہیں۔ اس نے مجھے چمنڈ مشہور سرمایہ داروں کے پتے بتائے۔ میں نے ایک دو شرکتی تجارت خانہ قائم کیئے۔ جسے آپ اس موجودہ شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ میں سردار بن گیا جیسے کہ عموماً پٹھان اپنی فہم و فراست کی وجہ بن جایا کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نسلی وقار کے باوجود میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہوں اگر مجھے ایک منہ و ستانی بنا دیا جاسکے۔ میں ایک کم سن لڑکے کی طرح ہوں میں اپنی محبوبہ کا نام درختوں پر کھودتا ہوں اور اس کے نام کے پہلے حروف سبزہ کے فرش پر لکھتا ہوں۔ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو اپنے بال کھینچتا ہوں اور چلاتا ہوں حامدہ!!

مقصود - (چونک کر) حامدہ؟

سکندر خاں - یہ اس کا نام ہے حامدہ۔ حامدہ بیگم۔

مقصود - (کھڑے ہوتے ہوئے۔ غصہ کے مارے لال ہوتے ہوئے) دیکھیے حامدہ بیگم میری بہن ہے سچھے آپ۔ اس کے متعلق ایسی باتیں کر نہ کیا آچو

کیا حق ہے اس سے آپ کا کیا واسطہ؟
 سکندر خاں - واللہ کیا ڈرامائی تو ارد ہوا ہے تو آپ ہی اس کے
 محبوب بھائی مکسود ہیں۔

مقصود - ارے کیا آپ بھی مجھے مکسود کہہ رہے ہیں۔ آپ کو کسی کا
 نام بگاڑ نیکا کیا حق ہے۔ میں آپ کا سر توڑ دوں گا۔

سکندر خاں (بالکل اطمینان سے) اگر میں آپ کو اپنا سر توڑنے دوں
 تو کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ حلیہ کے سامنے اپنی اس بہادری
 کا قصہ بیان کریں گے۔ کیونکہ اس طرح اسے اپنا سکندر خاں یاد آ جائیگا
 بس میں یہی چاہتا ہوں۔

پرویز - مقصود! یہ سرفروشی اور اخلاص کا بہترین نمونہ ہے تمہیں اس کا
 احترام کرنا چاہیے۔

مقصود - سب بکواس ہے۔ بزدلی ہے۔

سکندر خاں - (کھڑے ہو کر) بزدلی ایمیاں صاحبزادے! میں ایک جنگجو
 قوم کا فرد ہوں۔ اور جیسا کہ تمہاری بہن جانتی ہے تمہاری میرے سامنے
 وہی حقیقت ہے جو ایک بچوں کی موٹر گاڑی کے کھلونے کی تمہاری
 بڑی موٹر کے سامنے۔

مقصود - (ذرا ڈرتے ہوئے۔ لیکن جوش میں کھڑے ہوتے ہوئے)

میں تم سے ڈرتا نہیں میں تو خیر بہت ہوں تمہارے لئے تو صرف
 حامدہ ہی کافی ہے۔

۱۴۴
 سکندر خاں - کاش کہ تم اسے سمجھا سکتے کہ وہ میرے لئے کافی ہے۔
 مقصود - (آپے سے باہر ہو کر) تیری

پرویز - اٹھتے ہوئے اور ان دونوں کو ٹرنے سے چھڑاتے ہوئے)
 مقصود دیکھو اگر تم نے صدر صاحب کا مقابلہ کر بھی لیا تب بھی تم ننگین کے
 سارے قزاقوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بیٹھ جاؤ اور ان کے دوست
 بن جاؤ اگر ایک بلی بادشاہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکتی ہے تو قزاقوں
 کا سردار بھی تمہاری ہمشیرہ کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ نسلی امتیاز اب بہت
 فرسودہ سی چیز ہو گئی ہے۔

مقصود - (دب کر لیکن بڑبڑاتے ہوئے) اُسے دیکھنے دو۔ لیکن یہ تو کہتا
 ہے کہ اُس نے بھی اس کی طرف نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اس سے اس کا کیا
 مطلب ہے (بادل ناخواستہ فرش پر بیٹھتے ہوئے) اس کی باتیں سن کر
 کوئی سمجھے گا اس کے حامد سے بہت گہرے مراسم تھے۔ دیٹ جاتا
 ہے سونے کی کوشش کرتا ہے)

سکندر خاں (پرویز سے زیادہ رازدارانہ لہجے میں کیونکہ اب وہ اپنے
 آپ کو تنہا ایک ایسے شخص سے مخاطب پاتا ہے جسے اس سے ہمدردی
 ہے اور سب لوگ سو گئے ہیں) اس کی یہی حالت تھی۔ اس کی ذہانت
 ایک صدی آگے بڑھ چکی تھی۔ اور اس کی اوہام پرستی شکی مزاجی نسلی
 امتیاز ازمنہ وسطیٰ کی خبر لاتے تھے۔ آہ! کسی شاعر نے کہا ہے نا۔

۵۶۔۔۔۔۔ مجھے اسے محبت تھی۔ اور ۴۰۰۰ بھائیوں کی محبت بھی مل کر میری

محبت کے برابر نہیں ہو سکتی۔

وغیرہ۔ آگے مجھے یاد نہیں۔ آپ اسے جنوں کہیے۔ حماقت کہیے کہ

میں کچھ نہیں کر سکا۔ ورنہ میں اچھا خاصا ہٹا کتا ہوں۔ بھڑی بہت سبج

بوجھ بھی رکھتا ہوں۔ اگر میں دس سال کام کرتا رہتا تو میں آج ایک

درجہ اول کے ہوٹل کا مالک ہوتا۔ لیکن آج میں صرف ایک قزاق ہوں

بے خانماں ہوں۔ حامدہ میرے لئے کیا ہے؟ میرے جذبات کی ترجمانی

حافظ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے خود حامدہ پر چند اشعار لکھے ہیں۔ وہ میں

آپ کو پڑھ کر سنا تا ہوں۔ ادبی نقطہ نظر سے ان کی کوئی قدر و قیمت ہو یا

نہو لیکن وہ میرے احساسات کے صحیح ترجمان ہیں دہوٹلی کے پلوں کی

ایک گڈی نکالتا ہے جن پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ آگ پر جھک کر بڑھنے کی کوشش

کرتا ہے۔ روشنی تیز کرنے کیلئے آگ میں اور لکڑیاں ڈالتا ہے)

پرویز۔ (اس کے کندھے پر تھپکی دیکر) صدر صاحب! انہیں نذر آتش کر دیجئے۔

سکندر خاں۔ (رجران ہو کر) ایس!

پرویز۔ آپ صرف ایک چیز کے خط میں اپنی ساری زندگی برباد کر رہے ہیں۔

سکندر خاں۔ میں جانتا ہوں۔

پرویز۔ جی نہیں! آپ نہیں جانتے۔ کوئی شخص خود پر ظلم کرے گا اگر اُسے

معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ فطرت کے ان کیف

آفریں مناظر سے لطف اندوز ہونیکے بعد بھی آپ کو شہر کے کوچہ و بازار

کیوں یاد آتے ہیں۔

۱۴۶
 سکندر خاں - فطرت کے مناظر اسی وقت تک کیف آفریں میں جب تک
 چشم تماشا ان کی عادی نہ ہو۔ اس کے بعد وریا پہاڑ بھی اسی قدر بے کیف
 ہو جاتے ہیں جتنے شہر کے کوچہ و بازار ہیں اس کے علاوہ ان پہاڑوں
 کو دیکھ کر رات کو حسین و جمیل عورتیں خواب میں نظر آتی ہیں سیاہ زلفوں
 والی حسین عورتیں۔

پرویز - لیکن مجھے یقین ہے کہ عورتیں میرے خواب میں نہیں آئیں گی۔
 میں بے دل ہوں

سکندر خاں - ہم بھی دیکھیں گے صبح کو پوچھینگے آپ سے خوابوں کے
 نقطہ نظر سے یہ عجیب و غریب سرزمین ہے۔

پرویز - (بجھاد دیکھا جائے گاشب بخیر) بیٹ جاتا ہے اور سونکی کوشش کرتا ہے
 سکندر خاں ایک آہ بھر کر پرویز کی طرح سونے کی کوشش کرتا ہے تھوڑی
 دیر کیلئے بالکل خاموشی چھا جاتی ہے۔ سکندر خاں لیکا ایک اٹھتا ہے
 اور پرویز سے بہت معذرت کے ساتھ کہتا ہے)

سکندر خاں - اس سے پہلے کہ آپ سو جائیں مجھے صرف چند اشعار
 سنائیگی اجازت دیجئے۔ میں اُن پر آپ کی رائے جانا چاہتا ہوں۔

پرویز - (اونگھتے ہوئے) پڑھئے میں سن رہا ہوں

سکندر خاں - میں نے دیکھا تھا تمہیں عید کے دن حامدہ اے حامدہ !
 پرویز - صدر صاحب ! حامدہ تو بڑا اچھا نام ہے لیکن اس کا قافیہ
 عید کے دن سے نہیں ملتا۔

۱۴۷
سکندر خاں - ٹھیک! لیکن حامدہ روایف نہیں ہے۔ ترجیع بند کا ٹیپ
کا مصرع ہے۔

پرویز - اوہ۔ ٹیپ کا مصرع۔ معاف کیجئے گا اچھا آگے چلئے۔
سکندر خاں - شاید وہ آپ کو پسند نہیں آیا۔ اچھا اسے سنئے شاید یہ
اس سے بہتر ہوگا۔ (آہستہ آہستہ ترخم سے پڑھتا ہے)
ہے مجھے تم سے محبت حامدہ۔ ۵۔ حامدہ ہے مجھ کو تم سے عشق بھی
پرویز - واہ وا! کیا خوب مطلع فرمایا ہے آپ نے۔

سکندر خاں - آداب عرض کرتا ہوں۔ غنایت ہے آپ کی عرض کیا ہے۔
حامدہ کا لفظ سر سے پاؤں تک ۵۔ راگنی مجھ کو نادیلا ہو گیا دس کی
ہے سکندر خاں تمہارے عشق میں ۵۔ اور اسے کچھ فکر دنیا کی نہیں
حامدہ تم پر سکندر خاں فدا ۵۔ دیکھ لو اس کی بھی جانب تم کبھی
(متاثر ہو کر) حامدہ کا نام ہی شاعری کی جان ہے۔ ہے نا؟

پرویز - دینم خوابی کی حالت میں ایک ہمارے سے جواب دیدیتا ہے)
سکندر خاں - تم اگر ہوتیں مری درد آشنا
کیا مزے سے یہ گذرتی زندگی

بھول جاتا میں یہ سب رنج و امل
گر سکندر خاں کو ملتی حامدی

حامدہ "کو میں پیار سے حامدی کہا کرتا تھا۔ آہ حامدی! حامدی! حامدی!
یہ ہے سچی شاعری! دل کی آواز۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آہ!

۴۸
کیا آپ سمجھتے ہیں اس کا اُس پر کچھ اثر نہ ہو گا۔

(جواب ندارد)

سکندر خاں - (چڑکر) سو گئے گھوڑے بیچ کر! لعنت ہے اس دنیا پر۔ خدا مجھے محبت کی موسیقی میں سرشار رکھے۔ میں بھی احمق ہوں جو اپنا درد دل سب کو سناتا پھرتا ہوں۔

ع۔ کسی کو دے کے دل کوئی نوا بیچ قفاں کیوں ہو!
(لیٹ جاتا ہے اور سونے کی کوشش کرتا ہے۔ آہستہ آواز میں)
حامدہ - تجھے تم سے محبت ہے۔ تم سے محبت ہے حامدہ۔
حامدہ - حامدہ - جاؤں مجھے۔

(مقصود خراٹے لیتا ہے اور کروٹ لے کر سو جاتا ہے۔ بنگش پر خاموشی چھا جاتی ہے۔ اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے۔ آگ بجھ چکی ہے۔ تاروں بھری رات میں پہاڑوں کی چوٹیاں نہایت تاریک اور خوفناک اٹھانی دیتی ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ تاروں کی روشنی مدھم ہو جاتی ہے اور وہ غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بھی غائب ہو گیا۔ بنگش کی سرزمین بھی غائب ہو گئی۔ نہ آسمان ہے۔ نہ چوٹیاں۔ نہ روشنی نہ کوئی آواز۔ نہ زمان نہ مکاں۔ کچھ بھی نہیں بلکہ خلا رہ جاتا ہے۔ دور۔ ایک زردی سی دکھائی دیتی ہے۔ اور مختلف سازوں کی کچھ مدھم۔ لیکن ہیب آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ان مدھم آوازوں میں دو نہایت بھاری آواز کے سازوں

کی پنجم کے سروں میں بجنے کی آواز آتی ہے۔ خلا میں ایک آدمی نمودار ہوتا ہے۔ اس انسان کا جسم نہیں ہے لیکن پھر بھی انسان دکھائی دیتا ہے۔ وہ بیٹھا ہوا ہے لیکن کسی چیز پر نہیں۔ بس یوں ہی ہوا میں معلق۔ موسیقی کی آواز سن کر وہ تھوڑی دیر کیلئے اپنا سر اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد ایک آہ سرد بھر کر انتہائی غم و اندوہ کی حالت میں سر جھکا لیتا ہے آہستہ آہستہ سازوں کی آواز بھی مدھم ٹپ جاتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ بالکل خاموشی چھا جاتی ہے۔ یہ کچھ عجیب سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس آدمی کے بشرے اور وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایرانی شاعر ہے۔ ارے ہاں۔ یہ تو عمر خیام ہے۔ لیکن یہاں کیسے؟ کیوں؟ کس طرح؟ اور اس کے علاوہ اسکے چہرے کی شہادت کچھ پرویز سے بھی ملتی ہے۔ پرویز کی طرح و جہیہ بانکا اور چھیل چھبیل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پرویز سا جوش و خروش نہیں۔ اور نہ وہ امیرانہ تکلفات ہیں۔ لیکن پھر بھی بتا بنایا پرویز ہے۔ یا الہی ہم بیسویں صدی کی سرزمین ہندوستان کی سرحد سے یہاں کہاں پہنچے ہیں۔ خلا میں ایک اور زرد روشنی دکھائی دیتی ہے۔ کچھ دھوانسی سی۔ اس کے ساتھ ایک نفیری کی ہمیب آواز آتی ہے جیسے دیس راگنی کی کوئی دھن ہے۔ جس سے حسرت کا اظہار ہوتا ہے زرد روشنی ملتی ہے اس میں ایک بڑھیا ادھر ادھر پھرتی نظر آتی ہے مگر جھکی ہوئی اور منہ پو پلا۔ بدن پر کچھ مذہبی طرز کا لباس پہن رکھا ہے

ادھر ادھر گھرائی پھرتی رہتی ہے۔ جیسے ایک بھڑبھنجاتی پھرتی ہے۔ آخر کار بڑھیا اس انسان کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیتی ہے اور اس سے مخاطب ہوتی ہے۔ اس کی آوازیں اب کوئی کشش باقی نہیں البتہ تمکنت اور استقلال باقی ہے اور حزن و ملال بھی۔ بڑھیا۔ معاف کیجئے گا۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ اور یہ مقام بڑا خوفناک ہے۔ خیام۔ تو آپ نو وارد ہیں۔

بڑھیا۔ جی ہاں! شاید میرا آج صبح ہی انتقال ہوا تھا۔ میں نے مرنے سے قبل تو بے استغفار کر لی تھی۔ میرے آخری لحات بڑی اچھی طرح گذرے۔ میرے بستر مرگ کے گرد میرے سب عزیز واقربا جمع تھے۔ (اس کے بعد اندھیرا ہو گیا اور جب دوبارہ روشنی ہوئی وہ یہاں روشنی ہے جس میں اب پھر رہی ہوں میں گھنٹوں پھرتی رہی ہوں۔ خیام۔ (آہ بھر کر) اوہ! ابھی تک وقت کا تصور آپ کے ذہن سے نہیں گیا۔ اس بقائے دوام میں انسان وقت کے تصور سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ بڑھیا۔ ہم ہیں کہاں۔

خیام۔ جہنم میں۔ بڑھیا۔ (اگر طے) جہنم میں اور جہنم میں؟ آپ نے یہ کیسے کہا؟ خیام۔ (متاثر ہوئے بغیر) کیوں محترمہ! آپ جہنم میں کیوں نہیں ہو سکتیں بڑھیا۔ آپ کو معلوم نہیں آپ کس سے بات کر رہے ہیں۔ میں نے ساری عمر زہد و تقویٰ میں بسر کی تھی۔

خیام - مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

بڑھیا - تو پھر میں جہنم میں کس طرح بھیجی جاسکتی ہوں۔ یہ شاید اعتراف ہوگا۔ غالباً میں درجہ کمال کو نہ پہنچ سکی تھی۔ لیکن عبادت کے درجہ کمال کو کون پہنچ سکتا ہے؟ لیکن جہنم؟ اوہ! نہیں آپ غلط کہہ رہے ہیں خیام۔ جہنم! محترمہ میں یقین دلاتا ہوں۔ یہ جہنم کا بہترین حصہ ہے۔ کیونکہ یہاں ذرا تنہائی ہے۔ لیکن غالباً آپ تو شاید تنہائی پسند نہ کریں۔ بڑھیا۔ لیکن میں نے تو صدق دل سے گناہوں کا اعتراف کیا تھا اور توبہ استغفار کی تھی۔

خیام۔ کتنے گناہوں سے؟

بڑھیا۔ جتنے گناہ کئے تھے ان سے بھی زیادہ گناہوں سے مجھے توبہ استغفار کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

خیام۔ ناکردہ گناہوں سے توبہ کرنا اتنا ہی بُرا ہے جتنا کردہ گناہوں سے توبہ نہ کرنا بہر حال محترمہ ارادتنا یا سہواً اب تو آپ میری طرح عذاب نازل کر ہی دیا گیا ہے۔ اور اب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ع۔ رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے۔

بڑھیا۔ (غصہ سے) اوہ! اس سے تو اچھا تھا کہ میں اور زیادہ گناہ کرتی میسر سب نیک کام بیکار گئے۔ یہ سخت نا انصافی ہے۔

خیام۔ نہیں آپ کو پہلے ہی سے تنبیہ کر دی گئی تھی۔ برے کاموں کے لئے کفارہ موجود ہے۔ یعنی انصاف کی بجائے رحم۔ اچھے کاموں کیلئے

۱۵۲
رحم کی بجائے انصاف۔ آپ گجرائیں نہیں ہمارے ہاں بہت سے اچھے
اچھے آدمی بھی ہیں۔

بڑھیا۔ کیا تم اچھے آدمی تھے۔

خیام۔ میں ایک خونی تھا۔

بڑھیا۔ خونی! مجھے خونیوں میں رہنے کیلئے بھیج دیا گیا میں اتنی بھی بڑی
نہیں تھی میں تو ایک اچھی عورت تھی میرے معاملے میں کوئی غلطی ضرور
ہوئی ہے۔ اس غلطی کی اصلاح کہاں ہو سکتی ہے؟

خیام۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہاں غلطیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ غلطی ہوئی
بھی ہے تو یہاں کوئی ماننے کا نہیں۔

بڑھیا۔ لیکن میں اس کے متعلق کس سے پوچھوں؟

خیام۔ شیطان سے پوچھے محترم! اس مقام کے حالات سے وہ خوب واقف ہے

بڑھیا۔ شیطان سے!! تو میں شیطان سے بات کروں!!

خیام۔ محترم! جہنم میں شیطان سوسائٹی کا سب سے معزز شخص ہوتا ہے

بڑھیا۔ مجھے یقین ہے کہ میں جہنم میں نہیں ہوں

خیام۔ کیوں؟

بڑھیا۔ کیونکہ میں عذاب کی تکالیف محسوس نہیں کرتی

خیام۔ اوہ! تب تو کسی سے غلطی نہیں ہوئی ہے۔ آپ کو جان پوچھ کر

جہنم واصل کیا گیا ہے

بڑھیا۔ وہ کیسے؟

۱۵۳
 خیام - کیونکہ محترمہ! جہنم گنہگاروں کی جگہ ہے۔ گنہگار یہاں آرام سے
 رہتے ہیں یہ ان ہی کیلئے تو بنایا گیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ آپ کو کوئی
 درد و تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ میں اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ آپ
 اُن افراد میں سے ہیں جن کے لئے جہنم بنایا گیا۔

بڑھیا۔ کیا تمہیں بھی تکلیف نہیں ہوتی۔

خیام۔ میں گنہگاروں میں سے نہیں تھا۔ اس لئے میں جہنم میں بے حد

معصیت میں ہوں۔ حد سے زیادہ آفت میں بس کچھ نہ پوچھے!

بڑھیا۔ آپ گنہگاروں میں سے نہیں تھے۔ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ نے نی تھے۔

خیام۔ بس ایک صاحب سے دو دو ہاتھ ہو گئے تھے۔ میں نے اُس پر فرقت
 کے تلوار بھونک دی کیونکہ وہ مجھے تلوار سے قتل کرنا چاہتا تھا۔

بڑھیا۔ اگر آپ واقعی ایک شریف آدمی تھے تو جو کچھ آپ نے کیا اسے خون
 تو نہیں کہا جاسکتا۔

خیام۔ اس بڈھے نے کہا کہ میں نے اس کا خون کیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ

جب وہ اپنی بیٹی کی عصمت بچا رہا تھا تو میں نے اسے قتل کیا۔ عصمت

بچانے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے اس کی بیٹی پر عاشق ہو جانے کی

حماقت کی تھی۔ میں نے اس پر اپنے عشق کا اظہار کیا اور اس نے چیخا

شروع کر دیا بڈھے نے سن لیا اور پہلے تو مجھے گالیاں دیں پھر قتل

کرنے کی کوشش کی۔

بڑھیا۔ آپ بھی اور مردوں کی طرح عیاش اور خونی تھے۔ آپ مردوں

سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ سب !!!
 خیام - اور اس کے باوجود ہم یہاں آکر مل گئے ہیں۔ محترمہ !!!
 بڑھیا - بات سنئے میرے والد کو بھی ایک آپ ہی جیسے ظالم نے قتل
 کیا تھا۔ ایسے ہی دونوں کی لڑائی ہوئی تھی اور وجہ بھی یہی تھی۔ میں
 نے چیخا شروع کر دیا کیونکہ یہ میرا فرض تھا۔ میرے والد نے اس پر
 تلوار کھینچ لی۔ ان کی عزت آبرو کے پاس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور
 کیا۔ چنانچہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ تھا آبرو بچانے کا انعام اور میں یہاں
 جہنم میں ہوں یہ ہے ادائی فرض کا انعام۔ کیا عالم بالائیں ہی انصاف
 ہوتا ہے۔

خیام - عالم بالائیں تو ہمیں البتہ جہنم میں انصاف ضرور ہوتا ہے۔ عالم
 بالایا جنت ہم جیسے تن آسان لوگوں سے بہت اونچائی پر ہے۔ محترمہ!
 جہنم میں آپکا گرم جوشی سے خیر مقدم ہوگا۔ جہنم آبرو۔ فرض۔ عدل
 اور باقی فضائل سب کا گھر ہے۔ دنیا میں تمام گناہ ان ہی فضائل کے
 نام پر کئے جاتے ہیں۔ تو ان کی جزا کیلئے بھی جہنم سے بہتر کون مقام
 ہو سکتا ہے۔ کیا میں نے آپ سے ہمیں کہا اصل میں معتب لوگ وہی
 ہیں جو جہنم میں خوش نہیں ہے۔

بڑھیا - کیا تم یہاں خوش ہو۔
 خیام - (پھل کر) نہیں۔ یہی تو وہ گتھی ہے جسے میں اندھیرے میں سٹیکر
 سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ میں یہاں کیونکر بھیج دیا گیا۔ میں —

جو کبھی کوئی قرض ادا نہیں کرتا تھا۔ عزت کو اپنے پاؤں کے نیچے |
روندھتا تھا۔ عدل و انصاف کا مضحکہ اڑاتا تھا۔

بڑھیا۔ ارے مجھے اس سے مطلب نہیں کہ تم یہاں کیوں بھیجے گئے۔ سوال
یہ ہے کہ میں یہاں کیوں ہوں؟ میں — جس نے اپنے تمام اربانوں
تتمناؤں کو نوانی عزت اور اخلاق پر قربان کر دیا۔

خیام۔ صبر کیجئے خاتون! آپ یہاں خوش رہیں گی اور اسے اپنا گھر سمجھیں گی۔
بڑھیا۔ خوش رہوں۔ جہاں میری یہ ذلت ہو رہی ہے میری کوئی حقیقت نہیں۔
خیام۔ نہیں بالکل نہیں۔ آپ ایک معزز خاتون ہیں اور معزز خاتون جہاں
کہیں بھی ہوں گی وہ جہنم ہو گا۔ آپ حیران نہ ہو جائیں۔ گھبرائیے مت
آپ کو یہاں وہ سب کچھ مل جائیگا جس کی معزز خاتونوں کو ضرورت
ہوتی۔ مثلاً شیطان۔ جو آپ کے خادم ہوں گے اور دل لگا کر آپ کی
خدمت کریں گے اور خوشامد کر کے آپ کو آسمان پر چڑھائیں گے۔
بڑھیا۔ تو میرے نوکر شیطان ہوں گے۔

خیام۔ کیا آپ نے کوئی ایسا نوکر بھی رکھا جو شیطان نہ ہو۔
بڑھیا۔ نہیں۔ وہ سب شیطان تھے۔ لیکن یہ تو صرف ایک کہنے کا طریقہ
ہے۔ میں نے سمجھا کہ تم کہہ رہے ہو یہاں سچ چ کے شیطان میرے
نوکر ہوں گے۔

خیام۔ وہ اتنے ہی سچ چ کے شیطان ہوں گے جتنی کہ آپ سچ چ کی
خاتون ہیں۔ یہاں کوئی چیز سچ چ کی نہیں ہے۔ یہی تو عذاب ہے جو لگایا ہے

بڑھیا۔ ارے یہ سب جنون ہے یا گل پن ہے
 خیام۔ لیکن آپ کے لئے آنسو پونچھنے کا کچھ سامان موجود ہے۔ مثلاً جب
 اپنے وقت لئے ابدیت میں قدم رکھا تو اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟
 بڑھیا۔ نہ کہیے کہ میری کتنی عمر تھی گو یا یہاں آئے ہوئے بہت عرصہ
 ہو گیا میں ستہتر سال کی ہوں۔

خیام۔ کافی عمر ہے۔ محترمہ! لیکن جہنم میں زیادہ عمر اچھی نظروں سے
 نہیں دیکھی جاتی۔ عمر ایک سحیح کی چیز ہے۔ ایک حقیقت ہے۔
 یہاں ہم حسن و عشق کی پرستش کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری روحانی
 صلاحیتیں ماؤف ہو چکی ہیں اس لئے ہم اپنے دل میں بالیدگی پیدا
 کرنے میں ۷۷ سال کی خاتون کی حیثیت سے تو آپ یہاں ایک دست
 بھی پیدا کر سکیں گی۔

بڑھیا۔ تو میں اپنی عمر کو کیا کروں جناب!
 خیام۔ ”زمان و مکان“ کی دنیا میں جو آپ کی عمر تھی آپ اسے بھول جائے
 آپ چاہے ۷۷ سال کی ہوں سات سال کی سترہ سال کی ہوں یا تیس سال
 سال کی سب ایک ہی بات ہے۔

بڑھیا۔ مہمل!
 خیام۔ محترمہ غور فرمائیے۔ کیا دنیا میں بھی ایسا ہی نہیں تھا۔ جب آپ کی
 عمر ستر سال کی تھی تو اپنے چہرے کی جھریوں اور سفید بالوں کے نیچے
 کیا آپ اپنے آپ کو تین سال کی عورت محسوس نہیں کرتی تھیں۔

۱۵۷
 بڑھیا۔ نہیں اس سے بھی کم۔ تیس سال کی عمر میں تو میں بیوقوف عورت
 تھی لیکن اس سے کیا فائدہ کہ انسان جوانی محسوس کرے اور صورت
 شکل سے بوڑھا دکھائی دے۔

خیام۔ محترمہ! شکل و صورت محض سراب تھا۔ آپ کے چہرے کی جھریاں
 آپ کی عمر کے متعلق اسی قدر غلط بیانی کرتی تھیں جتنی کہ سترہ سال کی
 لڑکیوں کی چمکی چمکی چڑی دیکھ کر ان کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔
 یہاں صورت شکل جسم کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم ایک دوسرے جسم ہی
 کے روپ میں دیکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم زندہ تھے ہم
 انسان کی شخصیت کے اسی پہلو پر زیادہ غور کرنے کے عادی تھے۔
 اسی لئے ابھی تک وہ عادت باقی ہے اور آپ فرما رہی ہیں کہ میں
 شکل صورت سے بڑھیا دکھائی دے گی۔ یہاں ہم جتنی عمر کے چارہیں کھا
 دے سکتے۔ آپ صرف خواہش کیجئے کہ آپ اس عمر کی دکھائی دیں۔ آپ
 اسی عمر کی دکھائی دینے لگیں گی۔

بڑھیا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

خیام۔ آزما کر دیکھ لیجئے۔

بڑھیا۔ سولہ سال۔

خیام۔ ذرا ٹھہریئے اس سے پہلے کہ آپ فیصلہ کریں میں ایک بات
 آپ کو بتاؤں۔ سب برس پندرہ یا سولہ سال۔ زندگی کا حین ترین
 دور سمجھا جاتا تھا۔ اب لوگوں نے اپنا نظریہ تبدیل کر لیا ہے۔ اب جتنی

۴۰ یا ۳۰ سال کی عمر کو پسند کیا جاتا ہے لیکن یہ نظریہ بھی مجھے تبدیل ہوتا نظر آتا ہے۔ اگر آپ ۲۰ سال کی عمر میں بھی خوبصورت تھیں تو میں کہوں گا کہ اس عمر کو منتخب کر کے آپ ایک نئے نظریے کی بنیاد ڈالیں بڑھیا۔ مجھے تمہاری ایک بات کا بھی یقین نہیں آتا خیر چلو ۲۰ سال سہی دارے!! بڑھیا ایک جوان عورت بن جاتی ہے۔ نہایت خوش وضع اور خوش پوش! صورت میں پرویس سے کس قدر ملتی ہے۔ بس اس کو اٹھاؤ اس کو بٹھاؤ!!

خیام - پروینا شیریں صاحبہ -

پروینا - ارے؟ کیا آپ میرا نام جانتے ہیں؟

خیام - اور آپ ہمیں بھول گئیں!

پروینا - مجھے آپ کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا (اس کے سر پر سے ٹوپی اٹھاتی ہے) ارے! پرویز خیام - بد محاش! تو نے میرے باپ کو قتل کیا یہاں بھی تو میرا پیچھا کر رہا ہے۔

خیام - جی نہیں مجھے اس سے اختلاف ہے۔ میں آپ کا پیچھا نہیں کر رہا ہوں بہت اچھا میں جاتا ہوں (اٹھ کر چلتا ہے)

پروینا - (اس کا بازو پکڑتے ہوئے) آپ اس خوفناک مقام میں مجھے تنہا مت چھوڑے۔

خیام - بشرطیکہ میرا یہاں ٹھہرنا پیچھا کرنے پر محمول نہ کیا جائے۔

پروینا - (اس کا بازو چھوڑتے ہوئے) ہمیں حیرت تو ہوگی کہ میں یہاں

تمہاری موجودگی کو کس طرح برداشت کر رہی ہوں۔ ہا میرے مرحوم ابا! خیا م۔ کیا ابا سے ملو گی۔

پروینا۔ میسر ابا! اور یہاں !!!
خیام۔ نہیں وہ جنت میں ہیں۔

پروینا۔ میں جانتی تھی۔ میرے اچھے ابا! اب وہ ہیں حقارت سے دیکھتے ہوں گے۔ وہ اپنی بیٹی کو اس جگہ اور ایک کے قاتل سے باتیں کرتے ہوئے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔

خیام۔ ہاں! اگر ہماری ان کی ملاقات ہو۔

پروینا۔ ہم ان سے کس طرح مل سکتے ہیں۔ وہ تو جنت میں ہیں۔
خیام۔ کبھی کبھی وہ جنت سے اکتا جاتے ہیں تو ہم سے ملنے نیچے اتر آتے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر تم ان سے کہو گی کہ میں ان کا قاتل ہوں تو وہ بہت برا مانیں گے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کہیں وہ بہترین زن تھے اور اگر ان کا پاؤں نہ پھسلتا تو وہ مجھے مار ڈالتے۔ واقعی وہ سچ کہتے ہیں۔ میں ایک اچھا پیٹے باز نہیں تھا، مجھے ان کی رائے سے اختلاف نہیں اس لئے ہم آپس میں بڑے گہرے دوست ہیں۔

پروینا۔ ہتھیار چلانے میں ماہر ہونا ایک سیاسی کی توہین تو نہیں ہے؟
خیام۔ بہتر ہے تم ان سے نہ ملو۔

پروینا۔ کیوں۔

خیام۔ یہاں کے لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ تمہیں یاد ہو گا کہ جب ہم وہیں پر

۱۶۰
تھے۔ تو۔ چاہے ہم مائن یا نہ مائن کسی عزیز یا گھرے دوست کی
موت پر ایک اطمینان سا ہی محسوس ہوتا تھا کہ اچھا ہوا اس سے بچھا چھوٹا۔
پروینیا۔ بیہودہ کہیں کے۔ غلط کبھی نہیں۔

نجیام۔ (راطمینان سے) میں سمجھ سکتا ہوں کہ تمہیں خود اس حقیقت کا اھساں
ہے۔ ہاں! ایک جنازہ ہمیشہ ایک مژدہ سیاہ پوش معلوم ہوتا تھا۔ خاص
طور پر ایک رشتہ دار کا جنازہ! بہر حال خاندانی تعلقات یہاں باقی نہیں
رہتے۔ تمہارے والد خود اس کے عادی ہو گئے ہیں وہ تم سے کسی قسم
کی سعادت مندی اور عقیدت کی توقع نہیں رکھیں گے۔

پروینیا۔ غلط میں نے ساری عمران کا سوگ منایا۔
نجیام۔ ہاں تمہیں منانا چاہیے تھا۔ لیکن ساری عمر سوگ منانا اور بات
ہے اور تا ابد سوگ منانا اور بات ہے۔ اس کے علاوہ یہاں تم بھی
ایسی ہی مردہ ہو جیسے وہ۔ کیا اس سے زیادہ مضحکہ خیز کوئی اور بات
بھی ہو سکتی ہے کہ ایک مردہ دوسرے مردے کا سوگ منائے میری
پیاری پروینیا! چونکو انہیں۔ جہنم میں بہت سے فریب ہیں۔ رسیج تو
یہ ہے کہ فریب کے علاوہ یہاں کچھ ہے ہی نہیں، (البتہ موت۔ عمر۔ اور
تغیر کے فریبوں سے ہم نے نجات حاصل کر لی ہے کیونکہ یہاں ہم سب
مرے ہوئے ہیں اور ثقافتِ روم حاصل کر چکے ہیں۔ تم بھی کچھ دنوں
بعد اس کی عادی ہو جاؤ گی۔

پروینیا۔ اور کیا سب لوگ مجھے اپنی پیاری پروینیا کہا کریں گے۔

۱۶۱
خیام - نہیں معاف کرنا وہ تو میرے منہ سے غلطی سے نکل گیا تھا۔
پروینا - (پیارے) خیام! جب تم نے میرے ساتھ وہ نازیبا حرکت
کی تھی تو کیا واقعی تمہیں مجھ سے محبت تھی

خیام - (بے تاب ہو کر) اوہ! خدا کیلئے یہاں محبت کے قصے مت شروع
کرو۔ یہاں لوگ صرف محبت ہی کے متعلق باتیں کرتے رہتے ہیں، اس کے
تقدس - اس کی روحانیت اور خدا جاتے اس کی کس کس چیز کے متعلق
معاف کرنا۔ یہ باتیں سنتے سنتے میرے تو کان پک گئے ہیں یہ لوگ خود
نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں خوب سمجھتا ہوں۔ وہ سمجھتے
ہیں کہ انہوں نے محبت کی معراج حاصل کر لی ہے کیونکہ وہ جسم سے بے نیاز
ہو گئے ہیں۔ یہ محض ذہنی عیاشی ہے۔ جھوٹ!

پروینا - کیا موت نے بھی تمہاری روح کو پاکیزہ نہیں بنایا۔ کیا میرے
والد کے بت نے بھی تمہیں عبودیت نہیں سکھائی!

خیام - ہاں! وہ خوبصورت سائت کیسا ہے۔ کیا اب بھی غنڈے اس کے
گرد جمع ہوتے ہیں!

پروینا - وہ تو میرے لئے ایک مصیبت بن گیا تھا۔ سکول کے لوندے اسے
اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ شہریرہ کے اسے توڑتے تھے اور پڑھنے والے
رٹکے اس پر اپنا نام لکھتے تھے۔ دو سال میں تین نائیکس بدلنی پڑیں۔ اور
انگلیوں کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ آخر کار تنگ آکر میں نے اسے اس کے
حال پر چھوڑ دیا اب میرا خیال ہے وہ بہت کچھ ٹوٹ بھوٹ گیا ہوگا

میرے آبا پچارے!

خیام - مش ش !! ذرا سوتو ! (دور سے موسیقی کی آواز آتی ہے) تمہارے
آبا تشریف لاتے ہیں۔ بہتر ہے تم اس وقت ہٹ جاؤ۔ تاکہ میں ذرا
انہیں تیار کر لوں (پڑویں غایب ہو جاتی ہے خلا میں سے سفید رنگ مرمر
کا ایک بت نمودار ہوتا ہے۔ صورت رعب دار ہے۔ رفتار میں نزاکت
موجھیں تاؤ دی ہوئی ہیں۔ خیام ان سے بہت بے تکلف معلوم ہوتا ہے
آواز سے بالکل اردو شیر چٹائی معلوم ہوتا ہے۔ ویسے وضع قطع بھی
اردو شیر سے بہت ملتی ہے)

خیام - تو تشریف لے آئے خباب اب تم آتے وقت وہ راگ ہنیں
الایتے جس کی تم نے مشق کی تھی۔

ہمت - میرا نالہ پابند نے نہیں ہے۔ اچھا تم نے توبہ استغفار کی !
خیام - کما نذر شیر خاں^۱ مجھے تم سے محبت ہے اس لئے میں تو یہ کام نہیں
کرنا چاہتا۔ اگر میں توبہ کروں گا تو پھر تم جنت سے اتر کر مجھ سے
بحث کرنے نہیں آؤ گے۔

ہمت - اچھا بنے رہو ڈھیٹ! کاش میں تمہیں وہیں مار ڈالتا۔ افسوس
میرا پاؤں پھل گیا۔ تو پھر تمہارے بچانے میں جہنم میں آتا اور عزت
و شہرت کیلئے تمہارا بت بنا کر کھڑا کر دیا جاتا۔ کوئی تازی خبر؟
خیام - ہاں! تمہاری بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے۔

۱۔ اردو شیر کا جننی نام

بُت - (الجھن میں) میری بیٹی؟ (یاد کرتے ہوئے) ارے وہ جس کے ساتھ تم پکڑ گئے تھے کیا نام تھا اس کا۔

خیام - پروینا۔

بُت - ہاں۔ اچھی خاصی شکل صورت کی لڑکی تھی وہ۔ تم نے اس کے خاوند۔ کیا نام ہے اس کا۔ اس کو بھی تنبیہ کر دی ہے۔

خیام - میرا دوست کیخمرو۔ ہنیں جب سے پروینا آتی ہے میں نے اُسے دیکھا ہنیں۔ (پروینا غصے میں بھری ہوئی آتی ہے)

پروینا - کیا مطلب اس کا؟ کیخمرو یہاں ہے اور وہ ہے تمہارا دوست۔

اور اباجان! آپ میرا نام تک بھول گئے۔ آپ واقعی پتھر کے ہو گئے ہیں۔

بُت - میری پیاری بچی! اس پتھر کے جسم میں لوگ میری زیادہ عزت

کرتے ہیں۔ بہ نسبت میرے گوشت پوست کے جسم کے اور تم جانتی ہو جس بُت

تراش نے مجھے تراشا ہے وہ بھی تو اپنے وقت کا سب سے بڑا تراش تھا۔

پروینا - اباجان یہ خود بتی آپ میں کب سے آئی؟

بُت - اوہ! بات یہ ہے کہ تم میں خود بینی نہیں رہی کیونکہ اب تم تقریباً

اسی سال کی ہو گی۔ میرا انتقال چونتیس برس کی عمر میں ہوا تھا۔ اور اس

نئے میں تم سے چھوٹا ہوں۔ اس کے علاوہ میری بچی اس جگہ آکر بقول ہمارے

آزاد خیال دوستوں کے بزرگانہ اور پدرانہ عقل و خرد سب ختم ہو جاتی

ہے۔ تم مجھے اپنے جیسا ایک فرد سمجھو نہ کہ باپ!

۱۰۔ کیتھارڈ کا جہنمی نام۔

پروینیا۔ آپ بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے یہ بد معاش کرتا ہے۔
بُت۔ خیام ایک پکا مفکر ہے۔ کچا پٹے باز ہے۔ لیکن پکا مفکر ہے
پروینیا۔ میں اب سمجھتی جا رہی ہوں۔ یہ شیطان ہیں جو مجھے چڑا رہے ہیں
میں دعا مانگتی ہوں۔

بُت۔ (اُسے تسلی دیتے ہوئے) نہیں نہیں۔ میری بچی دعا مت مانگو۔
اگر تم دعا مانگو گی تو تم اس مقام کی مفید مراعات سے محروم ہو جاؤ گی۔
اس جگہ کے دروازہ پر یہ الفاظ لکھے ہیں: ”یہاں داخل ہونے والو!
سب اُمیدیں باہر چھوڑ جاؤ“ ذرا سوچو تو ان الفاظ کے کس قدر اطمینان
وسکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ آخر اُمید کیا ہے؟ ”اخلاقی فرض“ کی ایک
قسم۔ یہاں نہ اُمید ہے نہ فرض، ناکام نہ کاج۔ دعا کرنے سے کچھ فائدہ
نہیں ہو سکتا۔ اور اپنی من مانی کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔
مختصر یہ کہ جہنم ایک ایسی جگہ ہے جہاں مزے کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں
کرنا پڑتا (خیام آہ بھرتا ہے) کیوں دوست آہیں بھرتے ہو! اگر تم میری
طرح جنت میں رہتے ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ تم کتنے فائدہ میں ہو۔
خیام۔ آج تو بڑے زوروں پر ہو کما آزار! بڑے پتے کی باتیں کر رہے ہو۔
بات کیا ہے؟

بُت۔ میں نے ایک نہایت اہم فیصلہ کیا ہے دوست! لیکن پہلے یہ تو
بتاؤ ہمارا دوست شیطان کہاں ہے۔ پہلے میں اس سے مشورہ کروں۔ اور

لے یہ الفاظ دانتے نے اپنی شہر آفاق مشیل طنزیہ عالم بالا (DIVINE COWEDY) میں لکھے ہیں

اور پروینا بھی اس سے ملاقات کرے گی۔

پروینا۔ آپ میرے لئے کی عذاب کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔
 خیام۔ یہ سب وہم ہے۔ پروینا یاد رکھو شیطان اتنا بُرا نہیں جتنا اسے
 سمجھا جاتا ہے۔ بد اچھا بد نام بُرا۔

بیت۔ تو بلائیں اُسے؟

(بیت کے ہاتھ ہلانے پر نغمہ پھر بلند ہوتا ہے۔ قرمزی رنگ کی روشنی
 پیدا ہوتی ہے۔ اور اس میں سے شیطان نمودار ہوتا ہے چہرے ہرے
 میں کچھ سکندر خان سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن اتنا دلچسپ نہیں)
 سکندر خاں۔ عمر سیدہ معلوم ہوتا ہے۔ سر گنجا ہوتا جا رہا ہے طبیعت
 حساس ہے بشرے سے تن پرور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چالاک اور
 ظاہر دار ہے)

شیطان۔ (گر مجبوشی سے) کیا مجھے کماندار شیر خاں کی خدمت میں پھر حاضر
 ہونیکا شریف حاصل ہو رہا ہے۔ (سرد مہری سے) خیام صاحب!
 آپکا خادم (لجاحت سے) آپ ایک نئی خاتون؟ آداب بجا لاتا ہوں مگر
 پروینا۔ کیا آپ۔

شیطان۔ (سرد جھکاتے ہوئے) ابلیس آپکی خدمت میں حاضر ہے۔
 پروینا۔ میں پاگل ہو جاؤنگی!

شیطان۔ (جوش میں آکر) محترمہ! گھبرائیے نہیں۔ جب آپ لوگ زمین
 سے یہاں آتے ہیں تو اُس کٹ ملاؤں کی بستی کی تمام عصیت اپنے

۱۶۶
ساتھ لاتے ہیں۔ آپ میری برائی بہت سُنی ہوگی لیکن یقین مانئے
وہاں میرے بہت سے دوست ہیں۔

پروینیا۔ جی ہاں آپ اُن کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں
شیطان۔ (سر ہلاتے ہوئے) آپ مجھے بنا رہی ہیں۔ لیکن محترمہ آپ غلطی
پر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میرے بغیر نہیں چل سکتی لیکن اس کے
باوجود دنیا میرا احسان نہیں مانتی۔ دنیا والے اپنے دل میں مجھ پر بھروسہ
نہیں کرتے اور نفرت کرتے ہیں۔ دنیا کی ہمدردی آلام و مصائبِ افلاس
ذہنی اور جسمانی فاقہ کشی کے ساتھ ہیں۔ میں دنیا والوں سے کہتا ہوں کہ
محبت، سہرت اور حسن و غیرہ کی قدر کرو۔

خیام۔ (تنگ آکر) معاف کیجئے گا میں جانتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں مجھ سے
جھک جھک برداشت نہیں ہوتی۔

شیطان۔ (غصہ سے) جی ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ میرے دوست نہیں ہیں۔
سُبت۔ وہ تمہارا کیا لگاڑ رہے ہیں۔ خیام میں سمجھتا ہوں وہ بڑے کام کی
باتیں کر رہے تھے جب تم نے قطع کلام کیا۔

شیطان۔ (بت کا ہاتھ سیلاتے ہوئے) شکریہ دوست! آپ نے مجھے
ہمیشہ صحیح سمجھا ہے۔ اور یہ مجھ سے ہمیشہ کُراتے رہے اور مجھے
بدنام کرتے رہے۔

خیام۔ میں آپ کے ساتھ ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آیا۔
شیطان۔ خوش خلقی! خوش خلقی کیا چیز ہے؟ میں محض خوش خلقی کو کوئی

اہمیت نہیں دیتا مجھے صفاً قلب چاہیئے۔ خلوص چاہیئے۔ ہمدردی چاہیئے۔ محبت اور مسرت کا بندھن چاہیئے۔

خیام۔ آپ میرا مغز چاٹ رہے ہیں۔

شیطان۔ یہ لیجئے! (بت کو متوجہ کرتے ہوئے) سینے میں جناب والا! یہ میری کیا بد قسمتی تھی کہ یہ خشک اور خود غرض شخص میری مملکت میں پھینک دیا گیا۔ اور آپ کو آسمان کے اس بے کیف حصے میں بھیج دیا گیا جہ جنت کہتے ہیں۔

بت۔ مجھے شکایت نہیں۔ میں مکار تھا۔ اور میری یہی سزا تھی کہ مجھے جنت میں بھیج دیا جائے۔

شیطان۔ آپ ہم میں کیوں شامل نہیں ہوتے۔ اور اس خطہ کو کیوں ترک نہیں کر دیتے جو آپ کی مذاق کے مطابق نہیں۔ آپ کے قلب کی گرمی اس کے لئے موزوں نہیں۔ آپ کی طبع کی رنگینی کیلئے وہ مقام تنگ اور ناکافی ہے۔

بت۔ میں نے آج ہی فیصلہ کیا ہے۔ آئندہ سے۔ اے ابن السحر۔ میں آپکا ہوں۔ میں نے جنت کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کر دیا۔

شیطان۔ (بت کے ہاتھ کو چھوتے ہوئے) عزت افزائی کا شکریہ۔ ہمارا مقصد کی کامیابی کا ثبوت! شکریہ۔ شکریہ۔ اور اب میرے دوست۔ اب تو میں آپ کو دوست کہہ سکتا ہوں۔ کیا آپ ان صاحب کو آمادہ نہیں کر سکتے کہ یہ جنت میں آپ کی جگہ چلے جائیں۔

بُت - جس شخص کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات ہوں گے اُسے تو میں ہرگز یہ رے نہیں دوں گا کہ وہ وہاں جا کر بے مزہ اور بے چین زندگی گذارے۔

شیطان - ٹھیک ہے۔ لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ وہاں جا کر بے چین رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ آپ ان سے اچھی طرح واقف ہیں اور آپ ہی انہیں یہاں لائے تھے۔ اور یہیں ان سے بہت توقعات تھیں۔ ان کے خیالات ہمارے بہترین افراد کے خیالات سے ملتے تھے۔ آپ کو یاد ہو گا۔ انہوں نے کتنے اچھے گانے گائے تھے۔

شیطان - کیا آپ کو گانے کا شوق نہیں۔
 خیام - نہیں۔ لیکن ہاں۔ جہنم تو شوقین گانے والے سے بھرا ہوا ہے۔
 موسیقی تو جہنمیوں کی شراب ہے۔ کیا ایک جانِ حزیں کو اس سے اجتناب کرنے کی اجازت نہیں؟

شیطان - آپ نے فنونِ لطیفہ میں سے رفیع ترین فن کے متعلق بے ادبی کے کلمات کیسے کہے۔

خیام - (بے اعتنائی سے) آپ خواہ مخواہ چراغِ پا ہو رہے ہیں۔
 شیطان - میں چراغِ پا نہیں ہوں۔ مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔ آپ روح سے محروم ہیں۔ اور آپ میں سے احساسِ زیاں بھی جاتا رہا ہے۔
 ہاں تو کماندار صاحب! آپ تو فطرتاً موسیقار ہیں۔ کتنا اچھا گاتے ہیں آپ۔ اگر تلمسین یہاں ہوتے تو کتنے خوش ہوتے۔ لیکن وہ حقیرت

۱۶۹
یہاں سے جنت میں چلے گئے۔ کتنی تعجب کی بات ہے کہ یہ سمجھدار
لوگ جن کے متعلق ہمیں امید تھی کہ وہ یہاں ہر دلعزیزی حاصل کر سکیں گے
وہ سوسائٹی میں کس قدر ناکام ثابت ہوئے۔ مثال کے طور پر خیام صاحب۔
خیام۔ واقعی مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں سوسائٹی میں ناکام رہا۔

شیطان۔ ہمیں آپ کی فہم و فراست سے انکار نہیں ہے۔ لیکن میں اس مسئلہ
پر آپ کے ہی نقطہ نظر سے غور کرتا ہوں۔ یہ جگہ آپ کے لئے موزون نہیں
در اصل بات یہ ہے کہ آپ کے پاس۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ کے
پاس دل نہیں ہے۔ آپ کے نک چڑھے پن کے باوجود آپ کے پاس
ایک ہمدرد دل ہے۔

خیام۔ نہیں جناب نہیں
شیطان۔ (تک کر) یعنی آپ میں جہنم کی رنگینی سے لطف اندوز ہونے کی
صلاحیت نہیں ہے۔ اب تو ہو گیا آپ کو اطمینان!
خیام۔ یہ سب آپ کی سخن پروری ہے۔ اچھا تو اب میں تنہائی میں پناہ
لیتا ہوں۔

شیطان۔ آپ جنت میں پناہ کیوں نہیں لیتے۔ وہ آپ کیلئے مناسب مقام
ہے (پروینا سے) محترمہ کیا آپ ان صاحب کو تبدیل آب و ہوا پر
آمادہ نہیں کر سکتیں۔

پروینا۔ لیکن اگر وہ جنت میں جانا چاہیں تو کیا وہ جاسکتے ہیں۔
شیطان۔ انہیں روکنے والا کون ہے؟

یروینیا۔ کیا کوئی شخص۔ کیا میں بھی جنت میں جا سکتی ہوں اگر میں چاہوں؟
شیطان۔ (ذرا حقارت سے) ہاں ہاں۔ اگر آپ کا مزاج اسی قسم کا ہے۔

یروینیا۔ تو پھر ہر شخص جنت میں کیوں نہیں جاتا؟

بیت۔ (اسکراتے ہوئے) عزیزی! میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ
جنت ایک نہایت بے کیف اور سونی سی جگہ ہے۔

شیطان۔ خواب کماندار والا تبار نے اسے خوبی صاف گوئی کے ساتھ پیش
کر دیا۔ جنت میں رہنے سے انسان اکتا جاتا ہے اور اس کے بعد جنت
میں رہنا ناقابل برداشت حد تک وبال جان بن جاتا ہے۔ عام خیال
ہے کہ مجھے وہاں سے نکالا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی مجھے وہاں
رہنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے وہ جگہ چھوڑی اور یہ جگہ آباد کی۔
بیت۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ کوئی شخص بھی ہمیشہ جنت میں رہنا
برداشت نہیں کر سکتا۔

شیطان۔ نہیں کماندار۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کیلئے جنت موزوں
ہے یہ بہت کچھ مزاج اور افتادِ طبع پر منحصر ہے۔ مجھے جنتی مزاج
پسند نہیں۔ نہ میں اُسے سمجھتا ہوں نہ میں اُسے سمجھنا چاہتا ہوں۔
لیکن کائنات میں ہر قسم کی مخلوق ہے۔ بعض لوگ جنت ہی کو پسند
کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے خیام اُسے پسند کریں گے۔

خیام۔ لیکن۔ میری بے تکلفی معاف فرمائیے گا۔ اگر آپ چاہیں تو واپس
جنت میں جا سکتے ہیں۔ یا انگور کھٹے ہیں۔

شیطان - واپس ! - ہاں میں تو اکثر وہاں جاتا ہوں۔ کیا آپ نے مذہبی کتا میں نہیں پڑھیں کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ایسا فتویٰ موجود ہے جس کی رو سے ہمارے حلقے کو اس حلقے سے الگ کر دیا گیا ہو۔

یروینیا - لیکن ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے۔ شیطان - الفاظ پر نہ جائیے محترمہ ! فرق صرف ملکوتی اور اہلبی مزاج کا ہے۔ اس سے بڑی ناقابل عبور خلیج کیا ہو سکتی ہے۔ آپ غور فرمائیے کہ زمین پر آپ نے کیا دیکھا تھا۔ فلسفے کی درس گاہ اور سائنڈوں کی لڑائی کے اکھاڑے کے درمیان کوئی مادی خلیج حائل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود سائنڈوں کی لڑائی دیکھنے والے فلسفے کی درس گاہ کا کبھی رخ نہیں کرتے۔ کیا آپ اس ملک میں بھی تشریف لے گئی ہیں جہاں میر چیلے سب سے زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ میرا مطلب انگلستان سے ہے وہاں گھڑ دوڑ کے میدان بھی ہیں اور سرود گاہیں بھی۔ جہاں پکے راگ راگیناں گائی جاتی ہیں۔ جو لوگ گھڑ دوڑ دیکھنے جاتے ہیں وہ اگر چاہیں تو وہاں جانے کی بجائے پکے گانے کی محفلوں میں بیٹھ کر اپنے جمالیاتی ذوق کی پرورش کر سکتے ہیں۔ انہیں وہاں جانے سے کوئی تائون نہیں روک سکتا۔ کیونکہ انگریز کبھی غلام نہیں ہوں گے۔ حکومت اور رائے عامہ انہیں جو کام کرنے کی اجازت دے اسے کرنے میں کبھی نہ چوکنیگے ظاہر ہے کہ محفل موسیقی گھڑ دوڑ سے کہیں زیادہ شاعرانہ اور ذوق پرور جگہ ہے۔ لیکن کیا گھڑ دوڑ کے رسیا گھڑ دوڑ کے میدان کو ویران کر کے

۱۷۲
محفل موسیقی کو آباد کرتے ہیں؟ انہیں! گھڑ دوڑ کے شوقین گھڑ دوڑ
میں بیٹھے بیٹھے ایسے ہی اکتا جاتے ہیں اور ایسے ہی تنگ آ جاتے
ہیں جیسے کماندار صاحب جنت سے اکتا کر تنگ آ چکے ہیں۔ تو دنیا میں
مادی خلیجوں کو پاٹ دینا تو کچھ مشکل نہیں (دنیا میں بہت سی خلیجیں میری
ہی پانی ہوئی ہیں) لیکن نفرت کی خلیج کو پاٹنا ناممکن ہے۔ یہ ہمیشہ حامل
رہے گی۔ اور میرے دوستوں اور اُن نام نہاد بچنے ہوئے لوگوں میں
بھی خلیج حامل ہے۔

پروینا۔ میں فوراً جنت میں جانا چاہتی ہوں
ببت۔ میری بچی! میں تمہیں ایک چیز سے خبردار کر دیتا ہوں۔ میرے
دوست ابلیس صاحب نے جو سرود گاہ اور محفل موسیقی والی مثال دی
تھی میں اسے مکمل کئے دیتا ہوں۔ دنیا میں ایسی موسیقی کی محفلوں میں بہت
سے سننے والے ایسے ہوتے ہیں جو سنتے سنتے اکتا جاتے ہیں جو فن
موسیقی اور راگ راگنیوں کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ وہاں ڈٹے رہتے
ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں موسیقی کو پسند کرنا
چاہیئے۔ ایسے ہی جنت میں بعض لوگ بڑی آن بان سے جلوہ افروز
ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ وہاں خوش ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں
کہ جنت ہی اُن کے شایان شان ہے۔ ایسے لوگ تقریباً سب بگڑے ہیں
شیطان۔ اُن۔ دکھنی لوگ عموماً جنت کو خیر باد کہہ کر میرے ساتھ ہو جاتے
ہیں۔ جیسے آپ میرے ساتھی بن گئے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مصیبت زدہ

۱۷۳
 ہو نیکی باوجود بھی انگریز لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ برے حالوں میں ہیں
 انگریز بے چینی اور آفت ہی کو عین "اخلاق" سمجھتا ہے۔
 ت۔ محقر یہ کہ میری بی بی! اگر تم میں فطرتاً جنت میں جا نیکی اہلیت
 نہیں ہے اور اس کے باوجود تم جنت میں جاؤ گی تو تم جنت سے کوئی
 لطف نہ اٹھا سکو گی۔

پروینا۔ کس میں یہ کہنے کی ہمت ہے کہ مجھ میں جنت کی اہلیت نہیں ہے
 مذہب کے بڑے سے بڑے فضلاء نے کبھی اس میں شک نہیں کیا مجھے یہ
 جگہ چھوڑنی ہی پڑے گی۔

شیطان۔ (چڑکر) آپ کی مرضی محترمہ! مجھے آپ سے ایک بہتر مذاق
 کی توقع تھی۔

پروینا۔ آبا جان! آپ بھی میرے ساتھ چلے میں آپ کو یہاں نہیں رہنے دو گی
 لوگ کیا کہیں گے۔

بیت۔ لوگ؟ ارے۔ دنیا کے بہترین لوگ تو یہیں ہیں مذہبی علماء و فضلاء
 وغیرہ جنت میں تو اکا دکا کوئی چلا جاتا ہے۔ زیادہ تر تو یہیں آتے
 ہیں۔ اور وہ "بخنے ہوئے" لوگ جنہیں کسی زمانے میں جنت کے یکن
 کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے جنہیں کسی زمانے
 میں سادھو۔ ملا اور برگزیدہ ہستیاں کہا جاتا تھا انہیں آج کل غلطی۔
 مرقی۔ اور طفیلی کہا جاتا ہے۔

شیطان۔ سچ ہے۔ میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ تمام مخالفتوں اور سازشوں

کے باوجود میں رائے عامہ کے زور اور نبل پر آخر کار فتح حاصل کروں گا
کائنات کی بنیاد بھی آئین اور دستور پر رکھی گئی ہے۔ دنیا کے بسے
دالوں کی اکثریت میرے ساتھ ہے۔ اس قدر اکثریت حاصل کرنے
کے بعد بھی مجھے ہمیشہ دنیا پر حکومت کرنے سے محروم نہیں رکھا جاسکتا
نحیام۔ پروینا۔ بہتر ہو گا اگر تم نہیں رہو۔

پروینا۔ (حسد سے) تم نہیں چاہتے کہ میں بھی تمہاری طرح جنت میں جاؤں
نحیام۔ (تم مجھ جیسے) ادبائش کے ساتھ جنت میں داخل ہونا ہرگز پسند نہیں کروں گی۔
پروینا۔ اپنی اپنی جگہ سب رو میں اچھی ہیں۔ تم تو استغفار کر رہے ہو بے نا۔
نحیام۔ پیاری پروینا۔ تم بھی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتی ہو۔ کیا تم سمجھتی
ہو کہ جنت بھی دنیا کی طرح ہے جہاں لوگ اس خود فریبی میں مبتلا ہیں
کہ توبہ اور پچھتاوے سے کردہ ناکردہ ہو سکتا ہے۔ اور جو کچھ کہا
جائے وہ الفاظ واپس لینے سے ان کا کیا ہو سکتا ہے
رات کو خوب سے پی صبح کو توبہ کر لی۔ نہیں! جنت حقیقت کے
آقاؤں کا گھر ہے۔ یہی کشش مجھے وہاں کھینچ لے جا رہی ہے۔
پروینا۔ خیر میں تو حصولِ مسرت کیلئے جنت جا رہی ہوں۔ میں نے دنیا میں
دل بھر کر حقیقت دیکھ لی ہیں۔

نحیام۔ تمہیں ضرور یہیں ٹھہرنا چاہیے۔ جہنم "مجاز" کا گھر ہے، جہنم مسرت
کے متلاشیوں کا گھر ہے۔ یہ ایک پناہ گاہ ہے۔ جنت کے باسیوں
کیلئے جیسا کہ میں نے کہا حقیقت کے آقاؤں کا گھر ہے۔ اور دنیا

والوں کیلئے جو حقیقت کے غلاموں کا گھر ہے۔ دنیا ایک پرورش گاہ ہے جہاں مرد اور عورتیں ہیرو اور ہیروئن صوفی اور بدکار کا کھیل کھیلتی ہیں لیکن ان کا جسم انہیں ان کی جنت و الجنت سے نیچے گھسیٹ لاتا ہے۔ ان کی بھوک اور پیاس۔ بڑھاپا۔ ضعف اور امراض اور سب سے زیادہ موت انہیں حقیقت کا غلام بناتی ہے۔ دن میں تین مرتبہ کھانا ضرور کھایا جائے اور مضغ کیا جائے۔ ایک صدی میں تین فیلس ضرور پیدا کی جائیں۔ انسان اپنی زندگی کے ہر دور میں۔ عقیدہ کے دور میں۔ رومان کے دور میں۔ اور علم و فضل کے دور میں ہمیشہ ایک ہی دعا مانگتا ہے۔ ”مجھے ایک صحت مند حیوان بنا دے!“ لیکن تم گوشت پوست کے اس جھنجھٹ سے آزاد ہو۔ کیونکہ یہاں تم حیوان ہی نہیں ہو۔ تم ایک غیر مادی یکبر ہو۔ فریب نظر ہو۔ موت بڑھاپا مختصر یہ کہ جسم سے بھی بے نیاز! یہاں سماجی مسائل۔ سیاسی مسائل۔ مذہبی مسائل اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اخلاقی مسائل کا بھی وجود نہیں۔ یہاں تم اپنے روپ کو حسن کہہ سکتی ہو۔ اپنے جذبات کو عشق کا نام دے سکتی ہو۔ تعصب کو بہادری اور جان بازی کی شکل میں ظاہر کر سکتی ہو۔ لالچ کو ارمان کا نقب دے سکتی ہو۔ تم دنیا میں بھی ایسے ہی کہا کرتی تھیں لیکن یہاں وہ تلخ حقائق موجود نہیں ہیں جو تمہارے کمرے کو جھٹلا سکیں تمہارے افعال کے سامنے تمہاری نیت کو پرکھ سکیں۔ یہاں انسانوں سے کھیلا نہیں جاتا۔ یہاں کی زندگی خود ایک ابدی رومان ہے۔ ایک

جذبات پر راور طرب انگیز تیش !!!

اور اس کے باوجود بھی تم اس بہشت کو چھوڑنا چاہتی ہو۔

پروینیا۔ لیکن اگر جہنم اس قدر حسین ہے تو جنت کس قدر خوبصورت ہوگی!

و شیطان۔ بُت۔ خیام۔ سب ایک ساتھ بولنا شروع کرتے ہیں۔ گویا

تردید کر رہے ہیں۔ پھر اکیدم خاموش ہو جاتے ہیں!

خیام۔ معاف کیجئے گا۔

شیطان۔ نہیں۔ میں نے قطع کلام کیا تھا۔

بت۔ تم کچھ کہنا چاہتے تھے

خیام۔ آپ توگوں کے فرمانے کے بعد!

شیطان۔ آپ نے میری مملکت کے محاسن بیان کرنے میں نہایت خوش

بیانی سے کام لیا۔ اس دوسری نگری کے عیوب بھی آپ ہی بیان فرمائیے

خیام۔ محترم خاتونِ جنت۔ میرے تصور میں۔ ایک ایسی جگہ ہے جہاں

کھیلنے اور مزے اڑانکی بجائے کام کرنا پڑتا ہے۔ حقایق بے نقاب

ہو کر سامنے آتے ہیں۔

تمہاری جرات ہی وہاں تمہارا طرہ امتیاز ہوگا۔ اگر دنیا کو ایک اسٹیج

مان لیا جائے تو جنت ہنوز پس پر وہ ہے لیکن جنت کو استعاروں میں

بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میں ابھی خود وہاں جاؤنگا۔ کیونکہ مجھے امید ہے

کہ وہاں مجھے مسرت کی جستجو میں اس طرح بھٹکنا نہ پڑے گا اور میں ابد

تک ایک تصور میں غرق رہوں گا۔

بہت - ہوندا۔

خیام - محترم کنار! آپ کو جو جنت سے نفرت ہے اس میں آپ کا کوئی تصور نہیں۔ اندھے کیلئے نگارخانہ ایک قیر و لچپ جگہ ہے لیکن

اگر آپ حسن اور مسرت جیسے سراب کے تصورات سے لطف اندوز

ہو سکتے ہیں تو میں بھی اس تصور سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں

جسے میں اور تصورات پر فوقیت دیتا ہوں۔ یعنی تصور حیات یہ

وہ طاقت ہے جو ہمیشہ اپنے تصور میں غرق رہنے کی کوشش کرتی ہے

مجھے دماغ کیوں عطا کیا گیا؟ اس لئے نہیں کہ میں ہاتھ پاؤں ہلانے

کے قابل بن سکوں۔ کیونکہ ایک چوہا جس کا دماغ میرے دماغ کا

نصف ہو گا۔ میری ہی طرح اپنے ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے مجھے دماغ

حرکت کرنے کیلئے نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس لئے کہ میں سمجھ سکوں کہ میری

حرکات و سکناات کا مقصد اور غرض و غایت کیا ہے۔ لیکن ایسا ہنو

کہ زندہ رہنے کی اندھی کوشش میں میں اپنے آپ کو خود مار ڈالوں

بہت - پٹے بازی کی بے ڈرہب کوشش میں تم نے اپنے آپ کو ماری ڈالا

تھا اگر میرا پاؤں نہ پھسلا ہوتا۔

خیام - تمہارا یہ ہنسی مذاق کل صبح تک بیزاری اور بے چینی میں بدل گیا۔

بہت - میں نے بھی ایک بار تم سے یہی کہا تھا اور تم چوکنے لگے لیکن

ایسی بات کہنے کا مزہ اسی وقت ہے جب لگل بھی بچ رہا ہو۔

خیام - میں نے سنا ہے کہ لگل کے ساتھ کہا جائے تو اس کا اثر نہیں ہوتا

پروینا۔ ابا! ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے گفتگو میں خلل نہو جائے۔ ہاں
 تو خیام جنت میں تصور میں غرق رہنے کے علاوہ اور کچھ بھی ہے؟
 خیام۔ جنت میں سوائے اس کے مجھے اور کسی مسرت کی تلاش نہیں۔
 لیکن اس کے علاوہ اور بھی کئی مشاغل ہیں۔ مثلاً زندگی کو اس کی
 پرواز میں مدد دینا۔ اندازہ کرو کہ کس طرح زندگی کثرتِ تعبیر سے اپنے
 خوابوں کو پریشان کر لیتی ہے۔ اور کس طرح خود اپنی راہ میں مشکلات
 پیدا کر کے اپنی کج فہمی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے اپنے آپ کو تباہ
 کر لیتی ہے۔ زندگی کو۔ اس ناقابلِ مزاحمت قوت کو۔ ایک دماغ
 کی ضرورت ہے۔ کہ وہ اپنی مزاحمت خود نہ کرنے لگے۔ شاعر کہتا
 ہے کہ انسان بھی قدرت کی صناعتی کا کیا خوب نمونہ ہے۔ ہاں۔
 لیکن اسی قدر بے وقوف بھی! انسان نظامِ حیات کی معراجِ اتمام
 زندہ جموں میں سب سے زیادہ زندہ! سب سے زیادہ خردمند!۔
 لیکن اس کے باوجود اس کا دماغ کس قدر ناقص ہے۔ محنتِ مشقت
 اور افلاس اُسے دنیا سے متفر بنا دے ہوئے۔ اسے اور زیادہ ز
 سنگ نظر بنا دیتے ہیں۔ تصور ان تلخ حقائق کو دیکھتا ہے لیکن نظر انداز
 کر دیتا ہے۔ اور ان کو چھپانے کیلئے فریبِ نظر کے پردے ڈالنا
 شروع کر دیتا ہے۔ اور خود غریبی کو ذہانت اور ذکاوت کہا جاتا
 ہے۔ ہر شخص دوسرے کے وہ غیوب گناتا ہے جو خود اس میں موجود
 ہوتے ہیں۔ جنوں تصور کو احمق سمجھتا ہے۔ اور تصور جنوں کو نادان

خیال کرتا ہے۔ حالانکہ جنون دانائے راز ہے اور تصور عقل کل شیطان۔ اور یہ معاملہ بڑا بے ڈھب ہے۔ جب میں فائوسٹ کا کام کر رہا تھا تو میں نے کہا تھا کہ عقل نے انسان کو درندے سے زیادہ درندگی سکھا دی ہے۔ ایک تندرست بدن تنومونے باوی بدن والے فلسفیوں کے دماغ سے بہتر ہے۔

خیام - شاید تمہیں یاد نہیں کہ دماغ کے سامنے جسم کو ترجیح دیکر بھی آزمایا گیا ہے۔ حیوانات جو دماغ کے سوا جسم کے سب اعضا میں انسان کے مقابلہ میں کہیں بڑے تھے۔ کسی زمانے میں زندہ تھے اور سب ان کا نام نمود بھی باقی نہیں۔ کسی زمانے میں میگا تھیریم اور اکتھائیو سارٹس زمین پر سات فرسخ لمبے قدم رکھتے ہوئے چلتے تھے اور صحاب آسا پروں سے سورج کی روشنی کو روکتے تھے۔ اب وہ کہاں ہیں۔ اب اُن کے ڈھانچے چڑیا گھروں میں رکھے ہوئے ہیں اور ڈھونڈے نہیں ملتے۔ حتیٰ کہ ان کے جسم کی ایک ہڈی یا دانت کھود نکالنے کیلئے ہزار سپاہیوں کی جان بھی قربان کی جاسکتی ہے۔ یہ حیوان زندہ تھے اور زندہ رہنا چاہتے تھے۔ لیکن دماغ ناقص ہونیکی وجہ سے وہ یہ نہ جان سکے کہ کیوں کچھ زندہ رہیں اور اپنے مقاصد کس طرح حاصل کریں۔ اور اس لئے آخر کار اپنے آپ کو تباہ کر لیا اور ناپید ہو گئے۔

شیطان - اور حضرت انسان اپنے دماغ کے باوجود جس پر اسے
 اس قدر ناز ہے - اپنے آپ کو کچھ کم تباہ کر رہا ہے؟ کیا آپ نے
 ابھی حال میں دنیا کی سیر کی ہے؟ میں نے کی ہے۔ اور میں نے انسان
 کی عجیب و غریب ایجادات کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور میں آپ سے
 کہے دیتا ہوں کہ زندہ رکھنے کیلئے انسان کچھ ایجاد نہیں کرتا۔ لیکن مار
 ڈالنے کے فن میں وہ قدرت سے بھی بازی لے گیا ہے۔ کیما اور
 مشینوں کے فروغ و با۔ طاعون اور قحط پیدا کر رہا ہے۔ دہقان اب بچ
 وہی کھاتا اور پیتا ہے جو آج سے دس ہزار سال پہلے کے دہقان کھاتے
 اور پیتے تھے۔ اور اس کے رہنے کا گھر ایک ہزار برس میں اتنا بھی نہیں
 بدلتا جتنا ایک عورت کے لباس کا فیشن چھ چھینے میں بدل جاتا ہے۔
 لیکن یہی دہقان جب وہ قتل و غارت کیلئے نکلتا ہے تو اس کے پاس
 ایک عجیب و غریب شین ہوتی ہے جس میں سے صرف ایک انگلی کے
 اشارے سے بہت سی قوت خارج ہوتی ہے وہ اپنے باپ دادا
 کے برچھے۔ تیر۔ وغیرہ کے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ امن و امان کے زمانے
 میں انسان اپنے انارڈی پن کا ثبوت دیتا ہے۔ میں نے اس کے روی
 کے کارخانے وغیرہ دیکھے ہیں۔ ایسی مشین تو ایک کتابھی بنا لیتا اگر
 اُسے غذا کی بجائے روٹی کی خواہش ہوتی میں نے اس کی بے وطنگی
 ٹامپشین اوٹ پٹانگ موٹر میں۔ اور کئی باسیکلیں دیکھی ہیں یہ میکسم گن
 لہ ایک نہانی کی توپ جو بہت تیزی سے گولہ باری کرتی ہے۔

اور آبدوز کشتی کے سامنے کھلوانے معلوم ہوتے ہیں۔ انسان کی تجارتی مشینوں میں لالچ اور کاپلی کے مظاہرے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کا دل تو لڑائی کے ہتھیاروں میں پڑا ہے۔ یہ حیرت انگیز قوت حیات جس پر آپ کو اس قدر ناز ہے اصل میں قوت حیات نہیں قوت مائت ہے۔ انسان اپنی قوت کو اپنی ہلاک کر نیکی صلاحیتوں سے مایا ہوا اس کا مذہب کیا ہے؟ مجھ پر لعنت کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ اس کا قانون کیا ہے؟ ہمیں پچھانی پر ٹکنا نہ کیا ایک بہانہ ہے۔ اس کی اخلاقیات اس کی نجاست کیا ہے۔ بچی پکائی کھانا اور خود کچھ نہ کرنا۔ اس کا آرٹ کیا ہے؟ قتل و غارت کی تصویروں کو بہ نظر تحسین دیکھنے کا بہانہ۔ اس کی سیاسیات کیا ہے۔ یا تو ایک مطلق العنان فرمانروا کی پوجا۔ کیونکہ وہ قتل کر سکتا ہے۔ یا پارلیمنٹ میں مرغوں کی لڑائی۔ تھوڑے دن میں۔ میرا جانا ایک مشہور مجلس قانون ساز کے ایوان میں ہوا۔ وہاں میں نے عجیب و غریب سوال اور وزرا کے جواب سنے۔ جب میں وہاں سے نکلا تو میں نے دروازہ پر وہ پرانی ضرب المثل لکھ دی۔ ”سوال پوچھو نہ جھوٹ سنو“ میں نے ایک چونی کار سالہ خریدا تو اس میں مجھے نوجوانوں کی آپس میں مار دھاڑ قتل و خون کی تصویریں ہی تصویریں نظر آئیں مجھے ایک شخص کی موت دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ لندن میں ایک راج مزدور

سے یہاں بڑا ڈشاشینہا ٹوٹر کے نظریہ خواہش حیات کے بہت قریب ہو جاتا ہے

تھا۔ اس کے ساتھ بیچے تھے۔ اس نے سترہ پونڈ ان کے لئے چھوڑے
 اس کی بیوی نے وہ ساری رقم اس کے جنازے پر خرچ کر دی۔ اور
 دوسرے روز بچوں کو کارخانے میں نوکر کرانے لے گئی۔ وہ سات پیش
 بھی بچوں کی تعلیم کیلئے خرچ نہ کرتی۔ قانون نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ
 بچوں کو مفت تعلیم دلائے۔ شوہر کی موت پر اس نے سب کچھ خرچ کر دیا
 موت کے موقع پر ان لوگوں کو جوش آجاتا ہے۔ انہیں موت پر بھی
 ایک لطف سا محسوس ہوتا ہے۔ اور وہ موت جتنی خوفناک ہوگی اتنا
 ہی انہیں زیادہ لطف آئیگا۔ جہنم ان کے فہم و تصور سے بالکل
 جہنم کا تخیل انہوں نے دو بڑے بڑے احمقوں سے لیا ہے۔ ایک
 اطالوی اور ایک انگریز۔ اطالوی نے بیان کیا کہ جہنم میں کیچڑ۔ کھڑ
 غلاظت۔ آگ۔ زہریلے سانپ۔ اور مظالم ہی مظالم ہیں۔ یہ گدھا
 اپنی کتاب میں تو میرے متعلق غلط بیان کرتا ہے یا ایک عورت کے
 متعلق بے پروائی کرتا ہے جو اسے بازار میں پھرتی ہوئی ملی تھی۔
 انگریز نے بیان کیا ہے کہ مجھے توپوں اور بارود کے ذریعے جنت سے
 نکال باہر کیا گیا تھا۔ اور آج تک سب برطانوی لوگ مانتے ہیں کہ یہ
 سب داستان تخیل میں موجود ہے۔ اس نے اور کیا کیا لکھا ہے۔
 یہ تو میں نہیں جانتا کیونکہ وہ ایک بہت طویل نظم ہے جو ۱۷۰۰

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ کا مصداق ہے۔ اس کے علاوہ جہاں

لے ڈائیوے۔ ۴۰ بیڑیں ۳۰ ملین ۳۰ فردیں گمشد

بھی دیکھو یہی حال ہے۔ حزن یہ کو بہترین ادب مانا جاتا ہے۔ حزن یہ
 کیا ہے۔ ایک ایسا کھیل جس کے آخر میں سب قتل ہو جاتے ہیں۔ پرانی
 تاریخوں میں ہم زلزلوں اور وباؤں کے قصے پڑھتے ہیں اور یہیں بتایا
 جاتا ہے کہ ان آفات سے خدا کی طاقت اور بزرگی اور انسان کی کم
 حقیقتی ظاہر ہوتی ہے۔ آج کل تاریخوں میں لڑائیوں کی داستانیں
 ہوتی ہیں۔ لڑائی میں انسانوں کی دو ٹولیاں ایک دوسرے کو گولیوں
 اور پھٹنے والے بموں سے مارتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک ٹولی میدان چھوڑ کر
 بھاگ جاتی ہے۔ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جاتا ہے اور انہیں پکڑ
 کر کھڑے کھڑے کر دیا جاتا ہے اور آخر میں تاریخ لکھتی ہے کہ اس فاتح
 کی بزرگی اور طاقت اور مفتوح کی کم حقیقتی ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی فتوحات
 پر لوگ شہری گلیوں میں ناچتے گاتے پھرتے ہیں اور سلطنت کو خونریزی
 کے ذریعے وسیع کرنے میں لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن کوئی
 وزیر اس افلاس اور پریشانی حالی پر ایک پیسہ بھی زیادہ خرچ نہیں
 کرنا چاہتا۔ میں تمہیں ایسی ہی مثالیں ہزاروں دے سکتا ہوں۔ لیکن سب
 کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ جو طاقت زمین پر حکومت کرتی ہے
 وہ قوتِ حیات نہیں بلکہ قوتِ ممت ہے۔ اور وہ اندرونی خواہش
 جس نے حیات کو اپنے آپ کو منظم کر کے اور انسان کی تخلیق کرنے پر
 آمادہ کیا وہ کسی بلند تر زندگی کی خواہش نہیں تھی بلکہ تباہ و برباد کرنے
 کے زیادہ موثر ذرائع اور وسائل حاصل کرنے کی خواہش۔ و باء قحط۔

زلزلے۔ طوفان۔ اپنی پناہ کاریوں میں کافی مستعد نہ تھے شیعوں اور مگر چھوٹے کماپیٹ جلدی بھر جانا تھا۔ اور وہ اتنے ظالم بھی نہ تھے ایک ایسی چیز کی ضرورت تھی جو تباہ کاری میں زیادہ مستعد ہو۔ زیادہ بے رحم ہو۔ یہ ضرورت انسان کی تخلیق سے پوری ہوئی۔ انسان بموت کے شکنجے کا بانی۔ سولی۔ پھانسی۔ بجلی کی کرسی۔ تلوار۔ بندوق۔ زہریلی گیس ایجاد کرنے والا اور سب سے بڑھ کر انصاف۔ فرض۔ جب الوطنی اور دیگر مسلک اور نظریے قائم کرنے والا جن سے وہ لوگ بھی اول درجہ کے ظالم اور جاہل بن جاتے ہیں جو فطرتاً تباہ کاری کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

یام۔ یہ تو سب پرانی باتیں ہیں۔ تم بھولے ہوئے ہو میرے دوست! تم انسان کو اسی نظر سے جانچتے ہو جس سے وہ خود اپنے کو جانچتا ہے۔ تمہاری رائے سے تو وہ اور خوش ہو گا۔ وہ خوش ہوتا ہے اگر اسے بہادر اور بدکار کہا جائے۔ وہ نہ تو بہادر ہے نہ بدکار وہ صرف بُزدل ہے تم اُسے لیڈر اخونی۔ قزاق۔ ظالم کہو گے تو وہ تم سے خوش رہے گا اور وہ اینٹھ جائے گا کہ ابھی اس کے رگوں میں پرانے بحری بادشاہوں کا خون موجزن ہے۔ تم اُسے جھوٹا اور چود کہو گے تو صرف ہتک عزت کی نالش کر دیگا۔ لیکن اُسے بُزدل کہہ کر دیکھو وہ غصہ کے مارے دیوانہ ہو جائے گا۔ اس تلخ حقیقت کو چھپانے کیلئے وہ موت سے بھی ٹر جائیگا انسان اپنے فعل کی سب جواز پیش کرتا ہے سوائے ایک کے۔ اپنے جرم کی سب صفائیاں پیش کرتا ہے۔ سوائے ایک کے۔ اپنی حفاظت کے لئے

تمام استدلال پیش کر لیا سوائے ایک کے اور وہ ہے اس کی بُزدلی
 لیکن اس کے باوجود اس کی تمام تہذیب کی بنیاد بُزدلی پر ہے۔
 گدھے اور نچروں کی برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ لیکن انسان
 اس حد تک ذلت برداشت کر لیتا ہے کہ ستم شعار خود اسے قابل
 نفرت سمجھ کر اس کے حال پر چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
 شیطان۔ بالکل ٹھیک۔ اور یہ وہ مخلوق ہے جسے آپ ”قوتِ حیات“
 کا منظر سمجھتے ہیں

خیام۔ ہاں۔ لیکن اصل بات تو اب شروع ہوتی ہے۔

بیت۔ کیا ہے وہ بات؟

خیام۔ وہ یہ کہ اس بُزدل مخلوق کو بھی ایک بلند تصور سے آشنا کر کے
 بہادر بنایا جاتا ہے۔

بیت۔ بحیثیت ایک پرانے فوجی کے میں انسان کی بُزدلی سے وقف

ہوں۔ یہ بیماری اسی قدر عام ہے جتنی سمندر کے سفر کی بیماری۔ اور
 یہ ایک معمولی بات ہے۔ لیکن یہ بلند تصور سے آشنا کر دینے والا
 خیال مجھے مہمل معلوم ہوتا ہے۔ جنگ میں سپاہیوں کو لڑنے پر
 آمادہ کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اُن کا خون سمجھا کر گرمادیا جائے کہ شکست
 فتح سے زیادہ خطرناک ہے۔

خیام۔ اسی لئے تو جنگیں بیکار محض ہوتی ہیں۔ انسان خوف پر اس وقت
 تک قابو نہیں پاسکتا جب تک کہ اسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ ایک تعوُّ

۱۸۶
 ایک نصب العین کیلئے لڑ رہا ہے۔ صلیبی جنگوں کے سپاہی بحری قزاقوں سے کیوں زیادہ بہادر تھے۔ کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ صلیب کی خاطر جنگ کر رہے تھے۔ وہ کونسی طاقت تھی جس کا مقابلہ اتنی ہی بڑی طاقت سے ہوا جتنی وہ خود تھی؟ یہ ان سپاہیوں کی طاقت تھی جو اپنے لئے نہیں بلکہ اسلام کیلئے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے یورپین اقوام سے اسپین چھین لیا۔ حالانکہ یورپین اقوام اپنے گھربار اور بیوی بچوں کیلئے لڑ رہی ہیں۔ لیکن جب ان ہی اقوام نے ایک بلند نصب العین کی خاطر جنگ کی یعنی کٹر عیسائیت تو انہوں نے مسلمانوں کو افریقہ تک بھگا دیا شیطان۔ (طنزاً) تو آپ! اسخ الاعتقاد میں خیم صاحب کٹ ملا!!! میری مبارکباد قبول فرمائیے۔

بُت۔ (سنجیدگی سے) ہوں ہوں! ایک سپاہی کی حُزب سے مذہب کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتا۔

خیم۔ کماندار صاحب مطمئن رہیئے! یہ راسخ الاعتقاد ہی اسلام سے بھی زیادہ مستحکم رہے گی۔ اور صلیب سے بھی۔ حتیٰ کہ مدرسہ کے لونڈوں کا وہ جلوں جسے تم ”فوج“ کہتے ہو۔ وہ بھی اس کے سامنے کمزور پڑ جائیگا۔

بُت۔ اس دعوے کی دلیل؟

خیم۔ کیا ضرورت ہے؟ انسان ہمیشہ راسخ الاعتقاد کیلئے ہی جان دے گا جب اسپین کے باشندوں کو یہ احساس ہو گا کہ وہ بھی مسلمانوں ہی جیسے ہیں اور ان کا بنی کسی حیثیت سے محو سے بہتر نہیں ہے تو ان کی

۱۸۷
 راسخ العقادی جوش میں آجائے گی۔ اور وہ آزادی اور مساوات
 کی خاطر جان قربان کر دیں گے۔

بیت۔ حماقت !

خیام۔ جے آپ حماقت کہتے ہیں اسی کی خاطر انسان اپنی جان دیتے
 ہیں۔ کچھ عرصہ بعد آزادی کو بھی راسخ العقادی کیلئے کافی نہ سمجھا
 جائیگا۔ انسان انسانیت کی معراج کیلئے لڑ رہیگی۔ اور آزادی کو بھی
 اس معراج پر قربان کر دیں گے۔

شیطان۔ محقر یہ کہ انہیں ایک دوسرے کی جان لینے کا ہمیشہ کوئی نہ
 کوئی بہانہ ملتا ہی رہے گا۔

خیام۔ تو پھر کیا ہوا؟ موت کی اس قدر اہمیت نہیں ہے جتنی موت
 کے خوف کی۔ ہم مرنے اور مارنے سے ذلیل نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ
 ذلت کی زندگی سے۔ ذلت کا معاوضہ وصول کرنے سے دس آدمیوں
 کا مرجانا ایک غلام اور اس کے آقا کے زندہ رہنے سے بہتر ہے۔
 وہ وقت آرہا ہے جب باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو اُفاد
 غلامی کے عظیم الشان مقصد کے تحت جان سے مار ڈالے گا۔

شیطان۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب آزادی اور مساوات کی وجہ سے
 آزاد عیسائی مزدور کافر غلام سے سستے داموں بازار میں مل جائیگا۔
 خیام۔ گھبراؤ نہیں۔ سفید مزدوری کے غلام بننے کی باری بھی انہی
 ہے۔ لیکن میں اس وقت اس پر بحث نہیں کر رہا ہوں کہ ایک ہی تصور

کس کس روپ میں انسان کے سامنے آئیگا اور اسے کس کس فریب میں مبتلا کرئیگا۔ میں اس وقت مثالیں دے رہا ہوں کہ خدا کی یہ مخلوق یعنی انسان جو کہ اصل میں بے انتہا بزدل ہے نصب العین کی خاطر ایک بہادر کی طرح ٹٹ سکتا ہے۔ شہرہ کی حیثیت سے چاہے وہ بھیگی بلی بنا رہے لیکن جب اس پر عصبیت طاری ہوتی ہے تو وہ بہت خطرناک بن جاتا ہے۔ اسے اسی وقت مسخر کیا جاتا ہے جب روحانی اعتبار سے کمزور ہو جائیگی وجہ سے وہ عقل کی طرف مائل ہو۔ حضرات! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ انسان کو کسی طرح یہ باور کرائیں کہ یہ کام خدا کا کام ہے۔ وہ اندھا دھند وہ کام کرنے میں اپنی جان ٹٹا دیگا اور اس کے نتائج پر غور نہ کرئیگا۔

پروینیا۔ ہاں وہ اپنی ذمہ داریاں خود محسوس کرنیکی بجائے ان کاموں کو اپنی بیوی پر ڈال دیتا ہے۔

بیت۔ واہ! کیا بات کہی ہے بیٹی! تمہاری سمجھ بوجھ کے سامنے یہ ہار جائیگا۔ شیطان۔ کماندار محترم! اب عورت کے موضوع پر بحث چھڑ گئی ہے۔ اب یہ حضرت سب سے زیادہ بولینگے۔ لیکن میں مانتا ہوں کہ اس موضوع سے مجھے بھی انتہائی دلچسپی ہے۔

خیام۔ محترمہ! شوہر کی حیثیت سے انسان کی ذمہ داری بچوں کیلئے غذا ہیا کرنے پر شروع اور ختم ہو جاتی ہے۔ بیوی کیلئے شوہر محض بچہ پیدا کرنے اور ان کی پرورش کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

پروینیا۔ کیا بھی ہے تمہارا اندازہ عورت کے خیالات کے متعلق؟
یہ تو انتہائی ہٹ دھرمی اور حیوانیت کا ثبوت دے رہے ہو۔

خیام۔ معاف کرنا پروینیا۔ میں نے ابھی عورت کے تمام خیالات کی بابت
کچھ نہیں کہا ہے۔ میں نے صرف یہ بیان کیا ہے کہ بحیثیت ایک علیحدہ
جنس کے عورت کے مرد کے متعلق کیا خیالات ہیں۔ اس سے زیادہ
ہٹ دھرمی کیا ہو سکتی ہے کہ عورت اپنے آپ کو صرف "ہاں" ہی سمجھتی ہے
جنسی اعتبار سے عورت فطرت کے شامہکار یعنی انسانی نسل کو قائم رکھنے
کا ایک آلہ ہے۔ جنسی اعتبار سے عورت مرد و عورت کیلئے ایک آلہ ہے
فطرت کے مقصد کو آسانی سے حاصل کرنے کا۔ عورت کو فطری طور پر
اس واقعہ کا علم ہے کہ ارتقاء کی ابتدائی منزلوں میں اس نے تمہا مرد کو
پیدا کیا تھا۔ اُسے اپنے سے مختلف بنایا تھا۔ اور اسے یہ سوچ کر بنایا
تھا کہ صرف ایک جنس کی بجائے دو جنسوں کی کوشش بہتر مخلوق پیدا
کر سکیں گی۔ جب تک مرد اس مقصد کو پورا کرتا رہتا ہے عورت کو اسکی
بے وقوفی۔ اس کے نصب العین۔ اس کی بہادری وغیرہ کسی سے کچھ مطلب
نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ ان سب باتوں میں ٹیپ کا پند عورت کی پوجا۔ ماں
کی پوجا۔ اور بچوں کی پرورش ہی رہے۔

لیکن اندازہ تو کیجئے کہ عورت کا یہ اقدام کس قدر خطرناک تھا کہ اس نے
ایک ایسی مخلوق کو پیدا کیا جس کا واحد مقصد اُسے حاملہ کر دینا تھا۔ معلوم
ہے اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ پہلے تو مرد و عورتوں کی آغوش میں پرورش پا کر

تعداد میں اتنے ہو گئے جتنی عورتیں۔ عورت نے اپنی طاقت کا بیشتر حصہ مرد کو اس کے مقاصد کی برآری کیلئے دیا اور اس کا عشرِ عشیر اپنے پاں حل کی تکالیف برواشت کرنے کیلئے رکھ لیا۔ مرد کی یہ ضرورت سے زیادہ قوت اس کے دماغ اور اعصاب میں چلی گئی ہے اور اب وہ اس قدر طاقتور ہو گیا ہے کہ اب عورت جسمانی طاقت سے اُسے اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتی۔ اُس کا تخیل اور تفکر اس قدر وسیع اور بلند ہو گیا ہے کہ اب وہ محض تولد و تناسل کے فرائض انجام دینے پر ہی قناعت نہیں کرتا۔ اُس نے عورت سے مشورہ کئے بغیر تہذیب کی عمارت کھڑی کر دی ہے اور اس کی بنیاد عورت کی محنت و مشقت پر رکھی ہے۔

پروینیا۔ یہ تو سچ ہے۔

شیطان۔ ہاں۔ اور یہ تہذیب آخر ہے کیا؟

حیام۔ اپنی ہٹ و صبری کو برقرار رکھنے کا ایک حین بہانہ تہذیب انسان کی ایک کوشش ہے کہ وہ محض عورت کا ایک آلہ کار بن کر نہ رہ جائے وہ اپنی زندگی کو زیادہ اہم بنانا چاہتا تھا۔ حیات نے نہ صرف قائم رکھنے کی کوشش کی ہے بلکہ اپنے نظام کو بلند سے بلند تر بنانے اور اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن قوت حیات کی یہ کوشش زیادہ سے زیادہ محض ایک جنگ ہے موت اور تنزل کی قوتوں کے ساتھ جنگ بھی ایک بڑی غلطی ہے جو اکثر جنگوں کی طرح۔ بے وقوف کماندار کے باوجود بھی جیت لی جاتی ہے۔

بُت - یہ چوٹ مجھ پر ہے۔ لیکن خیر۔ آگے چلو۔

خیام - کما نذر صاحب! یہ آپ سے کہیں بڑی طاقت پر چوٹ ہے۔ لیکن آپ کو بھی تجربہ ہوا ہوگا کہ اگر دشمن کا سپہ سالار کمزور ہو تو بیوقوف کما نذر بھی لڑائی جیت لیتا ہے۔

بُت - (سنجیدگی کے ساتھ) ٹھیک۔ بالکل ٹھیک خیام۔ بعض وقت بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ جاتا ہے

خیام - ہاں تو قوتِ حیات اندھی ہے لیکن اس قدر اندھی نہیں جتنی قوتِ ممات و تنزل اس لئے حیات کی فتح ہوتی ہے۔

اسی لئے وہی تہذیب باقی رہتی ہے جو بہترین رائفلس بنا سکتی ہے اور رائفلس چلائو والوں کی پرورش کر سکتی ہے۔

شیطان - درست! یعنی زندگی حیات کے ذریعہ نہیں بلکہ موت کے ذرائع سے باقی رکھی جاتی ہے۔ آپ گھوم پھر کر۔ الٹی سیدھی بحث کر کے۔ منطق لڑا کر آخر کار پھر میرے ہی نظریے کی طرف آجاتے ہیں اور آپ کی تقریر کی طوالت کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔

خیام - طویل تقریر کس نے پہلے شروع کی تھی؟ لیکن اگر میں نے آپ کی سمجھ خراشی کی تو ہمیں اپنے حال پر چھوڑیے اور آپ حسن و عشق کی محفلوں کی لغویات کو تلاش کرتے پھریئے۔

شیطان - (برامان کر) خیام! یہ تو بات ٹھیک نہیں۔ میں بھی آپ کی طرح معقولات کا قائل ہوں۔ اور آپ سے بحث کر رہا ہوں بلکہ — غالباً

آپکی بحث کو رد بھی کر رہا ہوں۔ اچھا تو تھوڑی دیر اور۔

خیام۔ بہت خوب۔

حبت۔ آپ بحث جاری رکھے لیکن اس امید پر نہیں کہ آپ لوگ کسی آخری نتیجہ پر پہنچیں گے بلکہ صرف وقت گزارنے کے لئے۔ اور یہاں تو ہمیں وقت نہیں بلکہ ”ابد“ گزارنا ہے۔ ہاں تو بیان جاری رہے

خیام۔ (ذرا بے تاب ہو کر) ارے پیر فر تو ت! میں تم سے صرف ایک جوتا اگے ہوں۔ کیا ہم اس پر متفق ہیں کہ حیات ایک ایسی طاقت ہے جو اپنی تعلیم کرنے میں لاتعداد تجربات کر چکی ہے۔ یعنی فیل پیکر اور انسان چوہا اور میگا تھیریم۔ کیرے مکوڑے اور مذہب کے ملا اور کٹ ملا یہ سب کوششیں تھیں ایک خام طاقت سے بہتر سے بہتر افراد پیدا کر نیکی طاقت کا نصب العین ایک سے دو کو پیدا کرتا ہے جو قادر ہو نہ ہو۔ عالم کل ہو۔ معصوم ہو۔ اور گناہ سے مبرا۔ خود کو سمجھنے کی صلاحیت اور بصیرت رکھتا ہو۔ مختصر یہ کہ دیوتا ہو۔

شیطان۔ بحث کی خاطر میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

حبت۔ میں بحث سے بچنے کی خاطر اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

پروینا۔ مجھے نہایت سختی سے اس نظریہ سے اختلاف ہے۔ اس بحث میں مذہبی علماء کو کیوں گھسیٹا گیا۔

خیام۔ وہ تو محض حسن بیان کے خاطر ان کا ذکر خیر آگیا تھا۔ پروینا! اب میں ان کی طرف اشارہ بھی نہ کروں گا۔ اب جبکہ ہم اس حد تک متفق

میں تو میں سوال کروں گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ قوتِ حیات نے نصب العین حاصل کرنے کی سعی میں اپنی کوشش کے نتائج کو جسمانی حُسن کے پیمانے سے نہیں ناپا۔ اسے یوں سمجھ لیجئے جیسے ہمارے پرانے دوست ارسٹو فانیس نے عرصہ ہوا کہا تھا کہ پرندے جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے قوتِ پرواز کے لحاظ سے بال و پر کے لحاظ سے اپنے شاعرانہ اندازِ عشق و محبت کے لحاظ سے اس قدر حسین ہیں کہ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ اگر قوتِ حیات کی تخلیق کا معیار حُسن و جمال ہے تو ایسے حسین پیکرِ تخلیق کر نیکے بعد اس نے اپنا راستہ بدل کر یہ بھاری بھر کم ہاتھی اور بھونڈے بندر بنانے کی کیوں زحمت فرمائی جن کے پوتے پڑ پوتے ہم لوگ ہیں۔

پرو نیا۔ ارسٹو فانیس ایک جنگلی تھا۔ اور تم بھی اس سے کچھ کم نہیں خیام شیطان۔ تو آپ مانتے ہیں کہ قوتِ حیات بھڑے پن اور بد صورتی کی طرف مائل تھی۔

خیام۔ نہیں! اوندھی کھوپڑی کے شیطان! نہیں! ہرگز نہیں۔ قوتِ حیات دماغ کی طرف مائل تھی۔ جو اس کا دُرِ مقصود ہے۔ جو ایک آلہ ہے نہ صرف خود آگاہ ہونی کا بلکہ خود کو سمجھنے کا۔

ہمت۔ یہ مابعد الطبعیات ہے خیام۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ من الشیطان الرحیم (شیطان سے) اوہ! معاف فرمائیے گا۔

شیطان۔ نہیں نہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرا نام لیکر جو گفتگو میں

رور پیدا ہو جاتا ہے اسے میں اپنے لئے باعث فخر خیال کرتا ہوں
میرا نام آپ کا خادم ہے کما نذر صاحب !

بہت۔ شک بہ بات یہ ہے کہ حیات میں بھی فوجی قسم کا انداز گفتگو نہ
چھٹ سکا۔ میں خیام سے یہ دریافت کر رہا تھا کہ قوت حیات کو
آخر دماغ کی ایسی کیا ضرورت ہے۔ اسے اپنے آپ کو سمجھنے کی کیا
خاص ضرورت ہے۔ صرف مزے اڑانے پر ہی کیوں نہ قناعت کی جائے۔
خیام۔ کما نذر صاحب ! دماغ کے بغیر تم مزے تو اڑاؤ گے لیکن تمہیں
معلوم نہ ہو گا کہ تم مزے اڑا رہے ہو۔ اور سارا مزا کر کر ہو جائیگا۔
بہت۔ سچ ہے ! لیکن مجھے صرف اسی قدر دماغ کی ضرورت ہے کہ مجھے
معلوم ہو سکے کہ میں مزے اڑا رہا ہوں میں یہ نہیں سمجھنا چاہتا کہ میں
کیوں مزے اڑا رہا ہوں۔ میرا تجربہ ہے کہ مسرت غور و فکر کا بار برداشت
نہیں کر سکتی۔

خیام۔ اسی لئے تو لوگ تعقل کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن قوت حیات کیلئے
جو انسان کی پشت پناہ ہے۔ تعقل نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو
وہ اندھی ہو کر موت کے کنویں میں جا گرے۔ قوت حیات نے قرونوں
سکھ ارتقا کی منازل طے کرنے کے بعد جسم کا عجیب و غریب عضو آنکھ پیدا
کیا۔ تاکہ جاندار دیکھ سکے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اور اس کے آس پاس
کیا ہو رہا ہے۔ اور اس طرح بہت سے خطروں سے محفوظ رہے۔ ایسے
ی قوت حیات آجکل دماغ میں اکبا آنکھ پیدا کر مٹی کو شش کر رہی ہے تاکہ

وہ مادی دنیا کو نہیں بلکہ قوتِ حیات کے مقصد کو دیکھ سکے اور آج کل کی طرح ذاتی مقاصد حاصل کر نیکی بجائے فرد قوتِ حیات کا مقصد حاصل کرنے کی طرف بڑھا چلا جائے۔ موجودہ حالت میں بھی صرف ایک قسم کا انسان خوش ہے۔ اور دنیا کے فریب سے بچے ہوئے ہو نیکی وجہ سے قابلِ عزت سمجھا جاتا ہے

حُسن۔ شاید تمہارا مطلب ہے۔ فوجی آدمی! جیام نہیں کما نذر صاحب! جب فوجی آدمی آتا ہے تو دنیا اپنے برتن بھانڈ مقفل کر دیتی ہے اور عورتوں کو چھپا دیتی ہے۔ نہیں! میں فلسفی انسان کا ذکر کر رہا ہوں۔ وہ انسان جو تصورات کی دنیا میں دنیا کے مقصد کو تلاش کرتا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کر نیکی طریقے سوچتا ہے۔ اور اپنے افعال سے ان طریقوں پر عمل کرتا ہے۔ دوسرے سب قسم کے آدمیوں سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ وہ لوگ انتہائی ناکارہ ہیں۔ جب میں زمین پر تھا تو ہرفن کے ماہر میرے پیچھے لگے رہتے تھے اور مجھ میں کوئی نقص نکالتے اور سے دوہر کرنے کی تدبیر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ طبیب پیر پاس آتے تھے اور مجھے بتاتے تھے کہ میں اپنے جسم کی کیونکر حفاظت کروں اور مجھے امراض کی اوٹ پٹانگ دوائیں بتاتے تھے۔ میں جواب دیتا تھا کہ میں مرقی نہیں ہوں جو ان کی دوائی استعمال کروں۔ وہ مجھے جاہل کہتے تھے اور اپنا راستہ لیتے تھے۔ مذہبی علماء مجھے سمجھاتے تھے کہ میں اپنی روح کی کیونکر حفاظت کروں میں جواب دیتا تھا کہ میں جاہل

مراق میں مبتلا ہوں نہ روحانی امراض میں۔ وہ مجھے "لمحہ" ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور چلے جاتے تھے۔ سیاست داں آتے تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ میں انہیں کونسل کا ممبر ہونے میں مدد دوں۔ میں اُن سے کہتا تھا کہ آپ کونسل کے ممبر بنیں یا نہ بنیں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ مجھے اکل کھڑا کہتے تھے اور تشریف لے جاتے تھے۔ عاشق مزاج آرٹسٹ صاحبان تشریف لاتے تھے۔ اپنے عشقیہ گیتوں۔ تصویروں۔ نظموں کے ساتھ ان کی صحبت میں میں نے بہت لطف اٹھایا اور کچھ فائدہ بھی۔ کیونکہ میں نے ان کی خاطر اپنے مذاق کی پرورش کی اور ان کے گیتوں نے میرے ذوقِ سماع کی پرورش کی۔ ان کی تصویروں نے میرے ذوقِ نظارہ کو بلند کیا۔ ان کی نظموں نے میرے ذوقِ شعری کی تسکین کی۔ لیکن آخر کار انہوں نے مجھے عورت کی پوجا کی طرف مائل کرنیکی کوشش کی

پروینیا۔ خیام !

خیام - ہاں۔ میں نے سمجھا کہ عورت کی آوازیں سب گیتوں کی موسیقی ہے اس کے روپ میں سب تصویروں کا فن ہے۔ اور اس کی روح میں سب نظموں کا جوش !

پروینیا - اور میں سمجھتی ہوں تمہیں مایوسی ہوئی ہوگی۔ تم نے جو یہ صفات عورت سے منسوب کیں تو کیا یہ اُس کا قصور ہے !

خیام - ہاں کچھ حد تک اس کا بھی قصور ہے۔ میں نے اسے آسمان پر چڑھایا

اور وہ اپنی فطری چالاکی سے خاموش رہتی ہیں اپنے تصورات کو اس کے تصورات - اپنے خیالات کو اس کے خیالات - اپنے احساسات کو اس کے احساسات سمجھتا رہا اور وہ خاموش رہی۔ میرے وہ عاشق مزاج و ووست عموماً مفلسی یا بزدلی کی وجہ سے اُن عورتوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے جو اپنے حن اور شائستگی کے اعتبار سے ان کے معیار پر پوری اترتی تھیں اس لئے وہ اپنی سپینوں کی دیوی کو تلاش کرنے قبر میں جا گرے لیکن فطرت اور حالات نے میرا زیادہ ساتھ دیا۔ میں معزز خاندان کا فرد تھا اور دو تہذیبی جب میری شکل صورت کام نہ آتی تھی تو میرا زور بیان اس کمی کو پورا کرتا تھا۔ حالانکہ میں صورت شکل اور زور بیان دونوں اعتبار سے خوش قسمت تھا۔

حبت - شیخی خورا!

خیام - ہاں۔ لیکن میرے شیخی بگھارنے سے عورتیں خوش ہوتی تھیں جب میں کسی عورت سے ذرا بے تکلف ہوتا تھا تو وہ مجھے یہ باور کرائی کہ خوش کرتی تھی کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ لیکن جب ہماری شادی طے ہو جاتی تو وہ یہ کبھی نہ کہتی تھی کہ میں اب خوش ہوں۔ مجھے میرا محبوب مل گیا وہ ہمیشہ پہلے تو کہتی تھی - اب سب رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ اور پھر کہتی تھی "اب تم پھر کب آؤ گے؟"

پروینیا - یہ تو مرد عورتوں کو کہا کرتے ہیں۔

خیام - غلط۔ میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ لیکن سب عورتیں ایسے ہی کہا

کرتی ہیں۔ یہ دو باتیں مجھے پریشان کرتی تھیں۔ کیونکہ پہلی بات کا مطلب تو یہ ہوتا تھا کہ اس عورت کی تمام ترکوشش یہ تھی کہ وہ بچاؤ کے مورچوں کو توڑ کر میرے قلم پر قبضہ کرے اور دوسری بات کا مطلب یہ تھا کہ وہ اعلانیہ کہہ رہی تھی کہ وہ مجھے اپنا مال سمجھتی ہے اور یہ کہ میرا سب وقت اسی کیلئے وقف ہے۔

شیطان یہ تمہاری سرورمہری کا ثبوت ہے۔

حبت۔ خیام تمہیں عورت کی بات کو دہرانا نہیں چاہئے۔

پروینیا۔ (زور دیکر) عورت کا قول تمہارے لئے تبرک ہونا چاہیئے۔

حبت۔ لیکن وہ یہ کہتی ضرور ہیں۔ مجھے رکاوٹوں کی تو پرواہ نہ تھی۔ لیکن وہ دوسری پھر کب آوگے "والی بات سے میں فوراً کھٹکتا تھا۔ اور ہر شخص کھٹکے گا جو زخم خوردہ ہو۔

خیام۔ ہاں۔ تو اس منزل کے طے ہونیکے بعد عورت۔ جو پہلے ست اور بے فکر تھی۔ ذرا متفکر رہنے لگی اور میری ہر نقل و حرکت پر نظر کہنے لگی۔ ہر وقت میری منتظر رہنے لگی صرف اس لئے کہ کہیں شکار ہاتھ سے چلا نہ جائے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہو کہ میں وہ شکار نہیں تھا۔ میری محبت کا یہ تو مقصد نہیں تھا کہ یوں مجھ پر نگرانی کی جائے۔ چاہے عورت کا فیصل کتنا ہی فطری کیوں نہ ہو۔ لیکن اسے آپ موسیقی، مصوری، شاعری اور مسرت تو نہیں کہہ سکتے جو عورت کی ذات میں ودیعت کی گئی ہے میں ان باتوں سے دور بھاگا۔ بھاگتا رہا۔ حتیٰ کہ میں بھگوڑا مشہور ہو گیا۔

پروینیا۔ گویا تم بھگوڑے کی حیثیت سے بدنام ہو گئے۔
 خیا م۔ لیکن میں تم سے تو نہیں بھاگا۔ کیا اور لڑکیوں سے دور بھاگنے
 میں بھی تم مجھے ملزم گردانتی ہو؟

پروینیا۔ کیسی فضول باتیں کرتے ہو۔ اب تم ایک ۷۷ سال کی بڑھیا سے بات
 کر رہے ہو۔ اگر میں تمہیں مروتہ دیتی تو تم مجھے بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے۔
 لیکن مجھ سے بھاگنا اس قدر آسان نہ تھا جتنا اوروں سے۔ اگر مردوں
 کو اپنے گھر بار بیوی بچوں سے دلچسپی نہ ہو تو ان میں نہ بروستی و دلچسپی
 پیدا کرنی چاہیے۔ بات یہ ہے کہ تم مرد لوگ موسیقی، مصوری اور شاعری
 کی دیویوں سے شادی کرنا چاہتے ہو۔ وہ تمہیں نہیں مل سکیں گی کیونکہ
 ان کا وجود ہی نہیں۔ اگر گوشت پوست کی عورتیں تمہارے من کو
 نہیں بھاتیں تو رہو لنڈورے! عورتوں کو گوشت پوست کے بنے ہوئے
 شوہروں سے نبھانا پڑتا ہے۔ تو تمہیں گوشت پوست کی بنی ہوئی
 بیویوں سے نبھانا پڑے گا۔ (شیطان مثبتہ نظروں سے دیکھتا ہے۔
 بہت متنبہ ہوتا ہے) میں جانتی ہوں تمہیں یہ باتیں پسند نہیں لیکن
 یہ سچی باتیں ہیں۔ تم لوگ مانو یا نہ مانو۔

خیام۔ پیاری! تم نے تو عاشق مزاجی اور رومان کے خلاف میرے تمام
 اعتراضات کو چند جملوں ہی میں بیان کر دیا۔ اسی لئے تو میں نے اُن
 عاشق مزاج لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی جو اپنی دیوانگی کو آرٹ سے
 تعبیر کرتے تھے۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مجھے چشم و

گوش کا بہتر استعمال سکھایا۔ لیکن میں نے انہیں جتلا دیا تھا کہ اُن کی حسن پرستی۔ سمرت پرستی۔ اور ذن پرستی فلسفہ حیات کے اعتبار سے جنوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ انہوں نے کہا کہ میں بد مذاق ہوں اور چلتے بنے۔

پروینیا۔ تو تمام عیوب کے باوجود عورتوں نے ہمیں کچھ سکھایا ضرور۔ اتنا تو تم بھی مانتے ہو۔

خیام۔ صرف سکھایا ہی نہیں بلکہ دوسروں کی تعلیم کی تفسیر میرے سامنے پیش کر دی۔ دوستو! جب وہ رکاوٹیں دور ہوئیں تو گویا میری آنکھیں کھل گئیں!! مجھے محبت کے رنگین خوابوں یعنی۔ جنون۔ کیف۔ مستی۔ وغیرہ سے لطف اندوز ہونے کی توقعات نہیں۔ لیکن آہ! میری آنکھوں نے حقیقت کو دیکھا اور دل نے محسوس کیا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی رقیب نے بھی میری محبوبہ میں وہ کمزوریاں نہیں دیکھی ہوں گی جو میں نے دیکھیں۔ میں بے وقوف نہیں بنایا گیا تھا۔ میں نے اس کے عشق کے کرب کو کلور فارم کے بغیر برداشت کیا۔

پروینیا۔ لیکن۔ برداشت کر کے اُسے اپنا تو کر لیا نا!

خیام۔ یہ بھی ایک انکشاف تھا۔ اُس وقت تک میں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ میں اپنے بس میں نہیں ہوں میں عموماً کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا جب تک میری عقل نے اس پر غور کر کے اُس پر صاف نہ کر دیا ہو۔ میرا عقیدہ تھا کہ میں حیوانِ ناطق ہوں جسے عقل دیکھتی ہے

میں مفکر تھا۔ میں سوچتا تھا۔ میں اُس بے وقوف فلسفی کی تائید کرتا تھا جس نے کہا تھا ”میں سوچتا ہوں۔ اس لئے میں موجود ہوں“۔ یہ عورت کی ذات تھی جس نے مجھے سکھایا کہ میں موجود ہوں۔ اس لئے میں سوچتا ہوں“ اور میں بہت کچھ سوچو نہ گا۔ اس لئے مجھے ضرور بہت کچھ ہو جانا چاہیے۔ خیام یہ تو بڑی دقیق اور مابعد الطبعیاتی قسم کی باتیں ہیں اگر تم اپنے تجربات اپنی آپ بیتی میں بیان کرو گے اور عورتوں سے جو محاشقے رٹائے ہیں انہیں ذرا دلچسپ قصوں کی صورت میں بیان کرو گے تو تمہاری گفتگو کو سمجھنا آسان ہو گا۔

خیام۔ اس میں سمجھانے کی بات کیا ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھ سکتے کہ جب میں اس عورت سے ملا تو میرے بدن کا رونگٹا رونگٹا پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اس کا پیچھا چھوڑو اور اپنے آپ کو بچاؤ۔ میرا اخلاق کہتا تھا ”ہنیں“ میرا ضمیر کہتا تھا ”ہنیں“ میرا جوش اور جذبہ ترجم کہتا تھا ”ہنیں“ میری دور اندیشی کہتی تھی ”ہنیں“ اُسے دیکھ کر ہزاروں راگ راگنیاں میرے کان میں گونجنے لگیں۔ ہزاروں تصویریں میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں۔ میں نے اس کی آواز۔ خدو خال اور رنگ روپ کا تجزیہ کیا اور اس کے ماں باپ کے خدو خال سے اس کا مقابلہ کیا۔ میں نے اندازہ کیا کہ تیس سال کے عرصہ میں وہ کیا سے کیا ہو جائیگی، ایک پوپے منہ میں سے سنسنے وقت ایک سونے کے دانت کی دہندلی چمک میری آنکھوں میں پھر

ل فرانس کا مشہور فلسفی اور مفسر جھید کا باوا آدم، ”زیبے دیکارت“ (مترجم)

گئی شباب کے رنگین تصور میں جو میں نے ایک مرمین جسم کو۔ موت و
 زلیلت زماں و مکان سے ماورا جسم کو جنت میں اپنے ساتھ مصروف
 گلگشت دیکھا تھا وہ تھوڑی دیر کیلئے غائب ہو گیا میں نے پھر ان رنگین
 تصورات میں کہو جانے کی کوشش کی۔ لیکن اب میں خواب سے بیدار ہو چکا تھا۔
 اب میری فطرت ہو کا نہیں کہا سکتی تھی۔ میرا ذہن اب بھی پکار پکار نہیں
 کہہ رہا تھا۔ اسی اوجھڑ میں جبکہ میں اس عورت سے اپنا بچھا
 چھڑانے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا قوت حیات نے مجھے پکڑ کر اس کی بانہوں
 میں ڈال دیا۔ جیسے ایک ملاح مچھلی کے ٹکڑے کو سمندر کے کسی بڑے
 جانور کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔

بت۔ تمہیں اس مسئلہ پر اس قدر غور و فکر کی ضرورت نہیں تھی۔ جب جاننا ہی تھا
 تو سیدھے اس کے بازوؤں میں چلے گئے ہوتے۔ بات یہ ہے کہ تم ضرورت
 سے زیادہ عقلمند واقع ہوئے ہو۔

شیطان۔ کیا اس تجربہ سے تمہیں مسرت حاصل نہیں ہوئی خیام؟
 خیام۔ مسرت تو نہیں البتہ سبق ضرور حاصل ہوا۔ اس واقعہ نے پہلی بار
 خود سے روشناس کر لیا۔ اور اس ذریعہ سے تمام دنیا سے تیب میں
 سمجھا کہ قوت حیات پر پابندیاں عائد کرنا کتنا بے سود ہے۔ دور اندیشی
 ذوق نظر۔ نیکی۔ عزت۔ عصمت۔ وغیرہ کا سبق دنیا کس قدر بے معنی ہے۔
 پروینا۔ خیام! عصمت کے خلاف کچھ کہنا میری توہین ہے۔

خیام۔ محترمہ! میں آپکی عصمت کے متعلق کچھ عرض نہیں کر رہا ہوں کیونکہ

آپ کی عصمت نے ایک شوہر اور درجن بھر بچوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اگر تم ایک آوارہ عورت بھی ہو تیں تو اس سے زیادہ اور کیا کرتیں! پروینیا۔ اگر میں آوارگی اختیار کرتی تو میرے درجن بھر شوہر موتے اور بچے نذر دے۔ اس میں بڑا فرق ہے نا۔ میں نے دنیا کو آباد کر نیکیے نے عصمت کو ہاتھ سے نہ جاتا ہوا۔

عزت۔ شاباش پروینیا! شاباش۔ خیام تم ہار گئے! جھک مار گئے!!
 خیام۔ نہیں۔ حالانکہ جس فرق کی طرف پروینیا نے اشارہ کیا ہے وہ ایک حقیقی فرق ہے لیکن یہ فرق عصمت و محبت کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ درجن بھر مختلف شوہروں کے درجن بھر بچوں سے دنیا اور بھی زیادہ آباد ہو جاتی۔ فرض کرو کہ میرے دوست کیخمر و کا انتقال ہو گیا ہوتا۔ جب تم تیس سال کی تھیں۔ بیوہ کیوں نہ رہیں۔ تم بہت خوبصورت تھیں فرض کرو کہ کیخمر و کا جانشین مر جاتا جب تمہاری عمر چالیس سال کی تھی۔ تو تم ایک اور شادی کر لیتیں کیونکہ جو عورت دوشوہر کرتی ہے وہ تیسرا ضرور کرتی ہے اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ ایک معزز عورت کے بطن سے تین مختلف شوہروں سے درجن بھر بچوں کا پیدا ہو جانا رات عامہ کیلئے کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ تم یہ تو کہہ سکتی ہو کہ یہ خاتون اس عورت کے مقابلہ میں زیادہ قانون کی پابند ہے جسے ہم صرف ایک ناجائز بچے کی پیدائش کے جرم میں سو سائٹی سے نکال دیتے ہیں۔ لیکن کیا تم یہ بھی کہہ سکتی ہو کہ وہ خاتون اس عورت سے کم عیش پرست تھی؟ پروینیا۔ وہ خاتون زیادہ پاکیزہ تھی جس میں میرے لئے یہی کافی ہے۔

خیام۔ اگر ایسا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ پاکبازی شادی شدہ لوگوں کا اجارہ ہے۔ پروینیا ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر غور کرو۔
 ”قوتِ حیات“ شادی کا اس لئے احترام کرتی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے اور ان کی پرورش کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ عزت۔
 عصمت اور آپ کے اخلاق اور اصولوں کی اسے کوئی پروا نہیں۔
 شادی تمام انسانی رسوم میں سب سے زیادہ عیش پرور رسم ہے۔

پروینیا۔ خیام!

عزت۔ (اختلاف کرتے ہوئے) سچ؟

خیام۔ (اصرار کرتے ہوئے) میں بھر کہتا ہوں کہ یہ تمام رسوم انسانی میں سب سے زیادہ عیش پرور رسم ہے۔ اور اس کی ہر دلعزیزی کا یہی راز ہے۔ جو عورت شوہر کی تلاش کرتی ہے اس سے زیادہ غیر محتاط کوئی نہیں ہو سکتا۔ شادی اور اخلاق کو ایک شے سمجھ کر انسان نے ضمیر کشی کی ہے اتنی کسی اور غلطی سے نہیں کی۔ پروینیا چونکو نہیں۔ تم خوب جانتی ہو کہ شادی ایک پھندہ ہے جس میں مکرور یا کاوانڈا وال کر مرد کو پھنسا یا جاتا ہے۔ جب کنوار پتے میں تمہاری امی ہتیں ڈانٹ ڈپٹ کر ساز بجانا سیکھنے پر مجبور کرتی ہیں تو اس کے علاوہ ان کا اور کیا مقصد ہوتا تھا کہ وہ تمہارے شادی کے خواستگاروں کو یہ باور کرایں کہ اُن کے گھر میں ایک ایسی حور آئیں گی جس کی نغمہ سنجی سے سارا گھر گونجتا رہے گا۔ یا وہ کم از کم رات کو ساز بجا کر انہیں سلا یا کر لگی۔

تمہاری شادی میرے دوست سینکھڑے سے ہوئی۔ شادی کے بعد بھی مادہ کبھی تم نے ساز بجا یا؟

پروینا۔ تم تو احمق ہو خیاام۔ ایک جوان شادی شدہ عورت کیلئے گانے بجانے سے زیادہ اہم کام بھی ہیں۔ اس لئے وہ ساز موسیقی کو بھول جاتی ہو۔ خیاام۔ لیکن اگر اُسے موسیقی سے محبت ہے تو وہ اُسے نہیں بھول سکتی بات صرف اتنی ہے کہ جب شکار پھنس گیا تو دانہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہا پروینا۔ (چڑ کر) اور مرد تو اپنا شکار پھنسانے کے بعد بھی اپنے چہرہ سے نقاب نہیں اٹھتے۔ اور مرد تو لاپرواہ۔ خود غرض بے رحم نہیں ہو جاتے!! خیاام۔ اس طنز سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ یہی ناکہ ہمیر و بھی اتنا ہی دغا باز ہوتا ہے جتنی ہمیرون۔

پروینا۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ شادیاں عموماً بالکل کامیاب ہوتی ہیں۔ خیاام۔ ”بالکل کامیاب“ تو ذرا سخت لفظ ہے پروینا! تمہارا مطلب صرف اتنا ہے کہ سمجھدار آدمی ایک دوسرے کو نبھائے جاتے ہیں۔ اس طرح بہت سے دوست آشنا پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ بیرونی زلیور کہا جائے اور زندان کو ایک آرام گاہ۔ لوگ شادی کی اہمیت اور اس کے بندھن کے پچھے ہونے کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیڑیاں کاٹ دی جائیں اور قیدیوں کو اپنا اپنا رفیق حیات منتخب کرنے کی اجازت دی جائے تو سماج کا تمام نظام دیہم برہم ہو جائیگا۔ یا تو شادی کے قیدی خوش ہیں یا ناخوش۔ اگر وہ خوش ہیں تو

ان کے پاؤں میں بڑیاں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ خوش نہیں ہیں تو اس فریب میں کیوں مبتلا ہو جائے کہ وہ خوش ہیں۔

پروینا۔ پھر بھی ایک سن رسیدہ عورت کی حیثیت سے یہی کہنگی کی شادی سے دنیا آباد ہوتی ہے۔ عیاشی سے نہیں۔

خیام۔ ممکن ہے کبھی ایسا وقت آئے کہ ایسا ہی ہو۔ تم جانتی ہو کہ جہاں سچا وہاں راہ۔ یعنی انسان جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے کرنے کا وہ ایک ذریعہ نکال ہی لیگا۔ آپ محترم خواتین نے اپنا کام ختم کر لیا۔ یعنی یہ کہ مرد کے ذہن کو عشق کی طرف مائل کیا کہ یہی سب سے بڑی فضیلت ہے اور عشق کے معنی یہ سمجھائے کہ عشق رومان۔ حسن۔ اور مسرت کا نام ہے جو حسین نازک مزاج۔ عاشق مزاج لڑکیوں کا حصہ ہیں۔ اپنے عورتوں کو اپنے شباب۔ صحت۔ خدخال اور نزاکت کو اور سب چیزوں پر فوقیت اور ترجیح دینا سکھایا ہے۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ احساسات اور جذبات کی اس جنت میں چیخے چلانے والے بچوں کیلئے گنجائش کہاں چھوڑی گئی ہے۔ کیا اس کا واحد نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ انسانی خواہشات انسانی ذہن سے کہیں گئی ہمارے لئے کوئی ایسا ذریعہ ڈھونڈھ نکالو کہ ہم محبت جن۔ رومان۔ جذبات۔ اور امنگوں کے مالک بن جائیں اور ہندی لگے نہ پھٹکری۔ یعنی مصائب۔ آزمائشیں۔ بیماریاں مرنے کے خطرات نوکر دایاں۔ ڈاکٹر سکول نامیہ وغیرہ سے بے نیاز ہو جائیں

یہ برقرار رہتا ہے یہاں پہلے کی پیدائش کے لوازمات گھٹتے ہیں۔ (تشریح)

شیطان - خیام انسان کی یہ خواہش میری مملکت میں پوری ہو سکتی ہے۔
 خیام - جی ہاں۔ موت کے مول ! اس قیمت پر تو انسان یہ نعمتیں ہمیں
 خریدے گا وہ چاہتا ہے کہ آپکے جہنم کی رومانی لذتیں اسے دنیا ہی میں
 حاصل ہو جائیں۔ ہاں۔ تو انسانی خواہشات کی فرمائش کے بموجب ذہن
 ایک فریو پیدا کر لگا۔ وہ وقت آرہا ہے جب بڑی بڑی قومیں اپنی
 مردم شماری میں اپنے افراد کی تعداد کو مائل بہ تنزل پائیگی جب چھ
 کروں کے شنگلے کی قیمت کنبوں کی رہائش کی حویلیوں سے بڑھ جائیگی
 وہ ایسا وقت ہوگا کہ ماعقت اندیش غریب اور بے وقوف امیر نسل
 کو خراب کر کے نسل بڑھا رہے ہوں گے۔ خود غرض پر کار لوگ۔ من چلے
 شاعر۔ دولت اور عیش کے بھوکے آرٹ اور عشق کے پجاری۔ سب کے
 سب مل کر دعا کریں گے کہ ”قوت حیات“ کا بانجھ پن دور ہو جائے۔
 بہت۔ میرے دوست یہ سب باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر
 تم پروینا کی عمر تک زندہ رہتے یا صرف میری ہی عمر پاتے تو ہمیں
 معلوم ہوتا کہ جو لوگ افلاس اولاد۔ اور دوسری گھربلو تکالیف
 سے نجات حاصل کر کے مزے کی زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں
 ان کے ذہن پر بڑھاپے۔ بد صورتی۔ کمزوری اور موت کا خوف سوا
 ہو جاتا ہے بچے اولاد کا شوہراپنی بیوی کی کسمتی اور نت نئی فرمائشوں
 سے اس قدر گھبرا جاتے ہیں جتنا وہ ہمیں بچوں کا باب سننے پر بھی نہ گھبراتے

لے شاید وہ وقت آچکا ہے ! (مترجم)

ان کی بیویاں ان سے بھی زیادہ بری حالت میں رہتی ہے۔ میں بھی کبھی خود ہیں و خود پسند تھا۔ جوانی میں عورتیں میری وجاہت کی تعریف کیا کرتی تھیں اور اب بُت کی حیثیت سے نقاد فن مجھے سراہتے ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ مجھے عیش و عشرت میں لوٹنے کے سوا اور کچھ نہیں کرنا ہے تو میں خود اپنا گلا کاٹ لیتا جب میں نے پروینا کی ماں سے شادی کی — یا یوں کہئے کہ جب پروینا کی ماں نے مجھ پر غالب آکر مجھ سے شادی کر لی۔ تو میں خوب جانتا تھا کہ میں اپنے حق میں کانٹے بورہا ہوں۔ اور مجھ جیسے آن بان کئے مڈر افسر کیلئے شادی شکست اور گرفتاری کے حامل ہوگی۔

پروینا۔ ابا!

حبیب۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں رنج پہنچایا۔ لیکن چونکہ خیام نے اپنی گفتگو میں کوئی لگی لپی نہیں رکھی ہے اس لئے میں نے بھی ایک حقیقت بیان کر دی۔

پروینا۔ ہون تو شاید ان کانٹوں میں سے ایک کانٹا میں بھی تھی۔
حبیب۔ نہیں پیاری بچی۔ تم تو پھول تھیں۔ جو تکلیفیں تم سے مجھے پہنچیں ان کی اصل وجہ تمہاری ماں تھی۔

خیام۔ کماندار کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم حبت چھوڑ کر اس جگہ عیش و عشرت میں لوٹنے کیلئے کیوں آئے ہو حالانکہ دنیا میں اسی چیز نے تمہیں اپنا گلا کاٹنے پر آمادہ کیا تھا۔

حبت - (کچھ سمجھ کر) ہاں تم کہتے تو ٹھیک ہو۔

شیطان - (چونک کر) ارے۔ کیا آپ اپنے قول سے پھر رہے ہیں۔

(خیام سے) اور یہ آپ کی تمام فلسفیانہ باتیں بھلاسنے کا بہانہ تھا۔

(بت سے) کیا آپ اُس غیر دلچسپ اور بے کیف دنیا کو بھول گئے

جس سے میں آپ کو یہاں پناہ دے رہا ہوں (خیام وہ نسل کے ختم

ہونے کی پیشین گوئی آپ فرما رہے ہیں اس کا اصل مقصد کیا ہے یہی ناکہ

محبت اور آرٹ کی نیکیوں سے لطف اندوز ہو جائے اور یہ آپ بھی

مانتے ہیں کہ محبت اور آرٹ نے ہی آپکے ذوق کی پرورش کی اور آپ کو

ایک بہتر انسان بنایا۔

خیام - میں نے انسانی نسل کے ختم ہو جانے کی پیشین گوئی انہیں کی۔ قوتِ حیات

خود اپنی معدوم کی کبھی نہ چاہے گی۔ چاہیے وہ غیر منظم صورت میں ہو

یا منظم صورت میں۔ ابھی میں نے گفتگو ختم نہیں کی تھی کہ کماندار صاحب نے

قطع کلام فرما دیا۔

بت - دوست میں اس فکر میں ہوں کہ تم اپنی تقریر کو ختم بھی کرو گے یا نہیں

تمہیں باتیں کرنے کا بہت شوق ہے۔

خیام - آپ دوست فرما رہے ہیں۔ لیکن جہاں آپ نے اتنا بروہشت کیا وہاں

مجھے ختم ہی کر لینے دیجیے۔ نسل کے ختم ہونے سے پہلے۔ جس کا امکان

صاف ظاہر ہے۔ ردِ عمل شروع ہو جائے گا۔ افزائشِ نسل کا اصل مقصد

جو آج کل عشق۔ رومان۔ شرم و حجاب وغیرہ کے پردوں میں چھپا ہوا ہے

آفتاب بن کر سب کے سامنے آجائیگا تاکہ سب دیکھ لیں۔ یہ مقصد خود غرضی کی تسکین کرنا ہوگا۔ ریلے اور ٹرکیوں کے زمینیں خواہوں کی تعبیر نہ ہوگا۔ بوڑھے آدمیوں کیلئے دولت اور مصاحب ہمیا کرنے کا بہانہ ہوگا۔ مذہب کی رسمی شادیوں کی وہی قدر و منزلت کی جائے گی۔ لیکن یہ عہد کہ موت ہی ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر سکیگی غیر ضروری اور مہمل تصور کیا جائیگا محترمہ کیا آپ تسلیم کر سکیگی کہ جنسی رشتہ ذاتی یا دوستانہ رشتے کا نام نہیں ہے پروینا۔ ذاتی یا دوستانہ رشتے کا نام نہیں ہے اس سے زیادہ اور ذاتی پاک اور مقدس رشتہ کون ہو سکتا ہے؟

نجیام۔ تم اسے پاک اور مقدس رشتہ کہہ سکتی ہو لیکن ذاتی یا دوستانہ نہیں خدا سے تمہارا رشتہ پاک اور مقدس ہے لیکن کیا تم اسے ذاتی یا دوستانہ تعلق کہنے کی جرات کر سکتی ہو؟ وہ عالمگیر تخلیقی قوت جس کے مرد اور عورت دونوں محکوم ہیں جب جنسی رشتہ کی شکل میں کار فرما ہوتی اس وقت ذاتی تعلقات کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہیں رہتی۔ مرد و عورت کا جوڑا چاہے ایک دوسرے سے بالکل اجنبی کیوں نہ ہو۔ دونوں مختلف زبانیں بولتے ہوں۔ نسل۔ رنگ۔ عمر۔ رجحانات میں کتنے ہی مختلف کیوں ہوں صرف نظر سے نظر ملتے ہی "قوت حیات" ایک دوسرے کی آغوش میں پھینک دیتی ہے۔ کیا ہم روزمرہ ایسے واقعات ہیں دیکھتے ہیں کہ مرد یا عورت کی مرضی کے بغیر اس کی شادی کر دی جاتی ہے کیا تم نے اکثر انگریز قوم کی حماقت سے نفرت کا اظہار نہیں کیا ہے۔ جہاں شریف

خاندانوں کے مرد اور عورتیں دہقانوں کی طرح ایک دوسرے سے
آشنائی پیدا کر کے شادی کے لئے رچھاتے ہیں اور تم نے غور کیا کہ شادی
سے پہلے وہ دہقان اپنی دہن کے متعلق اور دہن دو لہا کے متعلق کیا
جانتی ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے لئے وکیل یا ڈاکٹر کا انتخاب بھی
اس قدر جلدی نہیں کرتے جتنا کہ عاشق ہو کر شادی کر لیتے ہیں۔

پروینیا۔ آخر کار تمہیں شادی کی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑا۔ حالانکہ تمہاری
راے میں محبت کا رشتہ تمام انسانی رشتوں میں سب سے کمزور رشتہ ہے
خیام۔ تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو۔ محبت کا بندھن تو شاید تمام انسانی بندھنوں
میں سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اتنا مضبوط کہ اسے محض ذاتی تعلق
نہیں کہا جاسکتا۔ آپس کی لڑائی میں کیا تمہارے والد ملک کی خدمت
کر سکتے اگر وہ یہ عہد کر کے لڑتے کہ میں غنیم کے اسی فرد کو مارؤ لگا جسے
مجھے ذاتی طور پر نفرت ہو۔ کیا ایک عورت ملک کی خدمت کر سکتی ہے اگر
وہ یہ عہد کرے کہ میں اس شخص سے شادی نہیں کروں گی جس سے مجھے پہلے
سے عشق نہ ہو۔ تم جانتی ہو کہ ایسا نہیں بڑے گھروں کی لڑکیاں بڑے
گھروں کے لڑکوں سے ہی شادیاں کرتی ہیں، دران رشتوں کی بنیادیں
سیکی۔ یا خاندانی ہوتی ہیں۔ ذاتی نہیں۔

بُت۔ (متناثر ہو کر) بات تو چپے کی کہی ہے خیام! میں اسی مسئلہ پر غور
کر رہا ہوں۔ آج تو عہدے ذہن میں بڑے قیمتی خیالات آرہے ہیں۔ یہ بات
تمہیں کیسے سوچھی؟

خیام۔ یہ میں نے تجربہ سے سیکھی جب میں زمین پر تھا اور لڑکیوں کو شادی کا پیغام دیا کرتا تھا۔ لڑکیاں چاہے پروینا کی نظروں میں کتنی ہی بُری کیوں ہوں انہوں نے مجھے رستم و ستم ضرور بنا دیا ہے۔ تو عموماً مجھے یہ جواب ملتا تھا کہ وہ مجھے منظور کر لیں گی بشرطیکہ میری عادات شریفانہ ہوں، جب میں دریافت کرتا تھا کہ اس سے ان کا مطلب کیا ہے تو مجھے بتایا جاتا تھا کہ وہ مجھ سے یہ چاہتی ہیں کہ میں اُن کے جان و مال کی حفاظت کروں۔ ہر وقت اُن کے پاس بیٹھارہوں ہر معاملہ میں ان کی قیمتی رائے سے فائدہ اٹھاؤں۔ اُن سے لگاتار باتیں ہی کرتا رہوں۔ قسم کھاؤں کہ ہمیشہ اُن کے حُسن سے مسحور ہوتا رہوں گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی اور عورت کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہ آنے دوں۔ میں نے ان شرائط کو ماننے سے اس نے انکار نہیں کیا کہ یہ بہت سخت ہیں یا انسانی فطرت کے خلاف ہیں، بلکہ اس لئے کہ ان کی ضروریات ہی کیا تھیں۔ میں نے سب کو یہی جواب دیا کیا جن باتوں سے مجھے منع کیا جا رہا ہے ان کا کوسھی مجھے خیال تک نہیں آیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اسی صورت میں اپنی شریک حیات سے رائے لے سکتا ہوں اگر وہ مجھ سے زیادہ ذہین اور بخیر ہو۔ ورنہ اسکی رائے سے میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ ہر وقت ان کے پاس بیٹھ رہنے سے اکتا جاؤں گا۔ باقی رہا یہ کہ میں کسی عورت کا خیال دل میں نہ لادوں تو سچی بات یہ ہے کہ میں اپنے ایک ہفتہ بند کے احساسات اور رجحانات کی بابت بھی کچھ نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ ساری عمر کی ذمہ داری کو

مجھ سے یہ کہنا کہ میں اپنے احباب میں سے نصف کیلئے بالکل مر جاؤں
 ذرا زیادتی ہے۔ میری عرضداشت کو ان باتوں سے دور کا بھی تعلق
 نہیں۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ میں نے اپنی اور ان کی جوانی سے
 متاثر ہو کر شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔

پروینا۔ گویا تمہاری خواہش بے اخلاقی پر مبنی تھی۔

نجیام۔ صاحبزادی صاحبہ۔ فطرت خود۔ تمہارے الفاظ ہیں۔ ”بہ اخلاق ہے“
 مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن یہ واقعہ ہے۔ فطرت کتنی ہے۔ وقت
 کفن کھوٹ ہے۔ اور موت۔ خونی!! میں ہمیشہ ان حقائق کی روشنی پر
 رسم و رواج کو دیکھا ہے۔ تم ان تین چڑائیوں کی تعریف کر کے خوش کرنا چاہتی
 ہو۔ اور ان پر سراج کی بنیادیں کھڑی کرنا چاہتی ہو۔ اسی لئے تو سراج
 اندر سے کھوکھلا ہے۔

بہت۔ عورتیں تم سے کیا کہتی تھیں؟

نجیام۔ اچھا تو آج راز کی باتیں ہو جائیں۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم عورتوں سے
 کیا کہتے تھے۔

بہت۔ میں ان کے سامنے قسم کھاتا تھا کہ میں مرتے دم تک وفا شعار رہوں گا
 اگر وہ انکار کریں گی تو میں جاؤنگا میں ہمیشہ ہر عورت کو اس کے مقابلے
 میں حقیر سمجھوں گا۔

پروینا۔ اس کے مقابلے میں۔ کس کے مقابلے میں؟

بہت۔ اب..... وقت پر جو بھی سامنے ہو۔ بعض جملے ایسے تھے جو میں

۲۱۴
 ہر عورت سے کہا کرتا تھا۔ ایک تو یہ کہ انسی سال کی عمر ہونیکے بعد بھی اس
 کے سر کے سفید بال میرے لئے کسی ماہر و حینہ کی سنہری زلف سے کہیں
 زیادہ مجاذب و مقرب و نظر ہو گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں تصویر ہی نہیں
 کر سکتا کہ اس کے سوا کوئی اور عورت میرے بچوں کی ماں ہو سکتی ہے۔

خیام - بڑھا مکار کہیں کا۔
 بت - نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں۔ جب میں یہ باتیں کہتا تھا تو پورے وثوق
 کے ساتھ کہتا تھا۔ میرے سینے میں دل تھا۔ تمہاری طرح نہیں اور اپنے
 اس خلوص کی وجہ سے مجھے کامیابی ہوتی تھی۔

خیام - خلوص! سفید جھوٹ!!! اسے تم خلوص کہتے ہو۔ ایک عورت کو دہوکہ
 دینے کے شوق میں خود اپنے آپ کو دہوکہ دینے کو تم خلوص کہتے ہو۔
 بت - ہٹا اپنی اس منطق کو۔ میں ایک عاشق تھا۔ وکیل نہیں اور اسی لئے
 وہ مجھ سے محبت کرتی تھیں۔

خیام - انہوں نے تمہیں باور کرایا کہ وہ تم سے محبت کرتی ہیں۔ تم شاید
 یقین کرتے تھے۔ بعض اوقات جذبات سے متاثر ہو کر حسین اور رنگین الفاظ
 اس طرح میرے منہ سے نکلنے لگتے تھے کہ آں پر قابو حاصل کرنا
 مشکل ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد میں ٹھنڈے دل سے اپنی بکواس پر غور کیا
 کرتا تھا۔ اور میری آنکھوں میں آنسو بھراکے تھے لیکن بعض وقت میں
 محسوس کرتا تھا کہ عورتوں کے ظلم سے چھٹکارا پانا اسی قدر مشکل ہے جتنا
 ان کی عنایات سے جب کوئی صاحبہ مجھ پر مائل ہوتی تھیں میرے لئے

دو ہی راستے ہوتے تھے۔ یا تو عمر بھر غلامی کروں۔ یا بھاگ جاؤں
 پروینیا۔ تم ب اور میرے سامنے یہ شیخی بگھار رہے ہو کہ ہر عورت تم پر
 ہزار جان سے فریفتہ ہو جاتی تھی۔

خیام۔ نہ میں شیخی بگھار ہا ہوں؛ میں تو اس وقت اپنا نہایت کمزور پہلو تمہارے
 سامنے پیش کر رہا ہوں اس کے علاوہ میں نے کہا تھا جب کوئی عورت
 مجھ پر مائل ہوتی تھی لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا۔

لیکن اس کے باوجود بھی اُف رے پار سائی! کس کس بہانے سے
 پاکبازی جتلائی جاتی تھی۔ عاشق حزیں پر عتاب کے کیا کیا مناظر دکھلا
 جاتے تھے۔ تو بہ تو بہ۔

پروینیا۔ میں نے تو کوئی منظر نہیں دکھایا۔ میں نے صرف ابا کو بلایا تھا
 خیام۔ اور وہ تشریف لائے۔ شمشیر کھنڈ۔ عزت و عصمت کے بے حرمتی
 کا بدلہ میرے خون سے لینے کیلئے۔

بت تمہارے خون سے لینے کیلئے! کیا مطلب تمہارا! میں نے تمہیں
 قتل کیا تھا یا تم نے مجھے قتل کیا تھا۔

خیام۔ ہم دونوں میں سے اچھا بے باز کون تھا؟
 بت۔ میں۔

خیام۔ واقعی تمہیں تھے۔ تم نے کیسی کیسی عیاریاں اور مکاریاں کی ہیں
 جن کی داستان تم نے ابھی خود اپنے منہ سے بیان کی۔ اور اس کے
 باوجود عزت و عصمت کے پائسان بن کر تم میری جان لینے پر تیار

ہو گئے تھے۔ اگر وہ پاؤں پھسلے والا حادثہ نہ ہوتا تو تم نے مجھے مار ہی ڈالا تھا۔

بُت ۔ وہ میرا فرض تھا۔ زمین کے ریم و رواج ایسے ہی تھے۔ میں کوئی سماجی مصلح تو تھا نہیں اس لئے میں نے وہی کیا جو ایک شریف آدمی کرتا خیام ۔ تو مجھ پر حملہ کر نیکی وجہ تو یہ ہوئی۔ لیکن بُت بننے کے بعد بھی جو تم مکاری سے باز نہیں آتے اس کی کیا وجہ ہے؟

بُت ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جنت میں بھیجا گیا۔ شیطان ۔ خیام صاحب! آپ نے اور کماندار صاحب نے جس قسم کی زندگی دنیا میں بسر کی اور جو تجربات حاصل کئے انہیں سن کر تو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ زندگی کے متعلق جو میں نے رائے قائم کی ہے وہ غلط نہیں میں پھر کہتا ہوں کہ یہاں وہ سب کچھ موجود ہے جس کے آپ تماشائی تھے اور وہ چیزیں موجود نہیں ہیں جن سے آپ کو نفرت تھی۔

خیام ۔ نہیں۔ صورت حال اس کے بالکل الٹ ہے۔ یہاں وہ سب چیزیں موجود ہیں جن سے دنیا میں مجھے نا اُمیدی ہوئی۔ آزمودہ را آزمودن جہل است۔ میری زندگی کا اصول یہ ہے کہ میں ہر نامکمل چیز کو مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اپنی شخصیت کی تکمیل ہمیشہ میرے پیش نظر رہتی ہے مگر ”یا قوتِ حیات“ کا مقصد ہے کہ تنظیم خودی۔ شعور ذاتی۔ اور خود آگاہی کی بلند سے بلند تر مثال ملے کی جائیں میری ذات ”قوتِ حیات“ کے ان مقاصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اس بلند مقصد کے سامنے

میں دنیا کو ایک جداگانہ نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں۔ محبت میری نظریں
 محض ایک ہنگامی لذت کا نام ہے۔ آرٹ میری صلاحیتوں کا تفریحی
 مشغلہ ہے۔ مذہب کاہلی کا ایک بہانہ ہے۔ کیونکہ اس نے انسان کے ذہن
 میں ایک ایسے خدا کا تصور پیدا کر دیا ہے جو اس دنیا کو مکمل سمجھتا ہے
 برخلاف اس کے میں نے دنیا کو اپنے زاویہ نظر سے دیکھا اور محسوس
 کیا کہ ابھی دنیا کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ مسرت، صحت اور اطمینان کی
 جستجو میں مجھے کبھی خوشی نصیب نہیں ہوئی۔ غم عشق مجھے کبھی عورت
 کی طرف نہیں لگیگا۔ البتہ غم روزگار کی تلخیوں سے ٹھک کر میں نے عورت
 کے بازوؤں میں ضرور پناہ لی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو اگر کبھی
 کھیلنے کھیلنے کسی پتھر سے میرا سر ٹکرا جاتا تھا تو میں بھٹایا ہوا کسی عورت
 کے پاس جاتا تھا اور اس کی آغوش میں بیٹھ کر رو کر اپنا درد دہلکا کرتا تھا
 جب میں بڑا ہوا اور میرا سر دنیا کے تلخ حقائق کی چٹانوں سے ٹکرایا تو میں
 نے تقریباً وہی طرز عمل اختیار کیا جو بچپن میں کیا تھا۔ میں نے کچھ لطف
 زندگی بھی اٹھایا ہے۔ محنت و مشقت کے بعد ٹکڑاں اتاری ہے۔ مجھے
 کشمکش حیات میں سانس لینے کے موقع ضرور ملے ہیں۔ لیکن میں اس
 بیوقوف اطالوی شاعر کے جہنم میں گھسیٹا جانا بہتر سمجھتا ہوں بہ نسبت یورپ

۱۔ برنارڈشا اس وقت مذہب کے اس تصور کو پیش نہیں کر رہا ہے جیسا کہ ہونا چاہیے
 اس نے وہ تصور پیش کیا ہے جو انسان کے ذہن میں ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے
 اقبال سے مقابلہ کیجئے۔ ع۔ نقش گرازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی۔ ۲۔ دانستے (مترجم)

۲۱۸
 کی زنجین محبتوں میں رنگ ریاں مٹانیکے اسی لئے یہ قصرِ مسرت مجھے ایک
 آنکھ نہیں بھاتا۔ تمہارے دل میں اس احساس کے مفقود نے بھی ہتھیں وہ
 عجیب غریب مخلوق یعنی شیطان بنا رکھا ہے۔ تمہاری کامیابی کا راز فقط
 یہ کہ تم نے لوگوں کو اپنے مقصد سے بیگانہ کر رکھا ہے۔ اور اسی لئے
 ”تمہیں بھگانے والا“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی کے ہنسی بلکہ تمہاری
 مرضی کے تابع ہیں اسی لئے وہ غیر مطمئن، جھوٹے، بے چین، ظاہر وار
 بد دماغ اور بد تمیز ہیں۔

شیطان - (دجل کر) آپ میرے دوستوں کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔
 خیام - مجھے آپکے ساتھ یا آپ کے دوستوں کے ساتھ تئیریں کلامی کرنیکی
 کیا ضرورت ہے۔ اس آئیوانِ دردِ غم کوئی ”ہیں اگر دو ایک سچی باتیں کہہ دی
 جائیں تو کیا ہرج ہے۔ آپ کے دوست سبکے سبب و غاباز اور مکار ہیں
 وہ خوبصورت نہیں صرف بے ٹخنے ہیں پاک و صاف نہیں صرف ڈاڑھی منڈھے
 ہیں اور ٹھٹھتے سے رہتے ہیں۔ صاحبِ جاہ و جلال نہیں صرف جدید طرز
 کے کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ تعلیم یافتہ نہیں صرف کالج کے نکلے ہوئے
 ہیں۔ مذہبی نہیں محض مسجد اور مندر میں رہنے والے ہیں۔ پاکباز نہیں
 صرف رجت پسند ہیں۔ نیک چلن نہیں صرف بزول ہیں۔ بدکار نہیں
 صرف کمزور ہیں۔ آرٹسٹ نہیں صرف شہوت پرست ہیں۔ خوش حال نہیں
 صرف دو تئند ہیں۔ وفادار نہیں صرف غلام ہیں۔ فرض شناس نہیں صرف
 ڈرپوک ہیں۔ خادمانِ خلق نہیں صرف وطن پرست ہیں۔ بہادر نہیں محض جھگڑا

ہیں مشیت مزاج انہیں صرف ضدی ہیں۔ حاکم نہیں صرف جابر ہیں۔ خود آہٹیں صرف خود نما ہیں۔ ہر باں انہیں محض جذباتی ہیں۔ ملنسار نہیں صرف ”جھٹھے باز“ ہیں۔ ہمدرد نہیں صرف نفیریں بیان ہیں۔ ذہین نہیں صرف سخن پرور ہیں۔ ترقی پسند نہیں صرف فرقہ بند ہیں۔ صاحب تحیل نہیں صرف وہمی ہیں۔ انصاف پسند نہیں صرف تغیر پسند ہیں۔ فیاض نہیں صرف باتونی ہیں۔ پابند اصول نہیں صرف لکیر کے فقیر ہیں مختصر یہ کہ سب اہل رعبہ کے فریبی ہیں۔ ۳۴/۵۵

بُت۔ خیام! تمہارے الفاظ کی روانی توحیرت انگیز ہے۔ کاش میں بھی اپنے سپاہیوں سے یوں ہی گفتگو کر سکتا۔
شیطان۔ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ جو پہلے بھی کئی بار کہی جا چکی ہیں۔
لیکن وینا نے ان کی طرف کچھ بھی توجہ کی۔

خیام۔ ہاں یہ صرف باتیں ہی باتیں ہیں۔ لیکن یہ صرف باتیں ہی کیوں ہیں کیونکہ حسن۔ عصمت۔ عورت۔ مذہب۔ اخلاق۔ آرٹ۔ حب الوطنی۔ بہادری اور دوسرے الفاظ ایسے ہیں کہ جو کبھی شرمندہ معنی بنوے۔ اگر یہ حقائق ہوتے تو میرا تم پر لگایا ہوا الزام صحیح ہو جاتا۔ لیکن آپ کی خوش قسمتی سے یہ حقائق نہیں ہیں۔ جیسے آپ نے کہا کہ۔ یہ محض الفاظ ہیں غیر مذہب قوموں کو مذہب بنانا بکا و مو کہ دینے کیلئے۔ تہذیب یا تہ قوموں کو مفلس اور غلام بنانے کیلئے۔ یہ حاکم قوم کا لازمی رستہ ہے۔ اور اگر ہم لوگ جو کہ حاکم قوموں میں سے ہیں قوت اور عیش و عشرت

لی ٹوہ میں لگے رہنے کی بجائے دنیا میں زندگی کو اپنا مقصد بنائیں
 تو یہی راز سربستہ ہمیں بلند سے بلند تر کر دیگا۔ ایک معزز خاندان
 کے چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے میں بھی اس راز سربستہ سے واقف
 ہوں تو آپ اندازہ کیجئے کہ اخلاقیات کے اس ڈھونگ کی میرے ساتھ
 کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ اگر آپ لوگ اپنا یہ اخلاقی کھیل ایماذاری
 سے کھیلتے تو کم از کم اسے دیکھنے میں تو مزا آتا۔ لیکن آپ لوگ ہر حال
 پر دھوکہ دیتے ہیں۔ اور اگر آپکا مد مقابل آپ کے کان کاٹ دے تو
 آپ کھیل کی منبر کو الٹ کر اسے قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔
 شیطان۔ ممکن ہے دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہو کیونکہ دہاں کے لوگ جاہل
 ہیں اور وہ میرے مذہب کے محاسن کو نہیں سمجھ سکتے لیکن یہاں —
 خیام۔ جی ہاں میں جانتا ہوں۔ یہاں حسن و عشق کے سوا اور کچھ ہے ہی
 نہیں کمی ڈرامہ کے پہلے ایکٹ کو دیکھتے رہیں اور منتظر رہیں کہ زیادہ
 دلچسپ حصہ کب شروع ہوتا ہے۔ دنیا میں میرے وہم و گمان میں
 کبھی نہیں آتا تھا کہ جہنم اس قدر ہولناک جگہ ہے۔ یہاں میرا وجود
 مشاطہ کی طرح ہے جو حسن کو ہاتھوں میں لے سکتی ہے اور زلفوں سے
 کھیل سکتی ہے۔ یہاں میں ایک میٹھی فضا میں سانس لیتا ہوں۔ ایسے
 ہی جیسے حلوائی کی دوکان میں اس کا نوکر۔ گماندار! کیا جنت میں کچھ
 خوبصورت عورتیں بھی ہیں۔

جنت۔ نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ سب بھدی بھتس! زیور و غیرہ بھی کیہ نہیں

ہاتھ پیرنگے ۔

خیام - میں وہاں جانے کیلئے بے تاب ہوں کیا وہاں کبھی لفظ ”حسن“
لوگوں کی زبان پر آتا ہے ۔ اور کیا وہاں فنونِ لطیفہ کے رمیا ہیں ۔
بتا ۔ اور تو اور اگر ایک اچھا مجسمہ ان کے پاس سے گزر جائے تو وہ
اس کی بھی تعریف کرنا نہیں جانتے
خیام - میں تو جاؤنگا ۔

شیطان - خیام صاحب ! کیا میں صاف صاف کہوں ؟
خیام - کہوں کیا پہلے تم نے صاف صاف نہیں کہا تھا ۔
شیطان - جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے لگی لٹی نہیں رکھی ۔ لیکن اب
میں کچھ اور کہتا ہوں ۔ انسان ہر چیز سے اکتا جاتے ہیں ۔ جنت سے
بھی اتنے ہی اکتا جاتے ہیں جتنے جہنم سے ۔ اور تو ایچ گویا ان دونوں
سروں کے درمیان جھولا جھولنے یا گھٹنے کے ٹکسن کے پلنے کی رُوداد
ہے ۔ ایک عہد گویا اس جھولے کی ایک پینک ہے ۔ ہر نسل سمجھتی ہے
کہ دنیا ترقی کر رہی ہے حالانکہ وہ صرف جھول رہی ہے ۔ لیکن جب
آپ اتنے بوڑھے ہو جائیں گے جتنا کہ میں ہوں ۔ جب آپ جنت سے
ہزار بار اُسی طرح اکتا جائیں گے جیسے کہ کماندار صاحب اور میں ۔
اور جہنم سے ایسے ہی اکتا جائیں گے جیسے اب آپ اکتا گئے ہیں تو
اس وقت آپ کو محسوس ہو گا کہ جنت سے جہنم کی طرف جانے والا جھوٹا
نجات نہیں ہے ۔ جہنم سے جنت جانے والا جھوٹا دار لقا نہیں ۔ جہاں

۲۲۲
تم آج کل اصلاح ترقی اور انسان کی بلندی پر وازی دیکھ رہے ہو وہاں
تمہیں صرف ایک مضحکہ خیز فریب نظر دکھائی دے گا اور اس وقت تمہیں میرے
دوست کو ہے بیٹا کے قول کی صداقت کا احساس ہو گا جس نے کہا
تھا کہ سورج کے نیچے کوئی چیز نئی نہیں ہے۔

خیام - (بے تاب ہو کر) واللہ تمہارا یہ بیان تو اس تقریر سے بھی زیادہ
عجیب و غریب ہے جو تم نے حسن و عشق کے موضوع پر کی تھی بھلے آدمی کیا
تمہارا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انسان ہر چیز سے اکتا جاتا ہوا اسلئے ایک کیڑے
سے کتے سے یا بھیڑیے سے بھی گیا گزرا ہے کیا وہ کھانا چوڑا دیکھا
کیونکہ کھانا کھانے سے اس کی بھوک مر جاتی ہے کیا غیر مزرعہ کھیت
بخر ہوتا ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ "قوتِ حیات" نے ہر گھڑی کے ٹکسن
کی شکل اختیار کی ہے اور زمین کو ٹکسن کا سراپا لگوا کر قرار دیا ہے میں
تسلیم کرتا ہوں کہ اس گیند کی حرکت انسان کی تاریخ ہے بلکہ میں یہاں تک
تسلیم کرتا ہوں کہ وقت کی بے پناہ وسعتوں میں ہزار ہا سورج زمین کو
اس طرح پھینکتا اور لپکتا ہے جیسے سرکس کا کھلاڑی گیند کو پھینکتا اور
لپکتا ہے اور ہمارے عہد اور دور صرف اس پھینکنے اور لپکنے کے درمیان
واقعے ہیں یہ سب اندھی میکانیکی ہے کوئی مقصد معین نہیں کیا گیا ہے۔
شیطان - ہاں میرے دوست واقعی کوئی مقصد نہیں ہے چونکہ آپ کی زندگی

۱۰ سال کے نقطہ نظر سے کہ ارض سورج کا ایک ٹکڑا ہے جو کروڑوں سال کے بعد اس سے ٹوٹ کر جدا ہو گیا۔

کا ایک مقصد ہے لہذا آپ سمجھتے ہیں کہ فطرت کی حیات کا بھی ایک مقصد ہے۔
یہ تو ایسا ہرگز آپ توقع کریں کہ آپ کی طرح فطرت کی انگلیاں اور
پنچے ہوں گے۔

خیام۔ لیکن اگر یہ انگلیاں اور پنچے میرے کام نہ آتے تو یہ میرے بدن
پر موجود نہ ہوتے۔ بندہ نوازا میں بھی فطرت کا ایک ایسا ہی جزو ہوں
جیسے انگلی میرے بدن کا جزو ہے۔ جیسے میری انگلی ایک عضو ہے جس
سے میں تلوار اور ستار کو پکڑ سکتا ہوں ایسے ہی میرا دماغ بھی ایک
عضو ہے جس کے ذریعہ فطرت اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔
میرے کتے کا دماغ صرف کتے کی زندگی کا مقصد پورا کرتا ہے لیکن میرا
دماغ میرے اپنے مقصد کو نہیں بلکہ فطرت کے مقصد کو یعنی اپنے آپ کو
سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اسلئے میری زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ اگر صرف اپنے
ذاتی مقصد کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہ ہو تو بجائے فلسفی ہونے کے
مجھے دہقان بننا چاہیے۔ کیونکہ دہقان بھی اتنے دن زندہ رہتا ہے جتنا
کہ فلسفی۔ اور فلسفی سے زیادہ کھاتا ہے۔ زیادہ گہری نیند سوتا ہے۔
اور اپنے بیوی بچوں میں خوش رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فلسفی قوت
حیات گئی مٹھی میں ہے۔ قوت حیات اس سے کہتی ہے میں نے صرف زندہ
رہنے کی کوشش کرتے ہوئے اور اپنی منافذ سے گرنیکے لئے سیدھا اور
صاف راستہ تلاش کرتے ہوئے غیر شعوری طور پر عجیب و غریب کارنامے

کئے یہ نظریہ ڈارون کا ہے۔ (مترجم)

کرد کھائے۔ اب میں اپنے آپ کو اور اپنے مقصد کو جاننا چاہتی ہوں
 اور اپنا راستہ معین کرنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے ایک مخصوص دماغ
 پیدا کیا ہے۔ فلسفی کا دماغ — یہ دماغ میرے لئے یہ سب کچھ سوچے
 گا جیسے کسان میسے لئے ہل جو تباہ ہے۔ فلسفی سے مخاطب ہو کر قوت حیات
 کہتی ہے مرتے دم تک تم اسی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہو۔ تمہارے
 مرنے کے بعد کام جاری رکھنے کیلئے ایک نیا دماغ اور ایک نیا فلسفی
 پیدا کروں گی۔

شیطان۔ صرف جاننے اور سمجھنے سے کیا فائدہ؟
 خیام۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ قوت حیات سیدھے اور صاف راستے
 پر چلنے کی بجائے اس راستے پر چلیگی جس پر منزل جلد آجائے۔ کیا ایک
 جہاز کے چلنے میں اور ایک مکڑی کے مکھڑے کے بننے میں کوئی فرق نہیں
 فلسفی فطرت کا ناخدا ہے۔ اور جنت اور دوزخ میں بھی یہی فرق ہے
 جہنم میں رہنا ایسا ہے جیسے بہنا۔ جنت میں رہنا ایسا ہے جیسے تیرنا۔
 شیطان۔ غالباً چٹانوں کے آس پاس۔
 خیام۔ ہو نہ کو نہ جہاز چٹانوں سے ٹکراتا ہے۔ وہ جو اندھا دھند ہوا
 کے زور پر چلا جا رہا ہو یا وہ جس کا ناخدا اس کی رہنمائی کیلئے موجود ہو۔

یہاں برنارڈ شاو نے بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔ اس بیان کا
 شو پیہاؤر کے نظریۂ خواہش حیات سے مقابلہ کرنے کیلئے میری کتاب "مکڑی" کا
 ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔ (مترجم)

شیطان۔ بہت خوب خیام صاحب آپ جو من میں آئے کیجئے۔
 میں خود اپنا حاکم ہونا پسند کروں گا بہ نسبت اس کے کہ ایک اندھی
 قوت کا آلہ کار بن جاؤں۔ میں جانتا ہوں کہ حسن آنکھوں کو اچھا معلوم
 ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ موسیقی کانوں کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ میں
 جانتا ہوں کہ محبت محسوس کرنے میں کیف آور معلوم ہوتی ہے۔ اور میں
 یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سب دلچسپ گفتگو کے موضوع بن سکتے ہیں اور بس
 میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان احساسات اور جذبات کے حاصل ہونے کے معنی
 ایک ترقی یافتہ انسان کے ہیں۔ چاہے گرجوں اور مسجدوں میں میری کتنی
 ہی برائی ہوتی ہو لیکن ترقی یافتہ لوگوں کی صحبتوں میں سب جانتے ہیں
 کہ ”شاہِ ظلمات“ ایک شریف فرد ہے۔ اور بس میرے لئے یہی کافی ہے
 باقی رہی آپ کی قوت حیات جس کی قید سے چھٹکارا حاصل کرنا آپ ناممکن
 سمجھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس سے نجات حاصل کرنا نہایت آسان ہے۔
 بشرطیکہ انسان ارادہ کا یکا ہو۔ لیکن اگر آپ فطرتاً بے وقوف اور
 ضعیف الذلتقاد ہیں جیسے کہ اکثر مصلحین ہوا کرتے ہیں۔ تو پہلے تو
 قوت حیات آپ کو دھکیلے گی جہاں آپ بچوں کے بدن پر پانی چھڑکینگے
 تاکہ ان کی روئیں مجھ سے محفوظ رہیں پھر یہ آپ کو مذہب سے سانس
 کی طرف ہانک دیگی۔ جہاں آپ بچوں کے بدن کو پانی چھڑکنے والوں کو
 ہاتھ سے چھین کر ان کے ٹھیکہ لگا دینگے تاکہ وہ امراض سے محفوظ رہیں۔

پھر آپ سیاسیات کی طرف راغب ہو جائیں گے جہاں آپ ذلیل عہدوں اور جھوٹے اعزازات حاصل کرنے کے لئے گلی گلی کی خاک چھانٹتے پھریں گے اور پھر آخر کار مہر جھاڑ منہ پہاڑ افسردہ اور دل شکستہ ہو کر افسوس کریں گے کہ یہ سب قربانیاں کیوں کیں۔ دنیا کی رنگینوں سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیتوں کی قربانیاں! مختصر یہ کہ آپ کا وہی حشر ہو گا جب اس شخص کا ہوتا ہے جو ادھی چوڑ کر ساری کی طرف لپکتا ہو خیام۔ لیکن کم از کم میں اکتا تو نہیں جاؤں گا۔ قوتِ حیات کی غلامی کا کم از کم یہ ایک فائدہ تو ہے ہی اچھا تو پھر الوداع شیطان صاحب!

شیطان۔ بہت خوب۔ الوداع خیام صاحب! مجھے آپ کی دلچسپ باتیں یاد آئیں گی۔ خوش رہتے آباو رہتے جیسے میں نے پہلے بھی کہا تھا سخت بعض لوگوں کی افتادِ طبع کے اعتبار سے موزوں ہوتی ہے۔ لیکن اگر کبھی آپ کو اپنی رائے تبدیل کرنا پڑے تو بھئیے گا نہیں کہ اگر صبح کا بھولا شام کو گھڑانا چاہے تو دروازے کھلے رہیں گے۔ اگر آپ کبھی خلوص، محبت، معصوم مسرت، دل کی لکک، اور نفس کی گرمی محسوس کریں تو خیام۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر میں گوشت پوست کے جسم کے لوازمات محسوس کروں۔ حالانکہ ہم یہ واہیات چیزیں پیچھے ہی چھوڑ آتے ہیں۔

شیطان۔ میری وہ ستانہ الوداع کا یہ جواب؟
خیام۔ نہیں نہیں یہ بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ایک منکار شیطان سے بہت لگے ہوئے ہوں لیکن مصیبت کو برواشتہ نہیں کر سکتا کہ انا جیسا!

۲۲- آپ جنت و دوزخ کی سرحد سے واقف ہیں۔ براہ کرم ذرا میری رہنمائی فرمائے۔

بت۔ جنت و جہنم کی سرحد محض دو مختلف زاویہ نگاہ کا فرق ہے۔ اگر تم جانا چاہو گے تو کوئی بھی راستہ تمہیں جنت میں پہنچا دینگا۔
خیام۔ خوب (پروینا کو سلام کرتے ہوئے) غلام آداب بجا لاتا ہے تحفہ! پروینا۔ لیکن میں بھی تو تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔
خیام۔ میں جنت جانے کیلئے اپنا راستہ تلاش کر سکتا ہوں تمہارا نہیں (غائب ہو جاتا ہے)

پروینا۔ کیا بد تمیزی ہے۔
بت۔ (خیام کے پیچھے پکارتے ہوئے) خیام! ایسے سفرِ فتنہ مبارکباد!! وہ گیا!!! (لباس اسٹنس لیکر) تو بہ کتنا باتونی ہے۔ جنت وائے ہے برواشت نہیں کریں گے۔

شیطان (افسوس کے ساتھ) اس کا جانا ایک سیاسی شکست ہے۔ میں ان قوتِ حیات کی پستش کرنیوالوں کو نہیں روک سکتا یہ سب پہلے ہی جانتے ہیں۔ ڈیج مصور کے جانیکی بعد یہ میرا سب سے بڑا نقصان ہوا ہے۔ وہ مصور بھی خوب تھا۔ وہ ستر برس کے بڑھے کی تصویر بھی اسی قدر دلچسپی سے کھینچتا تھا جتنی بیس برس کے وینسنگی۔

بت۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ ریمبرنڈ جنت میں آیا تھا۔

سے محبت کی دیوی

شیطان ہاں ہاں رہبرِ انٹ۔ ان لوگوں کی فطرت مجھ عجیب سی ہوتی ہے
 کما نذر صاحب ان کی کتھامت سنا کیجے یہ خطرناک ہوتی ہے۔ ”فوق البشر“
 کی جستجو نہ کیجئے ورنہ آپ کو لہتر سے نفرت ہو جائے گی۔ انسان کی نظر میں
 گھوڑ۔ گدھے۔ بلیاں وغیرہ محض انواع ناقص ہیں اخلاق کی حدود سے
 باہر۔ ایسے ہی فوق البشر کی نظر میں مرد اور عورتیں صرف انواع ناقص کی
 حیثیت رکھتی ہیں اور وہ بھی اخلاق کی حدود سے باہر! یہ شخص خیام عورتوں
 اور مردوں سے اتنی محبت سے ملتا تھا جیسے آپکی صاحبزادی اپنی پالمتو
 بلیوں اور کتوں سے مہربانی سے پیش آتی ہیں۔ لیکن یہ مہربانی انسانیت
 کے منافی ہے۔

بت - اور یہ فوق البشر کون صاحب ہیں؟
 شیطان یہ ”قوتِ حیات“ کے ماننے والوں کے ذہن کی تازہ ترین پیداوار
 ہے۔ کیا آپ جنت کے نوگرفتاروں میں اس جبرمن دیوانے سے نہیں ملے
 اس کا نام تھا نطشے؟

بت میں نے اس کا نام بھی نہیں سنا۔
 شیطان خیر تو پہلے وہ یہاں آیا تھا۔ پھر اس کے پر لگ گئے۔ مجھ اس سے
 بہت تو قات تھیں۔ لیکن وہ تو قوتِ حیات کا کمترین بکاری تھا۔ اس نے
 ہی ”فوق البشر“ کے تصور کو کہیں سے کھود نکالا تھا۔ فوق البشر اصل میں پرانا
 عقہ ہے۔ یہ بیسویں صدی کے لوگ جب دنیا سے گوشت پوست سے اور
 جناب کے نیاز مند سے تنگ آجائیں گے تو وہ ”فوق البشر“ کو ڈھونڈنے نکلیں گے

بت - لیکن فوق البشر کاعمرہ تو اچھا ہے۔ اور ایک اچھا عمرہ آدمی

جنگ ہوتی ہے میں نطشے سے ملنا چاہتا ہوں

شیطان - بد قسمتی سے اس کی واگنر (WAGNER) سے یہاں ملاقات ہوگئی اور دونوں آپس میں لڑنے۔

بت - ٹھیک ہے۔ موزرٹ کا قصہ ہوگا۔

شیطان - نہیں موسیقی کے متعلق کوئی بات نہیں تھی ایک روز واگنر نے قوت حیات کی پوجا شروع کر دی اور ایک فوق البشر ایجاد کیا۔ لیکن

بعد میں وہ راہ راست پر آئے۔ تو جب ان دونوں کی ملاقات یہاں

ہوئی تو نطشے نے واگنر سے کہہ دیا کہ تم مُرد ہو۔ واگنر نے ایک رسالہ

لکھا جس میں نطشے کو یہودی ثابت کر نیکی کوشش کی۔ اس پر نطشے

طیش میں آکر جنت میں چلا گیا جس کم جہاں پاک۔ اچھا تو اب آئیے

آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں ایک محفل رقص و سرور منعقد

کی جائے گی۔

بت - بڑی خوشی سے۔ بندہ نوازی ہے آپ کی۔

شیطان - ادھر تشریف لائیے ہم اسی پنجرے میں بیٹھ کر نیچے جائیں گے۔

بت - (کچھ سوچتے ہوئے) کچھ بھی ہو فوق البشر کا تصور ہے تو اچھا

اس میں مجھے کچھ بت پرستی کی جھلک نظر آتی ہے دیت شیطان کے

پاس پنجرے میں کھڑا ہو جاتا ہے وہ پنجرہ آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع

ہوتا ہے۔ نیچے سے سرخ روشنی آرہی ہے! آہ یہ مجھے گزارے ہوئے

زمانے کی یاد دلاتا ہے۔

شیطان۔ مجھے بھی۔

پروینا۔ ٹھیر جاؤ! (بہخبرہ ٹھہر جاتا ہے)

شیطان۔ محترمہ آپ اس طرف نہیں آسکتیں آپ کو ایک الہام ہوگا انتظار کریں کل تک آپ محل میں پہنچ جائیں گی۔

پروینا۔ میں نے اس لئے تو آپ کو نہیں روکا۔ مجھے بتائیے کہ میں فوق البشر سے کہاں مل سکتی ہوں۔

شیطان۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوا

ہمت۔ اور شاید کبھی پیدا نہیں ہوگا۔ اچھا اب چلو اس سرخ آگ سے مجھے چھینکیں آرہی ہیں (نیچے چلے جاتے ہیں)

پروینا۔ ابھی پیدا نہیں ہوا! تو پھر ابھی میرا کام پورا نہیں ہوا۔ میں حیاتِ مابعد کی قائل ہوں دکائیات کی طرف چمخ کر! ایک باپ! فوق البشر کی بجائے ایک باپ!!

دخلائیں غائب ہو جاتی ہے اور پھر معلوم ہوتا ہے کچھ بھی موجود نہیں ہے معلوم ہوتا ہے تمام موجودات غائب ہو گئے ہیں پھر کسی زندہ انسان کی آواز کہیں سے آتی ہے۔ دور پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ آسمان بھی ظاہر ہو چکا ہے۔ اور اچانک ہمیں یاد آتا ہے کہ ہم کہاں تھے۔ انسان کی آواز تیز اور صاف ہوتی جاتی ہے۔ آواز آتی ہے۔ "موڑ۔ موڑ۔" پھر سب چیزیں پہلے کی طرح دکھائی دینے لگتی ہیں۔ نگہن میں صبح ہو گئی

لیٹرے پہاڑی کی طرف جارہے ہیں اور ایک موٹر کے آنے کی اطلاع دے رہے ہیں۔ پرویز اور سکندر خاں جاگ اٹھے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ مقصود علی اٹھ کر جمائی لیتا ہے اور پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور قزاقوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ سکندر خاں ادھر ادھر دیکھ کر اطمینان کرتا ہے کہ اس کے آدمی موٹر کے آنے کی اطلاع سے اٹھ رہے ہیں۔ پھر رازدارانہ لہجے میں پرویز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سکندر خاں۔ آپ نے خواب دیکھا۔

پرویز۔ اچھی طرح دیکھا۔ آپ نے بھی دیکھا؟

سکندر خاں۔ ہاں دیکھا تو لیکن یاد نہیں کیا خواب تھا۔ آپ بھی خواب میں آئے تھے۔ اتنا یاد ہے۔

پرویز۔ آپ بھی تھے۔ تعجب ہے۔

سکندر خاں۔ میں نے پہلے ہی سے خبردار کر دیا تھا (سڑک پر سے گولی چلائی کی آواز آتی ہے) جنگلی کہیں کے! کیا وہ اس بددوق سے کھیل رہے ہیں (لیٹرے دوڑتے ہوئے آتے ہیں) یہ گولی کس نے چلائی۔ (رحمن سے) کیا یہ تم تھے۔

رحمن۔ میں نے گولی نہیں چلایا۔ انہوں نے پہلے چلایا۔

فوضی۔ میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ پہلے حکومت کو ختم کر دیجئے اب ہم سب کی آفت آئی ہے۔

پہلا۔ اشتراکی (ادھر ادھر میدان میں دوڑتے ہوئے) بھاگو یا رو!

۲۳۲
 سکندر خان (سنبھل کر چاقو نکالتے ہوئے) جو بھی اپنی جگہ سے ہٹے گا میں
 چاقو مار دوں گا اسے۔ (راستہ روک لیتا ہے) آخر ہوا کیا ہے ؟

دوسرا اشتراکی۔ ایک موٹر

فوضوی۔ تین آدمی۔

رخمن۔ دو عورتیں۔

سکندر خان۔ تین آدمی اور دو عورتیں۔ تم انہیں یہاں کیوں نہیں لاکے
 کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔

پہلا اشتراکی۔ ان کے پاس محافظین ہیں۔ آئیے دیکھیں سکندر خان صاحب

دوسرا اشتراکی۔ دو سپاہیوں سے بھری ہوئی مسلح گاڑیاں پیچھے آرہی ہیں
 فوضوی۔ وہ گولی ہوا میں چلائی گئی تھی۔ وہ ایک اطلاع تھی۔

مقصود اپنی دہی پرانی دہن گنگنا تا ہے جو ان قزاقوں کے کانوں

کو ایسی معلوم ہوتی ہے گویا مرثیہ پڑھا جا رہا ہے)

پرویز۔ یہ محافظین نہیں ہیں یہ لوگ آپ کو گرفتار کرنے آرہے ہیں

میں کہا گیا تھا کہ ہم ان کے آنے کا انتظار کریں لیکن میں جلدی میں تھا

پہلا اشتراکی۔ اچھا تو اب دیر کیا۔ ہم پہاڑوں میں کیوں نہ جا چھپیں۔

سکندر خان۔ احمق کہیں کے۔ تم یہاں کے پہاڑوں کے متعلق کیا جانو

کیا تم سرحد کے باشندے ہو ؟ کوئی سرحدی ملگیا تو پکڑو ادینگا۔ اور

اس کے علاوہ اب ہم بندو قوں کی مار کی حدود میں تو آہی گئے ہیں۔

پہلا اشتراکی۔ لیکن۔

سکندر خاں - چپ! اسے مجھ پر چھوڑو۔ (پرویز سے) کامریڈ! آپ
ہیں دغا تو نہیں دیں گے نا؟

مقصود - اچھا! تو اب آپ انہیں کامریڈ کہہ رہے ہیں۔
سکندر خاں - کل رات ہمارا پلہ بھاری تھا۔ غریبوں کو لوٹنے والا
امیروں کے لوٹنے والے کے رحم و کرم پر تھا۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تھا میں
بھی اسی طرح بڑھایا تھا۔ ہم دوست بن گئے تھے۔

پرویز - مجھے آپ کے کوئی شکایت نہیں آپ کی صحبت میں رات بہت اچھی گزری
نقصود - یاد رہے کہ میں نے کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیا۔

سکندر خاں - (اسکی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے) سنو بچا جی! اگر میں عدالت
میں پیش ہوا۔ تو میں اقبال جرم کرونگا۔ اور سب کے سامنے بیان کرونگا کہ
میں نے اپنا وطن۔ اور اپنا گھر بار کام کاج کھیلے چھوڑا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ
تمہاری بہن کا نام بھی سرحد کی فوجدار کی عدالتوں کی کارروائی میں
آجائے۔ پولیس میری خانہ تلاشی لے گی۔ انہیں حامدہ کی تصویر ملیگی
یہ تصویر مصور رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوگی۔ اب گھبرا کے کیوں
ہو وہ سب تمہارا ہی کرا دھرا ہوگا۔

مقصود - (بھٹا کر) مجھے عدالت کی پرواہ نہیں۔ اگر پرواہ ہے تو اسکی
کہ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارا نام تجہ جیسے بچے شہدے کیسا تھ آئے۔
سکندر خاں - یہ باتیں حامدہ کے بھائی کے منہ سے کس قدر بھونڈی
معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن خیر تمہاری بولتی تو بند ہو گئی یہی بہت ہے

۱) اپنے آدمیوں کی طرف مڑ کر دیکھتا ہے جو چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اتنی دیر میں کچھ لوگ موٹر سے اتر کر سڑک پر آتے ہیں سب سے پہلے پرویں آتی ہے اور سیدھی پرویز کے پاس جاتی ہے۔ پھر نسریں آتی ہے جسے اونچی نیچی زمین پر چلنا ذرا دشوار ہو رہا ہے مقصود نے اس کا دلیاں بازو پکڑ رکھا ہے اور ارو شیر نے بایاں۔

سکندر خاں جا کر اپنے سنگِ صدارت پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کے حالی مولیٰ اس کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ رحمان اور فوضوی دائیں طرف اور اشتر کی سکندر خاں کے بائیں طرف کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پرویں۔! یہ سب جانی میاں کی کارستانی ہے۔

پرویز۔ میں خود پکڑا ہوا ہوں

خورشید۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ۔ وہ آپ ہوں گے پرویز صاحب! ابھی ہماری گاڑی میں پنکچر ہو گیا ساری سڑک کیلوں سے بھری پڑی ہے۔

نسریں۔ آپ یہاں ان لوگوں میں کیا کر رہے ہیں؟

پرویں۔ بغیر کچے کیوں آئے تم؟

خورشید۔ اچھا پرویں صاحبہ! آپ گلستہ تو عنایت فرمائیے۔

(پرویز سے) جب ہم نے دیکھا کہ آپ جا چکے ہیں تو پرویں صاحبہ

نے ایک گلستہ کی شرط لگانی تھی کہ ہماری کارورہ ساسان پہنچنے سے پہلے آپ کو نہیں پکڑ سکیگی۔

پرویز۔ لیکن درہ ساسان کا راستہ تو نہیں ہے۔
خورشید۔ کوئی بات نہیں پرویز صاحبہ نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ کس
طرف گئے ہوں گے وہ تو ابھی خاصی شریوک ہومز میں

پرویز۔ قوت حیات! توبہ!

کیقباد۔ (سٹرک پر سے آہستہ آہستہ چلا آتا ہے اور اگر پرویز اور
مقصود کے بیچ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوست اچھا ہوا تم کو کوئی
تکلیف نہیں پہنچی۔ میں خوف تھا کہ کہیں تمہیں قزاقوں نے نہ پکڑ لیا ہو
اردو شیر۔ (سکندر خاں کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہا ہے) مجھے یاد
پڑتا ہے میں نے آپ کے دوست کو کہیں دیکھا ہے۔ سکندر خاں نے
نہایت شائستگی سے اٹھنا ہے اور پرویز اور اردو شیر کے بیچ میں
جا کھڑا ہوتا ہے)

خورشید۔ ہاں میں نے بھی کہیں انہیں دیکھا ہے۔
کیقباد۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ
میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے۔

سکندر خاں۔ محترمہ! کیا آپ مجھے پہچانتی ہیں۔
نسرین۔ ہاں ہاں کیوں نہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے نام یاد نہیں رہتا
سکندر خاں۔ یاد ہے تاج محل ہوٹل میں!! (خورشید سے) جناب والا
صاحبزادی نسرین کے ساتھ کھانا کھانے آتے تھے (کیقباد سے) آپ
آپ (پرویز) کو ان کی والدہ کیساتھ میٹر و سینما جاتے ہوئے

رات کو کھانے پر لاتے تھے (اردو شیر سے) آپ اور جناب بھی
 کھانا نوش فرمانے تشریف لاتے تھے (اپنی آواز کو مدہم کرتے ہوئے)
 لیکن اتنی کہ سب سن سکیں۔ راز وارانہ لہجے میں (کبھی کسی لڑکی کے
 ساتھ کبھی کسی کے ساتھ)!

اردو شیر۔ (غصہ میں آکر) تو آپ کو اس سے کیا
 کی قیاد۔ نسریں میں تو سمجھتا تھا کہ اس سفر سے پہلے تم خورشید کو جانتی
 تنگ نہیں تھیں۔

نسریں۔ (پریشان ہو کر) شاید یہ وہاں کے منجر تھے۔
 سکندر خاں۔ منجر نہیں خدنگار۔ محترمہ! مجھے آپ لوگ اچھی طرح یاد
 ہیں آپ لوگوں کی نظر عنایت مجھ پر بہت زیادہ تھی اور آپ کی
 صحبتیں بھی خوب رنگین ہوتی تھیں۔

نسریں۔ کیا بد تمیزی ہے۔ اس کی طرف سے پیٹھ کر لیتی ہے۔ اور
 خورشید کیساتھ ادھر پہاڑی کی طرف جاتی ہے۔)

اردو شیر۔ بس اتنا کافی ہے میرے دوست۔ آپ ان خواتین سے یہ
 توقع نہیں کر سکتے کہ یہ آپ سے اپنی شناسائی ظاہر کر لگی کیوں کہ
 آپ نے خدنگاری کی حیثیت سے ان کی میز پر کھانا چنا ہے۔

سکندر خاں۔ صاف فرمائے گا جناب نے مجھ سے شناسائی کا دعویٰ
 کیا تھا۔ خواتین نے آپ کی تقلید کی بہر حال آپ لوگوں کے عجیب و
 غریب اخلاق کا مجھے اندازہ ہو گیا۔ آئندہ آپ مجھے صرف ایک

اجنبی اور ہم سفر کی حیثیت سے مخاطب کریں (غصہ میں جا کر اپنے
صدارت کی نشست پر بیٹھ جاتا ہے)

پرویز۔ سارے سفر میں مجھے صرف یہ آدمی ملا ہے جسے بات کر نیکا تمیز ہے
اور آپ لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اس کی توہین کر رہے ہیں
اور تو اور وہ "مرد جدید" بھی آپ کے رنگ میں رنگ گیا ہے۔ مقصود
تم نے بھی ایک بد اخلاق آدمی کی سی باتیں کیں۔
مقصود۔ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔

اردو شیر۔ واقعی پرویز انداز گفتگو۔

پرویز۔ دادا جان آپ ان کی بات کا کیوں برا ماننے ہیں۔ اب تو آپ
انہیں خوب جان گئے ہوں گے (اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے غصہ کو ٹھنڈا
کرتی ہوئی پہاڑی پر جا کر نسریں خورشید اور کیتباو سے جا ملتی ہے
نسریں۔ (پہاڑی پر سے پکار کر) وہ رہے سپاہی! موٹروں میں سے نکل رہے ہیں
رحمن۔ (گھبرا کر) جلّ تو جلال تو۔

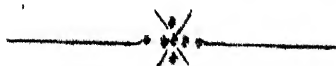
فوضوی۔ بے وقوف کہیں کے۔ اب حکومت آپ کو کچل دیگی کیونکہ آپ نے
سیاسی بے وقوفوں اور شہرہ لوں کے کہنے میں آکر اسے نہیں کچلا تھا
پہلا اشتراکی (آخر وقت تک جھک جھک کرتے ہوئے) صرف حکومت کی
شہری پر قابو حاصل کرنے سے۔

فوضوی۔ حکومت آپ پر قابو حاصل کر رہی ہے۔

دوسرا اشتراکی۔ اچھا چھوڑو اسے۔ اب ہم کس کے منتظر ہیں۔

سکندر خال - دوانت میں کر اور جل بن کر انہیں نہیں سیاست پر
 بحث کئے جاؤ۔ خدا کی مارتہم پر ایسے جاؤ چپ کیوں ہو گئے؟
 دستک پر سپاہی ایک قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ میں نفلیں
 ہیں۔ قزاق ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن
 سکندر خاں نڈر ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے کمان افسر موڑ سے اتر پڑتا
 ہے۔ قزاقوں کو گھور کر دیکھتا ہے۔ اور پرویز سے پوچھتا ہے
 کمان افسر۔ یہ لوگ کون ہیں جناب؟

پرویز - میسر محافظ!
 سکندر خاں - مسکرا کر جھکتا ہے۔ سب قزاقوں کے چہروں پر خوشی
 کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ سب اپنی ٹوپوں کو ہاتھ لگا کر سلام
 کرتے ہیں۔ سوائے فوضوی کے جو حکومت کو خاطر میں نہ لاتے ہو
 سیدھا کھڑا رہتا ہے!



چوتھا ایکٹ

راولپنڈی میں ایک ننگلہ کا باغ۔ راولپنڈی ایک قابل دید مقام ہے۔ دور کوہ مری کی چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں جس ننگلہ کے باغ کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ننگلہ انگریزی اور امریکی طرز رہائش کے لحاظ سے کچھ سجایا گیا ہے باہر باغ میں ایک لوہے کی میز اور کرسیاں پڑی ہیں کرسی پر کچھ کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔ ننگلہ کے باہر کے دروازہ کے پاس مقصود علی نظر آتا ہے جو ایک شخص کے اندر آنے کیلئے دروازہ کھولتا ہے۔ یہ شخص کافی عمر رسیدہ ہے پوشاک کافی قیمتی معلوم ہوتی ہے چہرہ سے خود اعتمادی ٹپکتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دنیا میں اپنے زور و بازو سے دولت اکٹھی کی ہے۔ صورت شکل سے یہودی معلوم ہوتا ہے۔

مقصود۔ میں جا کر ان صاحبزادی سے کہتا ہوں کہ آپ یہیں ٹھہرنا پسند کرینگے (باغ میں سے ہوتے ہوئے ننگلہ کے اندر جانیکے لئے مڑتا ہے)

یہودی۔ (جوا۔ پنے آس پاس تعجب سے دیکھ رہا ہے) تو وہ صاحبزادی

ہیں بس نسری وہیں ہیں۔

مقصود سیڑھیوں پر چڑھتے چڑھتے رک کر اتر کر حیران ہو کر دیکھتا ہے
آپ تو جانتے ہوں گے؟ جانتے ہیں نا آپ؟

یہودی۔ ہاں مجھے جانا تو چاہیے۔

مقصود۔ (چپ کر) تو آپ جانتے ہیں یا نہیں؟ صاف صاف بولئے۔

یہودی۔ نہیں اس سے کیا مطلب؟

مقصود۔ (جل کر سیڑھیوں سے اترتا ہے اور ان طاقاتی صاحب کی
طرف آتا ہے) میں آپ کو سمجھا دوں گا کہ مجھے کیا مطلب ہے۔ بس

نسری ہر مزاجی۔

یہودی۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) اچھا تو ان کا نام نسری ہر مزاجی ہے شکریہ
مقصود۔ اچھا؟ تو آپ ان کا نام بھی نہیں جانتے؟

یہودی۔ نہیں۔ جانتا ہوں۔ تم نے بتا جو دیا۔

مقصود۔ اپنے مخاطب کے اس جواب سے جل سن کر کیوں جناب۔

اگر آپ وہ صاحب نہیں ہیں جن کے نام میں خط لیکر گیا تھا۔ تو آپ کو

میری کاریں بیٹھ کر یہاں آئیگا کیا حق تھا؟

یہودی۔ وہ خط تو میرے ہی نام کا تھا اور کس کے نام کا تھا وہ خط؟

مقصود۔ وہ خط میں خورشید ظہان صاحب کیلئے لیکر گیا تھا نسری صاحب

کی طرف سے۔ ہاں اور دیکھئے نسری صاحبہ میری مالکہ نہیں ہیں میں

صرف مروت میں آکر خط لیکتا تھا۔ میں ظہان صاحب کو جانتا ہوں۔

آپ ہرگز ظلمان صاحب نہیں ہیں۔ ہوٹل والوں نے مجھے بتایا کہ آپ کا نام خورشید ظلمان صاحب ہے۔

ظلمان :- خورشید نہیں خورشید۔

مقصود :- (خزیرہ انداز میں) آپ کے ملک میں خورشید کہتے ہوں گے۔ آپ لوگ زبان یونہی تو بگاڑتے ہیں۔ میں ہمیشہ اہل زبان کے لب و لہجہ کو پیش نظر رکھتا ہوں۔

ریہ گرامر می نسرین کے آنے سے ذرا ٹھنڈی پڑ جاتی ہے جو سنگھ سے باہر نکل آئی ہے ظلمان اور مقصود کے درمیان آ جاتی ہے)

نسرین :- (مقصود) تم میرا پیغام لے گئے تھے؟

مقصود :- جی ہاں میں آپ کا خط لیکر ہوٹل گیا اور خط اوپر بھجوا۔ مجھے امید تھی کہ ظلمان صاحب باہر تشریف لائیں گے۔ لیکن ان کی بجائے یہ حفتر تشریف لے آئے اور فرمانے لگے ہاں مجھے خط مل گیا اور میں چلتا ہوں ہوٹل والوں نے بھی کہا کہ یہی صاحب خورشید ظلمان ہیں۔ میں انہیں لے آیا۔ لیکن اگر یہ وہی صاحب نہیں ہیں تو بس آپ کے کہنے کی دیر ہے۔ میں انہیں ابھی وہیں چھوڑ آتا ہوں۔

ظلمان :- میں ممنون ہوں گا اگر آپ تھوڑی دیر کیلئے مجھے شرف تکلم بخشیں۔ میں خورشید ظلمان کا والد ہوں مجھے توقع تھی کہ اس پٹھان لڑکے نے ابھی تک اندازہ کر لیا ہو گا کہ خورشید میرا بیٹا ہے۔ لیکن میری توقع پوری نہ ہوئی۔

مقصود - جی نہیں ابھی سال بھر چاہیئے آپ کی حقیقت کا اندازہ کرنا
 ابھی سال بھر آپ کو بھی اتنا ہی سدھانا پڑیگا جتنا ہم نے آپ کے
 صاحبزادے کو سدھایا تھا۔ ابھی آپ اس سے بہت پیچھے ہیں (نسرہ
 سے) اچھا تو صاحبزادی صاحبہ! آپ ان سے بات کرنا چاہتی ہیں۔
 میں دخل نہیں دیتا (چلا جاتا ہے)

نسرہ (ربانیت ادب سے) مجھے بہت افسوس ہے ظلمان صاحب کہ یہ
 شخص آپ سے بدتمیزی سے پیش آیا۔ لیکن ہم کریں کیا یہ ہمارا ڈرامیور ہے
 ظلمان۔ کون ہے آپ کا؟

نسرہ - ہماری موٹر چلائیوالا۔ یہ سٹریمیل فی گھنٹہ کی رفتار سے موٹر
 چلا سکتا ہے اور اگر بگڑ جائے تو ٹھیک بھی کر سکتا ہے۔ ہم اپنی
 موٹروں کے محتاج ہیں۔ ہماری موٹریں اس کی محتاج ہیں۔ اس لئے
 ہم اس کے محتاج ہیں

ظلمان - محترمہ۔ میں نے اندازہ کیا ہے کہ ہندوستانی آمدنی جتنی بڑھتی
 جاتی ہے اتنا ہی وہ دوسروں کا زیادہ محتاج ہوتا جاتا ہے یہ ہر حال
 آپ کو اپنے آدمی کی طرف سے معذرت کرنیکی ضرورت نہیں۔ میں نے جانکر
 اسے جی بھر کو بولنے دیا اس کی چرب زبانی سے ہی مجھے معلوم ہوا کہ
 آپ یہاں راولپنڈی میں چند روز ہندوستانیوں کے ساتھ مقیم ہیں اور
 ان میں میرا بیٹا خوشنید بھی شامل ہے۔

نسرہ - جی ہاں۔ ہم کشمیر جا رہے تھے۔ لیکن ہمارے ساتھیوں میں سے

ایک سنگی سا آدمی ہم سے آگے نکل آیا اور یہاں اُن پہنچا۔ آپ تشریف
تو رکھنے (کرسی پر سے کتابیں اٹھا کر کرسی پیش کرتی ہے)

ظلمان۔ (اس کی متواضع طبیعت سے خوش ہو کر) شکریہ دہیٹے جاتا ہے
نسرین کتابیں اٹھا کر لوہے کی میز پر رکھنے جاتی ہے ظلمان اس کی طرف
غور سے دیکھتا رہتا ہے جب وہ واپس آتی ہے تو کہتا ہے (آپ غالباً
نسرین صاحبہ ہیں؟)

نسرین۔ (بھیٹے ہوئے) جی ہاں)

ظلمان۔ (جیب سے ایک خط نکالتے ہوئے آپ نے خورشید کو جو خط لکھا
تھا اس کا مضمون یہ ہے (نسرین ایک دم چونک اٹھتی ہے۔ ظلمان اطمینان
سے اپنی سنہری فریم کی عینک نکالتا ہے اور پہن لیتا ہے) پیارے،
آج سب قلعہ دیکھنے گئے ہوئے ہیں۔ دوپہر کے اجڑا شام تک اسی گے
میرے سر میں سخت درد ہے اور میں باغ میں اکیلی ہوں اور کوئی نہیں
ہے جس مقصود کی کاریں بیٹھ اور چلے آؤ فوراً فوراً۔ تمہاری
چاہنے والی۔ نسرین (نسرین کی طرف دیکھتا ہے۔ لیکن اسی عرصہ میں
نسرین نے اپنے حواس اپنے قابو میں کر لیے ہیں وہ اطمینان سے اسکی
طرف مخاطب ہوتی ہے) میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے ہندوستان میں کسے رہنے
سے کارنگ ڈھنگ کیسا ہوتا ہے لیکن کم از کم میں تو اس خط کو دیکھ کر
سمجھا جا سیکتا کہ طریقین کے تعلقات بہت گہرے ہیں۔

نسرین ظلمان صاحب! میرے آپ کے صاحبزادے سے اچھے مراسم ہیں

کیا آپ کو اس میں کوئی اعتراض ہے؟

ظلمان۔ (کسی قدر حیران ہو کر) نہیں اعتراض تو نہیں بشرطیکہ خوب اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے کہ میرا بیٹا بالکل میرا دست نگر ہے اور میرے مشورہ کے بغیر وہ کوئی اہم فیصلہ نہیں کر سکتا۔
نسرین۔ ظلمان صاحب! مجھے امید ہے کہ آپ ان کے ساتھ نا انصافی تو نہ کریں گے۔

ظلمان نہیں۔ لیکن نسرین صاحبہ! آپ کی عمر ابھی ایسی ہے کہ ممکن ہے بعض باتیں آپ کو قرن انصاف معلوم ہوتی ہوں اور میں آپ سے اتفاق نہ کروں۔
نسرین۔ (کھسکا کر) اچھا تو میں سمجھتی ہوں کہ اب ہمیں گول مول باتیں نہ کرنی چاہیں۔ ظلمان صاحب صاف بات یہ ہے کہ خورشید مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

ظلمان۔ یہ تو میں نے آپ کے خط سے اندازہ لگا لیا تھا۔ خیر نسرین صاحبہ اسے اپنا اختیار ہے۔ لیکن اگر اس نے آپ سے شادی کی تو مجھ سے اسے ایک کوڑی بھی نہ ملیگی دینیک اتار کر اس خط کے ساتھ حبیب میں رکھ لیتا ہے)

نسرین۔ (ذرا درشت ہلچے میں) ظلمان صاحب! آپ کو مجھ سے اس قدر بگڑنے کی ضرورت نہیں۔

ظلمان۔ میں آپ کے خلاف کچھ نہیں کہتا۔ نسرین صاحبہ! میں تو کہتا ہوں کہ آپ ایک شریف اور دلچسپ خاتون ہیں لیکن خورشید کی بات نہ میری

راے کچھ اور ہے۔

نسرین۔ لیکن ممکن ہے خورشید آپکی راے سے اتفاق نہ کریں۔
ظلمان۔ تو ایسی صورت میں میں اس کا نہیں اور وہ میرا نہیں۔ غالباً آپ
بھی اس کے لئے تیار ہوں گی۔ جب ایک جوان لڑکی جوان لڑکے کو کہتی
ہے۔ ”فوراً فوراً۔ فوراً“ تو اسے بس محبت ہی محبت نظر آتی ہے وہ یہ نہیں
نسرین۔ (تیز ہو کر) معاف فرمائے گا۔ ظلمان صاحب! میرا ایسا خیال نہیں
ہے۔ خورشید کو ضرور روپیے کی ضرورت ہوگی۔
ظلمان۔ ہاں ہاں کیوں نہیں۔ وہ خود کما لے گا۔

نسرین۔ اگر کیا کر حاصل کیا تو وہ روپیہ ہی کیا ہوا؟ (بے تاب ہو کر) یہ
سب غلط ہے ظلمان صاحب خورشید کو اپنی حیثیت قائم رکھنی ہوگی
اور آپ کو اس سلسلہ میں مدد کرنا ہوگی۔ یہ اس کا حق ہے۔

ظلمان۔ نسرین صاحبہ! میں آپ کو رائے نہیں دوں گا کہ آپ اس حق کے وجود
پر اس سے شادی کریں۔ (نسرین غصہ کے مارے آپ سے باہر ہو جاتی
ہیں لیکن موقع کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے مشکل سے غصہ کو قابو میں
لاتی ہے)

نسرین۔ آخر مجھ میں کیا خرابی ہے سوسائٹی میں میری عزت بھی کم از کم اتنی
تو ضرور ہے جتنی خورشید کی۔ خورشید سے تسلیم کرتے ہیں۔

ظلمان۔ آپ بار بار اسے جتلاتی ہیں۔ ہندوستان میں خورشید کی
حیثیت وہی ہے جو میں اسے خرید کر دوں میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ

تم ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا تاریخی مکان قلعہ میں چن لو جس روز بھی وہ مجھ سے کہیگا کہ میں نے ایسی لڑکی پسند کی ہے جس کی خاندانی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ مکان یا قلعہ اس کے شایان شان ہے۔ اُسی روز میں اُسے وہ ضرور خرید دوں گا۔

نسرین۔ آپ کا خاندانی روایات سے کیا مطلب ہے کیا کسی شریف خاندان کی لڑکی اس مکان میں نہیں لاسکتی۔

ظلمان۔ نہیں۔ اسے ایسے مکان میں رہنے کیلئے ہی پیدا ہونا چاہیئے نسرین۔ کیا خورشید ایسے ہی مکان میں رہنے کیلئے پیدا ہوا تھا۔

ظلمان۔ اس کی دادی مفلوک الحال عورت تھی جس نے مجھے گودیوں میں پالا تھا۔ اگر وہ ایسی ہی ایک لڑکی سے شادی کرے تو میں اسے ایک لفظ تک نہ کہوں گا۔ یا تو وہ میرے روپیے سے اپنی معاشرتی حیثیت کو بلند کرے یا کسی اودکی۔ اگر کسی کو بھی میرے روپیے سے معاشرتی فائدہ حاصل ہو تو میں سمجھوں گا کہ میرا روپیہ ڈوبا نہیں۔ لیکن کسی کو تو فائدہ ہو آپ کے ساتھ شادی کرنے سے تو معاملہ وہیں کا وہیں رہے گا۔

نسرین۔ ظلمان صاحب ایک معمولی عورت کے پوتے کے ساتھ شادی کرنے پر میرے اکثر عزیز و اقارب اعتراض کریں گے۔ آپ اسے تنگ نظری کہیں گے لیکن آپ خود بھی اسی کا شکار ہیں۔

ظلمان۔ (ظہنراً) آپ تو بہت صاف گو خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ نسرین۔ میں نہیں سمجھتی کہ نبجے صرف اس وجہ سے کیوں حقارت سے دیکھا

بہا ہے کہ میں آپ کے لئے منفعت کا سامان نہیں ہو سکتی۔ آپ خورشید کو کیوں رنج پہنچانا چاہتے ہیں۔

ظلمان۔ تھوڑے دن کے بعد وہ خود ٹھیک ہو جائیگا۔ مردِ غم روزگار کی نسبت غمِ عشق کو آسانی سے برداشت کر لیتے ہیں آپ سمجھتی ہیں کہ میں تنگ نظر ہوں لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی صداقت سے میں خوب واقف ہوں۔ بہر حال میں اور میرے ساتھی اب ہندوستان خریدنے آ رہے ہیں۔ اور ہم خرید کر رہیں گے۔ خورشید کیلئے میں متوسط درجہ کی لڑکیاں نہیں چاہتا آپ کی طرح۔

س۔ ظلمان صاحب مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسا سمجھدار اور سن رسیدہ انسان ایسے ہوائی قلعے بنا رہا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی اُمرا آپ کے کہتے ہی اپنی جائدادیں آپ کے ہاتھ بیچ دینگے

ظلمان۔ میں ابھی ابھی دو بڑے مشہور خاندانوں کی حویلیوں کو خریدنے سے انکار کر دیا ہے ان میں سے ایک صاحب تو اس لئے فروخت کرنا چاہتے تھے کہ ان سے بڑی حویلی کی نگرانی نہیں ہوتی تھی اور اگر کوڑے کرکٹ سے اٹے پڑے تھے۔

س۔ ہاں واقعی ہے تو بہت افسوسناک۔ لیکن شاید آپ بھی جاننے والے ہوں گے کہ حکومت آج کل ہی میں جائدادوں پر اس قسم کی اشتراکی دستبرد کو بند کر دیگی۔

ظلمان۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ حکومت فوراً احکام نافذ کر دیگی۔ اس سے پہلے کہ

میں وہ مکان یا وہ خانقاہ خریدوں؟ وہ دونوں خانقاہیں ہیں۔
نسرین۔ اچھا خیر چھوڑیے اسے۔ اب کچھ کام کی باتیں کریں۔ اب تک
ہم بیکار باتیں کرتے رہے ہیں۔

ظلمان۔ جی نہیں میں تو اچھی خاصی کام کی باتیں کر رہا تھا۔
نسرین۔ تو اس کا مطلب یہ ہے آپ خورشید کو اتنا نہیں جانتے جتنا کہ میں
خورشید ذرا شیخ جلی اور خوبی قسم کے آدمی ہیں۔ شاید یہ آپکا اثر
ہے۔ وہ ایک ایسی رفیقہ حیات چاہتے ہیں جو ان کا خیال دیکھے۔
خوبی قسم کی بیوی نہیں۔

ظلمان۔ گویا آپ جیسی بیوی۔
نسرین۔ (جلدی سے) لیکن آپ مجھ سے توقع نہیں کر سکتے کہ میں یہ سب
کچھ اپنے ذمہ توں اور میرے پاس ان کی حیثیت کو برقرار رکھنے
کیلئے روپیہ بالکل بنوں۔

ظلمان۔ (چونکا ہو کر) ذرا ٹھیرئیے۔ ذرا ٹھیرئیے۔ یہ ہم کہاں سے کہاں
پہنچ گئے۔ میں نے تو آپ سے کوئی چیز بھی اپنے ذمے لینے کی توقع
ظاہر نہیں کی۔

نسرین۔ ارے ظلمان صاحب! آپ اگر یوں انسیدھا سمجھنے لگے تو
آپ سے بات کرنا مصیبت ہو جائیگا۔

ظلمان۔ نہیں یہ بات نہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہم سیدھے راستے
سے کچھ بھٹک گئے ہیں۔

مقصود جلدی سے دروازہ کھولتا ہے اور خورشید کو اندر لاتا ہے
 خورشید غصہ میں بوکھلایا ہوا ہے۔ باغ میں داخل ہو کر اپنے والد کو
 دیکھتا ہے۔ نسریں اٹھ کر اسے آتی ہے مقصود باہر چلا جاتا ہے۔
 یکم از کم وہاں تو نہیں ٹہیرتا۔

نسریں۔ کتنا افسوس ہے! اچھا خورشید اب تم خاموش رہو اور ذرا پہل
 بیٹھ جاؤ جب تک میں تمہارے والد سے گفتگو کروں تم الگ بیٹھو۔
 خورشید۔ نہیں نسریں میں اس چیز کا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں اس سے ہٹا کر
 باپ کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے جس کے گال خون سے سرخ ہو گئے
 ہیں، ابا جان! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔

ظلمان۔ کیا مطلب تمہارا؟

مقصود۔ آپ نے ایک خط کھول لیا جو میرے نام لکھا گیا تھا۔ آپ نے
 میرا بھیس بدلا۔ اور اس ٹرکی تک پہنچے یہ حد درجہ شرمناک فعل ہے
 ظلمان۔ خورشید تم سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ سوچ لو تم!

خورشید۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں میں سوسائٹی میں
 اپنی عزت اور حیثیت کے متعلق سوچ رہا ہوں۔

ظلمان۔ تمہاری عزت اور حیثیت میرے روپے کی عطا کی ہوئی ہے۔ جانستے ہو تم؟
 خورشید۔ لیکن آپ نے یہ خط کھول کر خاک میں ملا دیا۔ ایک ہندوستانی
 خاتون کا خط۔ جو آپ کے نام نہیں لکھا گیا تھا۔ ایک راز کا خط۔ ایک
 ذاتی خط۔ میرے والد نے کھولا! یہ ایک ایسی بات ہے جسے ہندوستان

میں کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا
 نسریں۔ ہوش میں آؤ خورشید ظلمان صاحب کا خط کھولنا تعجب خیز نہیں۔ اُن
 نام اس پر لکھا تھا۔

ظلمان۔ یہ بات ہے خورشید! تم بالکل بے وقوف ہو۔ نسریں صاحبہ میر
 آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں

خورشید۔ میں بھی تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں میرے والد کی سمجھ بھنم اتنی ہے
 ظلمان۔ (غصہ سے ٹٹھیاں بھیجتے ہوئے) خورشید۔

۱۔ خورشید۔ رجوش میں آکر چڑنے کی کوئی ضرورت نہیں راز کا خط راز کا خ
 ہی ہے ابا جان آپ کو غلطی ماننا پڑے گی۔

ظلمان۔ (آواز بلند کر کے) تمہاری یہ گستاخیاں میں برداشت نہیں کروں گا بنا تم
 نسریں۔ ہوش بش۔ جناب۔ وہ دیکھیے وہ لوگ آرہے ہیں۔

(باپ بیٹے چپ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکیے لگتے ہیں۔ پرویز باغ کے
 چھوٹے دروازے میں سے داخل ہوتا ہے اس کے پیچھے ارد شیر اور

کیقباد اور یرویں آتی ہے۔)

نسریں۔ آپ لوگ واپس آگئے ابھی سے؟
 پرویز۔ آج بعد دوپہر قلعہ بند رہے گا۔

نسریں۔ یہ کیا مصیبت ہے!

پرویز۔ آگے چلا جاتا ہے اور خورشید نو وار کے درمیان آجاتا ہے۔
 دونوں ایک دوسرے کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن

پرویز کو دیکھ کر نظریں بچا دیتے ہیں)۔

ارد شیر۔ نسریں سر کے درد میں یوں دھوپ میں باہر پھرنا اچھا نہیں تھا ہے
پرویز۔ خورشید صاحب آپ بھی اچھے ہو گئے؟

نسریں۔ ارے ہاں۔ میں بھول ہی گئی ہم میں سے بعض افراد کو ایک دوسرے
سے قارف حاصل نہیں خورشید صاحب اپنے والد صاحب کا تارف کر لیے
خورشید۔ میں نہیں کرتا۔ یہ میرے والد نہیں ہیں۔

ظلمان۔ تم اپنے ہندوستانی دوستوں کے سامنے اپنے باپ کو باپا کہنے لے
سے انکار کرتے ہو؟ شرم نہیں آتی بہتیں؟

نسریں۔ ارے خدا کیلئے اب ختم کیجئے اس بحث کو۔

رپرویں اور کیتھاد باغ کے دروازہ کے پاس منڈلا رہے ہیں۔ اس تو تو

میں میں سے دور ہی رہنا چاہتے ہیں اور دور ہی سے اس کا مزہ لینا

چاہتے ہیں۔ پرویں کھڑی حیرت سے دیکھ رہی ہے۔ خورشید اپنے

باپ سے اس قدر سخت کلامی کر رہا ہے اور اسے اپنے باپ کی دولت

کا کچھ خیال نہیں)

خورشید۔ مجھے افسوس ہے نسریں صاحب۔ لیکن میں ایک اصول پر ٹر رہا ہوں

میں ایک بیٹا ہوں۔ اور شاید ایک سعادت مند بیٹا۔ لیکن میں انسان

بھی ہوں اور اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اگر ابا جان میرے خط

کو اپنا سمجھ کر کھولیں گے اور میری اور نسریں کی خوشی اور مرہنی کے باوجود

اس سے شادی نہیں کرنے دیں گے تو میں ان کا کوئی نہیں۔

پرویز - نرس سے شادی کرنے کیلئے؟
 اردشیر - آپ کے ہوش و حواس بجا ہیں؟
 پرویز - کیا آپ بھول گئے جو ہم نے آپ سے کہا تھا؟
 خورشید - مجھے آپ کے کہنے کی کچھ پرواہ نہیں۔
 اردشیر - چہ! چہ! چہ! کیسا عجیب و غریب انسان ہے۔ (غصہ میں آکر
 دروازہ کی طرف بڑھتا ہے)

پرویز - یہ ایک اور محنوں پیدا ہو گئے۔ ان عاشقوں کو تو قفل میں بند کر کے
 رکھنا چاہیے۔ خورشید کو اس کے حال پر چھوڑتا ہے۔ اور وہاں سے چلتا
 ہے۔ لیکن ظلمان اسے راستے میں روک لیتا ہے۔ وہ ایک اور وجہ سے
 چراغ پا ہو گیا ہے)

ظلمان - میں سمجھا نہیں کیا خورشید نرس کے لائق نہیں؟
 پرویز - اہی حضرت اس لڑکی کی پہلے سے شادی ہو چکی ہے۔ خورشید کی یہ
 سب معلوم ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے خطی پن سے باز نہیں آتا
 آپ اسے گھر لے جائیے اور قفل میں بند کر دیجئے۔

ظلمان - اچھا تو یہ ہے اخلاق اور تہذیب کا وہ معیار جسے میری ناولی اور
 بدتمیزی سے صدمہ پہنچا۔ ایک شادی شدہ عورت سے عشق بازی! شاید
 ہندوستانی امرا کی صحبت کا اثر ہے۔ کیوں ہے نا؟

خورشید - خیر آپ اس کی فکر نہ کیجئے میں اپنے افعال اور اخلاق کا خود
 ذمہ دار ہوں۔

پروینز۔ (خورشید کے دائیں بازو آتے ہوئے) واںڈ اس وقت تو پتے کی بات کہدی استاد! تو گویا اب آپ بھی اس کے قائل ہو گئے کہ شادی کے قوانین ہی اخلاق کی تعمیر کے لئے کافی نہیں ہیں مجھے آپ سے اتفاق ہے لیکن بد قسمتی سے نسریں کو نہیں۔

ظلمان۔ لیکن مجھے اس میں شبہ ہے (نسریں سے)۔ بگیم نسریں ظلمان صاحب! یا جو کچھ بھی آپ کا صحیح نام ہے۔ جب کسی اور کی بیوی تھیں تو آپ کو یہ خط میرے بیٹے کو نہیں لکھنا چاہیے تھا۔

خورشید۔ (تکلا کر) حد ہو گئی اب تو۔ ابا جان! آپ میری بیوی کی توہین کر رہے ہیں!

ظلمان۔ تمہاری بیوی!

پروینز۔ اچھا تو وہ معلوم شوہر جناب ہی ہیں خوب! کیا کہنے!! اخلاقی عیاری کا ایک اور نمونہ!! ظلمان کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے!

ظلمان۔ تم نے بغیر میری مرضی کے شادی کر لی!

اردشیر۔ آپ نے جان بوجھ کر ہمیں اٹو بنایا۔

خورشید۔ خیر اب بہت ہو چکی فقہ محقر یہ کہ میں اور نسریں میاں بیوی ہیں کچھ فرمائیے آپ کو یا کسی صاحب کو اس بارے میں کیا کہنا ہے۔

ظلمان۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ نسریں نے ایک فقیر سے شادی کی ہے۔

خورشید۔ جی نہیں۔ اس نے ایک مزدور سے شادی کی ہے! میں آج سے ہی اپنے قوت بازو سے اپنی روٹی کمانا شروع کر دیتا ہوں۔

ظلمان - اب تو بڑے میں مار خاں بن رہے ہو۔ میں نے آج ہی توجیب خرچ دیا ہے۔ ذرا اسے ختم ہو جانے دو پھر معلوم ہوگا کہ گے بیسی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

خورشید - (اپنی جیب سے نفاذ نکالتے ہوئے) یہ لیجئے (باپ کے سامنے پھینکتے ہوئے) یہ رہا وہ جیب خرچ۔ اب آپ یا آپکا جیب خرچ میری زندگی میں نخل نہ ہو۔ میں ان جیب خرچوں سے بھر پلایا۔ اور آپ سے بھی۔ میں ایک ہزار روپیے میں اپنی بیوی کو توہین کرنے کا حق آپ کے ہاتھ نہیں بیچ سکتا۔

ظلمان - (متاسف ہو کر) خورشید تم نہیں جانتے کہ غریبی کیا ہے۔ خورشید - میں جانا چاہتا ہوں کہ غریبی کیا ہے۔ میں انسان بننا چاہتا ہوں۔ نسریں تم میرے ساتھ گھر چلو۔

کی نقیضہ رباغ میں دوڑ کر آتے ہوئے خورشید کے بائیں جانب آکر جاتے جاتے مجھ سے ہاتھ تو ملائے جاؤ خورشید میرے دل میں تمہاری اس قدر عزت اور وقعت ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا (دل بھر آتا ہے) نسریں - (پریشان ہو کر) بیوقوف نہ ہو کیلکی۔ خورشید بھی اتنے ہی اچھے مزدور بن سکتے ہیں جتنے کہ تم۔

پرویز - (کرسی سے اٹھتے ہوئے) بیگم خورشید ظلمان! آپ فکر نہ کیجئے ہم انہیں مزدوری نہیں کرنے دیں گے (خورشید سے) روپے کی کوئی دقت نہیں ہے خورشید - مجھے دوست سمجھو۔ روپیہ میں دوا لگا۔

کیتقاو۔ (جوش میں آکر) یا میں دوں گا۔

ظلمان۔ (جل بھن کر) آپکارو پیہ مانگنا کون ہے؟ باپ کی موجودگی میں کوئی کسی کے آگے کیوں ہاتھ پھیلاے گا۔ (پرویز اور کیتقاو دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔ کیتقاو کو ذرا تکلیف ہوتی ہے کہ اس کی تہک ہو گئی پرویز مطمئن ہو جاتا ہے کہ روپے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ فرس امید بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے، دیکھو طیش میں نہ آؤ بیٹے مجھے اپنے کہے پر انوس ہے۔ میرا مقصد تمہاری توہین کرنا نہیں تھا جو ہو اسو ہو۔ یہ بیوی واقعی تمہارے لائق ہے۔

خورشید۔ (اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے) نہیں آپ کچھ خیال نہ کیجئے اباجان۔ گذشتہ راصلوۃ۔ اب ہم پھر دوست بن گئے۔ بس صرف اتنی بات ہے کہ میں کسی سے روپیہ نہیں لوں گا۔

ظلمان۔ دیکھو خورشید مجھ سے اتنے برگزشتہ خاطر مت ہو۔ اچھا ہوتا اگر تم مڑ کر روپیہ لے بیٹے بجائے اس کے کہ تم صلح صفائی کر کے فاقے کرو۔ تم نہیں جانتے دنیا کیسی ہے۔ میں جانتا ہوں۔

خورشید۔ نہیں نہیں یہ ہرگز نہیں ہو گا۔ جو کچھ میں نے کہا وہ اٹل ہے (باپ کے پاس سے ہو کر فرس کی طرف جاتا ہے) اچھا آؤ بیگم! میں میرے ساتھ ہوٹل میں منتقل ہونا ہے۔ اور دنیا کے سامنے اپنی مناسب حیثیت کا مالک بننا ہے۔

فرس۔ لیکن پیارے میں ذرا بہاری دنو کا نام اسے کہ دوں کہ وہ

سامان باندھ دے۔ تم ذرا جا کر کمرے کا انتظام کرو۔ کمرہ ایسا ہو جس کا رخ باغ کی طرف ہو۔ میں بھی بس اُن کی کوئی آدھ گھنٹے میں

ظلمان - اچھا اچھا جیسے تمہاری خوشی -

خورشید - اچھا تو اب آپ سب صاحبان سے پھر ملاقات ہوگی دیوڑی کو خدا حافظ کہتا ہے - پرویزہ کی قباد اور ارد شیر کے ساتھ باغ میں کھڑی ہے - باغ کے چھوٹے دروازے سے باہر چلا جاتا ہے -

ظلمان اور نسریہ رہ جاتے ہیں -

ظلمان - ذرا آپ ہی اُسے سمجھائیے - بھلے بُرے سے آگاہ کیجئے یہ آپ کے ہی بس کی بات ہے -

نسریہ - میں نہیں سمجھتی تھی وہ اتنے صندی ہیں - اگر ان کے یہی طور طریقے رہے تھے میری کیا چلے گی

ظلمان - ہمت نہ مارو نسریہ - گھر گزشتہ کی ضرورت ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ تم اسے ٹھوک پیٹ کر ٹھیک کر لو گی - وعدہ کرو کہ تم ایسا ہی کر دو گی نسریہ - میں اپنی سی ضرورتوں کی - دیکھئے تو کتنی حماقت ہے ؛ اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں - مغسی مولے رہے ہیں ظلمان - ہاں ہاں دیکھو تو -

نسریہ - (کچھ سوچ کر) میں سمجھتی ہوں آپ وہ رقم مجھے دیدیجئے - انہیں ہونٹل کابل ادا کر نیکے لئے رقم کی ضرورت ہو گی - دیکھئے -

میں کوشش تو کر دوں گی وہ اسے منظور کر لیں - ابھی تو خیر نہیں - زلیتہ

کچھ دنوں بعد۔

ظلمان۔ ہاں! ہاں! ہاں! بالکل ٹھیک (ہزار روپیے کا چیک دیتے ہوئے)
اور دیکھو! یہ تو صرف کنوارے بچے کا جیب خرچ ہے۔
نسریم۔ جی ہاں۔ ٹھیک ہے (لے لیتی ہے) شکریہ۔ اور ہاں! وہ آپ
جوان دو مکانوں کا ذکر کر رہے تھے۔ وہ خائف ہیں۔

ظلمان۔ ہاں پھر؟

نسریم۔ بغیر میرے دیکھے انہیں مت خریدے گا۔ کون جانے کیسے میں کیسے نہیں
ظلمان۔ نہیں نہیں میں کوئی کام تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کروں گا۔
نسریم۔ (ملاؤمت سے لیکن تشکرانہ لہجے میں نہیں) شکریہ۔ بس یہ ٹھیک ہے
(منگلہ میں واپس جاتی ہے۔ ظلمان سایہ کی طرح پیچھے لگا ہوا ہے)

پرویز۔ (جاتے ہوئے اردو شیر سے) ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ یہ حضرت کروڑ پتی
ہیں۔ اپنے وقت کے فارون ایک، لڑکی نے کس صفائی سے ان کے چونا
لگا دیا۔ اور پھر یہ کہ خوشامد سے نہیں جوتے تھے۔ جادو وہ جو سر پر

چڑھ کے بوسے۔ کیا میرا بھی یہی حشر ہوگا؟

اردو شیر۔ جتنی جلدی آپ کا یہ حشر ہوا اتنی ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔
ظلمان۔ (واپس آتے ہوئے) بس یہ عورت ہے خورشید کیلے۔ میں تو سو
شہزادیاں اس پر سے قربان کر دوں (پرویز اور اردو شیر کے درمیان آتا ہے)
اردو شیر۔ (کروڑ پتی صاحبہ نہایت ادب کے ساتھ) ظلمان صاحب اس خطہ
زمین میں خواب کو دیکھ کر مجھے انتہائی خوشی ہوئی ہے کیا آپ قلم کو

خریدنے تشریف لائے ہیں۔

ظلمان۔ ابھی تو میں کہہ نہیں سکتا۔ میں سمجھتا ہوں ہندوستانی حکومت نے اسے جس حال میں رکھا ہے اس سے تو میں اچھا ہی رکھوں گا۔ بات یہ ہے کہ کوئی ہمینہ بھر ہوا مجھے معلوم ہوا کہ دو شخص کچھ حصوں کے بارے میں لڑ رہے ہیں کچھ قیمتوں میں اختلاف تھا۔ بس ذرا دل لگی کیلئے میں آیا اور وہ حصے خرید لئے۔ لیکن ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہوا کہ معاملہ کیا تک پہنچا ہے۔ اُن کا دفتر سی شہر میں ہے۔ نام ہے ”سکندر لمیٹڈ“ اب میں جاننا چاہتا ہوں ”سکندر“ کسی دفانی کشتی کا نام ہے کسی بنک کا نام ہے۔ یا کسی دوائی کا نام ہے۔

پرویز۔ یہ ایک آدمی کا نام ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ وہ ذرا بنیا قسم کا آدمی ہے۔ ہم آپ کو میر کرانے لے جائیں گے تو راستے میں اس سے آپکو ملا دیں گے۔

ظلمان۔ شکریہ آپ کا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ —
پرویز۔ آپ ارد شیر چینیائی صاحب ہیں آپکی بہو کے بہت پرانے دوست ہیں۔
ظلمان۔ مجھے آپ سے ملکر بہت خوشی ہوئی ارد شیر صاحب۔
ارد شیر۔ شکریہ پرویز صاحب بھی ہم میں سے ایک ہیں۔
ظلمان۔ آپ سے ملکر مجھے بہت خوشی ہوئی پرویز صاحب۔
پرویز۔ شکریہ ظلمان اور ارد شیر چلے جاتے ہیں پرویز کب قبا کو آواز دیتا ہے جوان کے ساتھ باغ میں پھڑپھڑا رہے اکیلی اکیلی آتا ہے۔ پرویز

راز دارانہ ہجے میں لیکن ادنیٰ آواز سے کہتا ہے! نسریں کے سر
 لٹیروں کے مہاجن ہیں دظلمان اور اوشیر کے ساتھ ملنے کیلئے دوڑتا
 ہے۔ پرویں خراں خراں کی قباد کی طرف آتی ہے اسے تنگ کرنے کیلئے
 پرویں۔ تم لوگوں کیساتھ نہیں جاؤ گے کیکی!

کیقباد۔ (آبدیدہ ہو کر) تم مجھے بھی ان کے ساتھ جانیکو کہتی ہے میرے
 زخموں میں نمک چھڑکتی ہو پرویں (منہ پھیر کر دور چلا جاتا ہے پرویں
 بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)

پرویں۔ بچارا کیکی! ٹوٹا ہوا دل!

کیقباد۔ میرا دل تمہارا ہے پرویں معاف کرنا نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
 مجھے تم سے محبت ہے۔ تم جانتی ہو مجھے تم سے محبت ہے۔

پرویں۔ کیا فائدہ کیکی! تم جانتے ہو کہ امی تلی بیٹھی میں کہ میری شادی
 جانی میاں سے کروں۔

کیقباد۔ (حیران ہو کر) جانی میاں سے؟

پرویں۔ کیسی بے تکلیفی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ہے نا؟

کیقباد۔ تو کیا جانی میاں ابھی تک مجھے دھوکہ میں رکھتے رہے۔ وہ مجھے
 تمہارے ساتھ شادی کرنے سے اس لئے روکتے رہے کہ وہ خود تم سے
 شادی کرنا چاہتے تھے۔

پرویں۔ نہیں نہیں تم ان سے تو کہنا نہیں کہ میں یہ کہہ رہی تھی۔ میں نہیں جانتی
 کہ ان کا کیا خیال ہے۔ لیکن اباجان کے وصیت نامہ سے یہ صاف ظاہر ہو گیا

جانی میاں سے میری شادی کرنا چاہتے تھے۔ امی اس پر اڑی ہوئی ایس
لیقتیاد۔ لیکن تہیں ہر ماٹے میں اپنے آپ کو اپنے والدین کی مرضی پر
قربان کر دینے کی ضرورت نہیں۔

پرویں۔ ابا جان کو مجھ سے محبت تھی۔ امی جان کو مجھ سے محبت ہے۔ ظاہر
ہے کہ میری خود غرضی کے بجائے ان کی مرضی میری زیادہ رہنمائی کر سکتی
ہے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم خود غرض نہیں ہو۔ تم کہو گی کہ میں اپنے
مطلب کی بات کر رہا ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کا ایک دوسرا
پہلو ہے۔ کیا مناسب ہو گا کہ تم جانی میاں سے شادی کرو جب کہ تہیں اس
سے محبت نہو۔ اگر تم مجھ سے محبت کر سکتی ہو تو کیا یہ مناسب ہو گا کہ تم اپنی
اور میری مسرتوں کا اس طرح خون کرو۔

پرویں۔ رہمدر دانہ لہجے میں (کیکی پیارے) تم بڑے اچھے ہو۔ تم بڑے اچھے لڑکے ہو
کیقتیاد۔ بس؟

پرویں۔ دشمرات سے ایہ تو بہت کافی ہے کیکی تم میرے نقش پا کو ہمیشہ سجدہ
کرتے رہو گے نا؟

کیقتیاد۔ کرتا رہوں گا کیا؟ کرتا ہوں۔ یہ مبالغہ نہیں۔ میں کرتا ہوں کرتا رہوں گا
پرویں۔ ایک بات کو کھینچ تان کر لبا کرنے کی عادت تہیں خوب ہے۔ بات یہ
ہے کہ اگر تم میری پوجا کرتے رہو گے تو مجھے ہمیشہ دیوی بنے رہنا
پڑے گا۔ اور شادی کے بعد میرے لئے دیوی بنے رہنا ناممکن ہو جائیگا۔
اگر میں جانی میاں سے شادی کروں تو میرے متعلق تمہارا جن نطن قائم رہیگا

کم از کم میرے بوڑھے ہونے تک۔
کیقباد - میں بھی بوڑھا ہو جاؤنگا پرویں۔ اور جب میں اسی سال کا ہونگا
تو میری محبوبہ کے سر کا ایک سفید بال ایک دوشیزہ کی سنہری زلفوں
سے زیادہ جاذبِ قلب و نظر ہوگا۔

پرویں (متاثر ہو کر) یہ شاعری ہے کیکی۔ سچی شاعری! اسے من کر مجھے
اپنے پچھلے جنم کی کچھ باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ یہ غالباً ثبوت ہے اس
بات کا کہ ہماری رو میں غیر فانی ہیں۔
کیقباد - کیا تم اس کی قائل ہو۔

پرویں - اگر یہ سچ ہے تو تمہیں میری جدائی برداشت کرنا ہوگی۔
کیقباد - ادہ (کرسی پر گر پڑتا ہے اور اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ لیتا ہے)
پرویں - کیکی! میں تمہارے فریبِ نظر کی رنگین دنیا کو بردہ نہیں کرنا چاہتی
نہ تو میں تمہیں اپنا بنا سکتی ہوں نہ تمہیں کسی اور کا ہونے دیکھتی ہوں
میں تمہارے لئے وہی چاہتی ہوں جو تمہارے لئے مناسب ہے۔ تمہیں
میری خاطر ساری عمر بن بیاتے بسر کرنا ہوگی اور ایک جذباتی عاشق بنے
رہنا پڑے گا۔

کیقباد - (بے تاب ہو کر) میں خودکشی کر لوں گا۔ پرویں!
پرویں - نہیں ایسا نہ کرنا۔ بڑی زیادتی ہوگی۔ تمہارا وقت اچھا گزرے گا
کیکی عورتوں میں تمہارا دل بہل جائیگا۔ تم اکثر رقص و سرور کی محفلوں
میں جایا کرو گے۔ بہی میں دردِ دل بڑا اچھا مشغلہ ہے بشرطیکہ خرچ

کرنے کو پیسہ ہو۔

کیقباد۔ (ذرا ٹھٹھا ہو کر) میں جانتا ہوں پرویں! کہ تمہارا دل مجھ پر ضرور پسچے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے جانی میاں نے تمہیں سمجھا دیا ہے کہ نقاب غلی مجھے بے وقوف بنانیکا بہترین طریقہ ہے۔

پرویں۔ دیکھا تم نے ابھی سے تمہارا حنِ ظن کم ہونا شروع ہو گیا۔ بس میں اسی سے ڈرتی ہوں۔

کیقباد۔ لیکن تمہیں جانی میاں کے حنِ ظن کم ہونیکا خیال نہیں۔

پرویں شرارت سے دہمی آوازیں! اُسے میرے بارے میں کوئی حنِ ظن ہی نہیں دے ہی نہیں! اگر کسی کی رائے میرے بارے میں اچھی نہ ہو تو اس کی رائے کو تبدیل کرنا میرے لئے آسان ہے لیکن اگر کوئی شخص مجھ سے بہت بڑی بڑی توقعات رکھتا ہے تو ان توقعات پر پورا اترنا میرے لئے نسبتاً زیادہ مشکل ہے۔ اسی لئے مجھے امید ہے کہ میں کبھی جانی میاں کو مسحور کر سکوگی۔

کیقباد۔ (مایوسانہ لہجے میں) ہاں مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم جانی میاں کو ہمیشہ مسحور کر سکوگی۔ اور وہ۔ بے وقوف۔ سمجھتا ہے کہ تم اس کی زندگی تباہ کر دو گی۔

پرویں۔ ہاں۔ یہی تو مشکل ہے۔

کیقباد۔ (جوش میں آکر) کیا میں اس سے کہوں کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔

پرویں۔ نہیں نہیں۔ وہ پھر بھاگ جائیگا۔

کیقباد۔ پرویں! کیا تم ایسے شخص سے شادی کرو گی جو تم سے بھاگتا ہے
پرویں۔ کیسے بیوقوف ہو تم۔ کیکی! کوئی مرد بھی ایسا نہیں جو شادی سے نہ
بھاگتا ہو۔ (شرارت کی ہنسی سنتی ہے) شاید نہیں حیرت ہوئی ہو گی لیکن
میں سمجھتی ہوں اس مصیبت سے نجات حاصل کر کے تم بھی ایک قسم کا اطمینان
سامحوس کرتے ہو گے۔

کیقباد۔ (حیران ہو کر) اطمینان؟ یہ تم مجھ سے کیا کہتی ہو؟
پرویں۔ اچھا تو اگر یہ تمہارے سوہان روح کا باعث ہوتا تو کیا تم چار
کہ اس درو کو رب میں اضافہ ہو۔

کیقباد۔ میں نے کب اس میں اضافہ کی خواہش کی؟
پرویں۔ تم جانی میاں سے جا کر یہ کہنے کیلئے تیار ہو کہ مجھے اُس سے محبت
ہے۔ یہ قربانی ضرور ہے لیکن میں سمجھتی ہوں اس قربانی سے تمہیں
اطمینان قلب بھی ضرور ہوگا۔ اور وہ غالباً اس نے کہ تم شاعر ہو۔ تم
اُس پرندہ کی طرح ہو جو اپنے سینہ کو نوکِ خار پر رکھ کر دباتا ہے۔
اور اس درد سے بے تاب ہو کر نغمہ سرائی کرتا ہے۔

کیقباد۔ نہیں یہ بات نہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ اوہ میں جانتا ہوں
کہ تم خوش رہو تمہیں مجھ سے محبت نہیں لہذا میں تمہیں خوش نہیں

کر سکتا۔ اس لئے میں ایک دوسرے شخص کی مدد کر رہا ہوں جو تمہیں خوش رکھ سکتا ہے۔ یہ بالکل سیدھی سی بات ہے۔

پرویں۔ ہاں یہ سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن کیا ہم اپنے افعال کی نیت سے خود واقف ہوتے ہیں۔ سب سے سیدھی بات یہ ہے کہ جس چیز کی خواہش ہو اسے براہ راست حاصل کر نیکی کوشش کی جائے میں سمجھتی ہوں مجھے تم سے محبت نہیں ہے کیکی لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمہیں آدمی بنا دوں۔ عورتوں کے معاملے میں تم بہت سیدھے واقع ہوئے ہو

کیقباد۔ (سرد چہری سے) میں جیسا بھی ہوں ہوں۔ میں اپنی حالت پر مطمئن ہوں پرویں۔ تب تو تمہیں عورتوں سے الگ رہنا چاہیے۔ انہیں صرف خوابوں میں دیکھنا چاہیے میں تو تم سے کبھی بھی شادی نہ کروں کیکی۔

کیقباد۔ مجھے اب اس کی امید بھی نہیں رہی پرویں! مجھے اپنی محدود قسمت کا احساس ہے اور گھائل کی گت گھائل ہی جانتا ہے۔

پرویں۔ تم بڑے رفیق القلب ہو کیکی۔ تمہاری بہن نسریں تو ایسی نہیں۔ نسریں تو پتھر کی طرح سخت ہے۔

کیقباد۔ نہیں مجھے یقین ہے نسریں کے سینے میں عورت کا دل ہے۔

پرویں۔ (دوراں جزبہ ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو تم۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ عورت کا دل اس عورت کے سینے میں ہوتا ہے جو بے وقوف ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ نسریں نری احمق بن کر رہ جائے۔ مجھ سے بھی زیادہ!)

کیقباد - تم سے بھی زیادہ کیا مطلب تمہارا - پرویں -
 پرویں - نہیں میرا مطلب اور کچھ نہیں - نسریں کی میرے دل میں بہت
 عزت ہے - وہ ہمیشہ اپنا لوہا منوا لیتی ہے -

کیقباد - تمہارا بھی یہی حال ہے
 پرویں - لیکن وہ بغیر ہلاک پھلاکے اپنا مطلب نکال لیتی ہے
 کسی کو اپنا عاشق زار بنا کے بغیر
 کیقباد - میرے خیال میں چاہے وہ کتنی حسین کیوں ہو - کوئی اس کا عاشق
 زار نہیں بن سکتا -

پرویں - نہیں - اگر وہ چاہتی تو یہ بھی مشکل نہ تھا -
 کیقباد - لیکن اچھی عورت کبھی مردوں کے جذبات سے کھیلنا پسند نہ کرے گی
 پرویں - (اپنے ہاتھ نچا کر) ارے کیکی بھوے کیکی خدای رَم کرے اُس
 لڑکی پر جو تمہارے بچے پڑے -

کیقباد - کیوں تم اب کیوں کہتی ہو؟ مجھے سناؤ نہیں میں نہیں سمجھتا تمہاری
 پرویں - فرض کرو تمہیں کوئی ایسی عورت مل جائے جو نہ سہلائے اور بھیجا کھائے -
 کیقباد - تو کیا میں ایسی عورت سے شادی کروں گا؟ میں؟ جو تمہیں سمجھ چکا
 ہوں اور تم سے محبت کر چکا ہوں؟

پرویں - خیر ہر حال اگر وہ سمجھدار ہوگی تو تم سے شادی کرے گی نہیں - اور یہ
 طے ہے - اور اب مجھ سے زیادہ نہیں بولا جاتا - مجھے معاف کرو - اور یہ
 قصہ ختم کرو -

کی قباد۔ مجھے معاف کرنا نہیں ہے اور قصہ ختم ہو گیا زخم ہر اسے گالیکن
تم خون بہتا ہوا کبھی نہ دیکھو گی

پرویں۔ آخر وقت تک شاعر ہی رہے تم۔ کیکی۔ خدا حافظ پیارے (اس کے
رخسار پر آہستہ سے تھپڑ مارتی ہے۔ بوسہ لینے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن
پھر کچھ سوچ کر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ آخر وہاں سے بھاگ کر نیگلے کے
اندر چلی جاتی ہے۔)

گیتباد پھر بیٹھ جاتا ہے اور اپنا سر ہاتھوں میں لئے۔ سسکیاں بھرنا شروع
کرتا ہے۔ بیگم ہمدانی آتی ہے۔ ابھی راولپنڈی کے بازار سے کچھ خرید و
فروخت کر کے آئی ہیں۔ ہاتھ میں ایک تھیلہ ہے جس میں کچھ میٹل وغیرہ ہیں
بیگم ہمدانی۔ (دوڑ کر گیتباد کا سر اٹھاتے ہوئے) کیا بات ہے کیکی؟
دشمنوں کی طبیعت ناساز تو نہیں۔

گیتباد۔ نہیں نہیں کچھ نہیں۔

بیگم ہمدانی لیکن تم تو رہے ہو۔ کیا نسریں کی شادی کا غم ہے؟
گیتباد۔ نہیں نہیں آپ کو نسریں کا قصہ کس نے سنایا؟

بیگم ہمدانی۔ میں اردو شہر سے اور اس عجیب و غریب یہودی سے ملی۔ سچ
بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے بات کیا ہے۔

گیتباد۔ کوئی بات نہیں۔ صرف ایک ٹوٹا ہوا دل! کتنی عجیب بات معلوم
ہوتی ہے۔

بیگم ہمدانی۔ لیکن ہوا کیا؟ کیا پرویں نے کچھ کہہ دیا؟

کیقباد - نہیں اس میں پرویں کا کوئی قصور نہیں۔ اور مجھے آپ سے بھی کوئی گلہ نہیں۔

بیگم ہمدانی - حیران ہو کر اکاٹے کا؟

کیقباد - کسی کا بھی نہیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں بیگم ہمدانی۔ لیکن میں نے تو کچھ نہیں کیا یہ معاملہ کیا ہے۔

کیقباد - دسکراتے ہوئے غلین بچے میں، کیا آپ اندازہ نہیں کر سکتیں۔

لیکن سچ ہے پرویں کی شادی کے معاملہ میں آپ کا جانی میاں کو مجھ پر ترجیح دینا بجا ہے۔ مجھے پرویں سے محبت ہے اور اس نے مجھے تکلیف ہوئی (وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے)

بیگم ہمدانی - اس کے پیچھے جاتے ہوئے پرویں کہتی ہے کہ میں نے اُسے جانی میاں سے شادی کرنے کو کہا ہے؟

کیقباد - جی ہاں۔ اس نے آج مجھ سے کہدیا۔

بیگم ہمدانی - تب تو مجھے بہت افسوس ہے کیکی وہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ جانی میاں سے شادی کرے گی۔ وہ اس مفہوم کو میرا نام لیکر ادا کرتی ہے۔ میرے چاہنے یا نہ چاہنے کی اُسے کیا پروا؟

کیقباد - لیکن اگر اُسے آپ کی مرضی کا یقین نہ ہو تا تو وہ نام نہ لیتی۔ آپ پرویں کی صداقت پر تو شبہ کر نہیں سکتیں۔

بیگم ہمدانی - اب میں کیا کہوں کیکی! معلوم نہیں مرد کیلئے کونسی چیز بہتر ہے جانی میاں کی طرح سب کچھ جانتا یا تمہاری طرح کچھ نہ جانتا۔

(پرویز واپس آتا ہے)

پرویز - میں نے بڑھے ظلمان کا کام بھی کر دیا۔ میں نے اُسے سکیندر
لیٹیڈ سے ملا دیا ہے۔ اور دونوں ٹیروں کو وہیں چھوڑ آیا ہوں کہ
آپس میں نیٹ لیں۔ کیکی خیر تو ہے۔

کیقباد - ذرا میں جا کر منہ دھو آؤں۔ بیگم ہدانی سے) آپ اپنی مرضی ان
سے کہہ دیجئے (پرویز سے) میں تمہیں یقین دلاتا ہوں جانی میاں کہ
پرویز اس کی تائید کرتی ہے۔

پرویز - کاہے کی تائید کرتی ہے؟
کیقباد - جو کچھ بیگم ہدانی فرمائیں ایک مناسبانہ تمکنت کے ساتھ ننگہ
کی طرف چلا جاتا ہے،

پرویز - (بیگم ہدانی سے) یہ سب کچھ کیا بھید ہے۔ آپ کیا فرماتی ہیں۔
جو کچھ آپ فرمائیںگی اس کی تعمیل کی جائے گی۔

بیگم ہدانی - شکریہ جانی میاں۔ بیٹھ جاتی ہے۔ پرویز ایک اور کرسی
پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے) میں حیران ہوں کہ

اوروں کے بچے میری اس قدر مانتے ہیں اور میرے اپنے بچے میری

سننے ہی نہیں۔ میں بھی پرویز اور یاسین کا اتنا خیال نہیں کرتی جتنا تمہارا

کیکی کا اور نرسیں کا۔ یہ عجیب دنیا ہے۔ ہمارے وقت میں دنیا کس قدر

سیدھی تھی۔ اور اب تو لوگوں کے کچھ طور طریقے ہی بدل گئے ہیں

پرویز - جی ہاں ہم سمجھتے تھے کہ زندگی سیدھی سادی سی چیز ہے۔ لیکن اب

ہیں معلوم ہوا کہ زندگی بہت پیچیدہ ہے۔ لیکن فرمائے میرے لئے کیا حکم ہے۔

بیگم سدانی - میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں چاہے میں چاہوں یا نہ چاہوں تم پرویں سے ضرور شادی کرو گے نا۔

پرویز - تو اب معلوم ہوتا ہے کہ مجھے پرویں سے شادی کرنا ہی پڑے گی چاہے میں خود چاہوں یا نہیں۔

بیگم سدانی - ہاں شاید ایسا ہی ہوگا۔ تم تو جانتے ہی ہو جب وہ کسی چہیز کے پیچھے پڑ جاتی ہے تو اسے کر کے چھوڑتی ہے لیکن اپنے فیصلہ کو مجھ پر مت چھوڑو۔ بس میں صرف اتنا ہی چاہتی ہوں۔ ابھی کیگی مجھ سے کہا کہ

وہ کہتی پھر رہی ہے کہ میں اسے تم سے شادی کیلئے کہہ رہی ہوں۔ او اس بیچارے نے رورو کے برا حال کر رکھا ہے۔ اسے پرویں سے محبت

ہے۔ نہ جانے اسے پرویں میں کیا سرخاب کے پردہ کھائی دیتے ہیں

میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیگی کو یقین دلانا ناممکن ہے کہ پرویں

جب اپنی مرضی دوسروں پر ظاہر کرتی ہے تو ہمیشہ کہتی ہے کہ میری بی

مرضی ہے۔ چاہے وہ بات میرے شان و گمان میں بھی ہو۔ اسے

کتنا ہی سمجھاؤ اسے مجھ سے بدظن ہو جاتا ہے۔ لیکن تم تو اسے اچھی

طرح جانتے ہو۔ تو اگر تم اس سے شادی کرو تو میرے سر الزامات تھریں

پرویز - اس سے شادی کرنے کا خیال تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا۔

بیگم سدانی - وہ کیگی کی نسبت تمہارے لئے زیادہ موزوں ہوگی۔ تم اس کی ٹھکرے ہو

میں چاہتی ہوں اُسے کوئی اس کی ٹلکر کاٹے۔

پرویزہ۔ کوئی مرد بھی عورت کی ٹلکر کاٹ نہیں ہو سکتا۔ اگر اس کے ہاتھ میں ڈنڈا اور پاؤں میں میخدار جوتا ہو تو شاید وہ عورت سے ٹکڑے سکے۔ بہر حال میں ڈنڈا لیکر تو پرویزہ کا استقبال کر نہیں سکتا۔ مجھے تو ہلکی غلامی کرنی پڑے گی۔

بیگم ہمدانی۔ نہیں وہ خود تم سے ڈرتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم اسے کھری کھری اس کے منہ پر سناؤ گے۔ اور وہ تمہیں جھانسانہ دیکھتی جیسے وہ مجھے دیا کرتی ہے۔

پرویزہ۔ اگر میں نے پرویزہ کو کھری کھری سنائیں اور ان کی اصل حقیقت ان پر ظاہر کر دی تو لوگ مجھے جانور کہیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پرویزہ سچ بولنے سے عموماً پرہیز کرتی ہے۔

بیگم ہمدانی۔ چلو۔ کوئی ایسا تو ملا جو اسے فرشتہ نہ کہے۔

پرویزہ۔ محقر یہ کہ ایک شوہر کے منہ سے نکلے ہوئے سیدھے ساوے الفاظ میں۔ پرویزہ بھوٹی ہے۔ اور چونکہ اس نے خواہ مخواہ کیلکی کو اپنے دام محبت میں گرفتار کر کے پریشان کر رکھا ہے اور اس سے تناوی نہیں کرنا چاہتیں لہذا وہ بڑی عشوہ طراز ہے۔ اور عشوہ طراز سے میرا مطلب اس عورت سے ہے جو درد تو دے لیکن دوا نہ دینا چاہے۔ اور اب اس نے آپ کو آمادہ کیا ہے کہ آپ مجھے اس کے صرف اس لئے بھینٹ چڑھائیں کہ میں اُسے اس کے منہ پر جھوٹا کہہ سکتا ہوں۔ اس کے معنی یہ

ہیں کہ وہ مکار بھی ہے۔ وہ مرووں کو اس قدر آسانی سے نہیں بنائیں
 جتنا کہ عورتوں کو۔ اس لئے مرووں کو اپنے حق و جمال سے فریب دیتی
 ہیں اور انہیں اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ کر دیتی ہیں اب اس
 اس صفت کیلئے ملائم لفظ میرے پاس نہیں۔

بیگم جہدانی۔ جانی میاں تم کسی سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ بے عیب ہے۔
 پیروینز۔ میں یہ توقع نہیں کرتا۔ لیکن پرویں یہی توقع کرتی ہیں۔ میں اچھی
 طرح جانتا ہوں کہ جھوٹا ہونا۔ عشوہ طراز ہونا۔ مکار ہونا۔ وغیرہ وہ
 اخلاقی الزامات میں جو ہر کسی پر لگائے جاسکتے ہیں۔ ہم سب جھوٹ بولتے
 ہیں۔ ہم سب جہاں تک ہو سکتا ہے دوسروں کو فریب دینے کی کوشش
 کرتے ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری مدح سرائی اور قصیدہ خوانی
 کیا کریں چاہے ہم اس کے قابل ہوں یا نہ ہوں۔ اگر پرویں ان سب باتوں
 کو مان لے تو مجھے اس سے شکایت نہ رہے لیکن وہ نہیں جانتیں۔ اگر
 ان کے بچے ہوں اور جھوٹ بولیں تو وہ انہیں خوب مار نیگی۔ اگر کوئی
 دوسری عورت میری طرف نظر بھر کر دیکھے تو انہیں یہ سمجھانا ناممکن
 ہو جائیگا کہ عورتیں فطرتاً عشوہ طراز ہوتی ہیں۔ جو کچھ ان کے جی میں آئیگا
 ضرور کریں گی۔ لیکن اوروں سے توقع رکھیں گی کہ وہ دنیا کی تمام رسوم
 کی مستثنیٰ سے پابندی کریں۔ ع۔ آنچہ خود نہ پسندی۔ دیگر اہل پسند۔
 مختصر یہ کہ میں پرویں کی سب کچھ حرکتیں برداشت کر سکتا ہوں لیکن عیار
 نہیں۔ بس اسے دیکھ کر میرا جی جلتا ہے۔

بیگم ہمدانی - (اپنی رائے پر وزیر کے منہ سے سن کر مطمئن ہو جاتی ہے)
ہاں عیار تو ضرور ہے ؟

پرویز - تو پھر آپ میری شادی اُن سے کرنا چاہتی ہیں ؟
بیگم ہمدانی - ایلو ! پھر مجھ پر ہی الزام دھرا - مجھے تو اس کا کبھی خیال ہی
نہیں آیا - وہ تو کیسی ککے کہنے پر مجھے خیال آیا - تم جانتے ہو کیسی سے مجھے
محبت ہے - وہ میرے بیٹے کے برابر ہے - اور میں یہ نہیں چاہتی کہ اسے
پاؤں تلے رونداجائے اور اس کی زندگی برباد کی جائے ۔

پرویز - اور میری زندگی تو زندگی ہی نہیں ۔
بیگم ہمدانی - نہیں تمہاری اور بات ہے - تم اپنی حفاظت خود کر سکتے ہو -
تمہارا اس کا نباہ ہو ہی جائیگا - اور بہر حال اس کی شادی تو ہوگی ہی
کہیں نہ کہیں ۔

پرویز - اور یہ فطرت انسانی کی آواز ہے - آپ کو اس سے نفرت ہے - لیکن
آپ کی شادی ضرور کرنا چاہتی ہیں ۔

بیگم ہمدانی - (چونک کر اٹھتے ہوئے) کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنی بیٹی
سے نفرت ہے تمہیں مجھ سے ایسی توقع تو نہیں رکھنی چاہیے کہ میرا
خون یوں سفید ہو جائیگا اس بنا پر کہ مجھے اس میں چٹ - نقائص نظر آتے ہیں
پرویز - تو آپ کو اس سے محبت ہے ؟

بیگم ہمدانی - ہاں - کیوں نہیں - تم کیسی باتیں کرتے ہو جانی میاں میں اپنی
عزیز و اقربا سے تو محبت ہوتی ہے - اور وہ تو اپنا خون ہے ۔

پرویز - ہاں ایسی باتیں کرنے سے خاندانی تعلقات اچھے رہتے ہیں۔
 لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عزیز و اقربا کے رشتوں کی بنیاد تغیر پر ہوتی ہے
 بیگم ہدانی - نہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں جانی میاں پرویں سے مت
 کہنا کہ میں نے تم سے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ میں صرف تمہارا یکہی کا
 معاملہ صاف کرنا چاہتی ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ میں گم شمع بیٹھی رہوں
 اور سب کی بلامیرے سر ڈالی جائے۔

پرویز - (ملاکت سے) بالکل درست ہے۔

بیگم ہدانی - اور اب میں نے معاملہ اور بگاڑ لیا ہے۔ یکہی مجھ سے خفا ہے
 کہ میں پرویں کی پوجا نہیں کرتی۔ اور جب سب یہی کہیں گے کہ پرویں
 کی شادی تم سے ہی ہونی چاہیے تو میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں
 کہ یہ رشتہ بُرا نہیں رہے گا۔

پرویز - شکریہ۔

بیگم ہدانی - اب میری باتوں کا کوئی التماسیدھا مطلب مت لے لینا۔
 میں تو سیدھی سادہی باتیں جانتی ہوں۔ پرویں نسریں کے ساتھ تنگ
 میں سے نکلتی ہے۔ نسریں نے سفر کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔
 پرویں - رات کے دائیں طرف اُتے ہوئے اچھی امی۔ آج تو جانی میاں
 سے گاڑی چھن رہی تھی آپ کی آوازیں ہم تک آ رہی تھیں۔
 بیگم ہدانی - تو تم نے سن لیا سب کچھ۔

پرویز - فکر نہ کیجئے۔ پرویں صرف - خیر ابھی ہم پر میں کی عادتوں کے

متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں سنا۔

بیگم ہمدانی۔ سنا ہو یا نہ سنا ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں، جو کچھ میرے جی میں آئے گا میں کہوں گی۔

نسرین۔ (بیگم ہمدانی اور پرویز کے درمیان اُتے ہوئے) میں خدا حافظا کہنے آئی ہوں۔ میں ماؤ عروسی منانے جا رہی ہوں۔

بیگم ہمدانی۔ (دراپیدہ ہو کر) ایسا نہ کہو نسرین! نہ کھانا نہ چینا نہ کپڑے نہ لے۔ نہ کچھ نہ کچھ؟

نسرین۔ میں جلدی ہی آ جاؤں گی۔

بیگم ہمدانی۔ اسے فلسطین مت جانے دینا۔ وعدہ کرو کہ تم فلسطین نہیں جاؤ گے۔

نسرین۔ میں سمجھتی ہوں میں فلسطین نہیں جاؤں گی آپ رویئے نہیں۔ میں صرف سوٹل جا رہی ہوں۔

بیگم ہمدانی۔ لیکن اس لباس میں اور اپنے سب مان کے ساتھ جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ۔ (پچکی بندھ جاتی ہے لیکن پھر اپنے پر قابو پا کر کہتی ہے)

کاش کہ تم میری بیٹی ہوتیں۔ نسرین! نسرین۔ نہیں نہیں۔ میں آپ کی ہی بیٹی ہوں لیکن پرویز کو رشک تو نہیں آئے گا۔

بیگم ہمدانی۔ پرویز کو میری ذرا بھی پرواہ نہیں۔

پرویز۔ اچھا چھوڑو بھی اتنی۔ اب روو نہیں۔ نسرین میں تمہیں رُلانا نہیں

چاہتی۔ (بیگم ہمدانی آنسو پونختی ہیں)

نسرے۔۔۔ خدا حافظ جانی میاں!

پرویز۔ خدا حافظ نسرے۔

نسرے۔ تم بھی جس قدر جلدی شادی کرو اتنا اچھا ہو گا۔ لوگوں کو
تمہارے متعلق غلط فہمی نہ پید ہوگی۔

پرویز۔ ممکن ہے میری آج شام تک شادی ہو جائے۔ معلوم ہوتا ہے
آپ سب اس پر تلے ہوئے ہیں۔

نسرے۔ معلوم نہیں تم ابھی کیا کیا کرو گے (بیگم ہندانی سے) اپنے بازو
اس کی گردن میں ڈال کر آئیے میرے ساتھ ہوٹل چلے موٹر کی سیر
سے آپ کی طبیعت بحال ہو جائے گی۔ جلدی کپڑے پہن لیجئے اور
تشریف لائیے۔ (بگلے کی طرف بے جاتی ہے)

بیگم ہندانی۔ (جاتے ہوئے) جب تم چلی جاؤ گی تو میں کیا کرونگی؟ صرف
پرویں ہی گھر میں ہوگی۔ اور ہمیشہ مردوں میں گھری رہے گی۔ تمہارے
شوہر مجھ بڑے بھیا کا خیال کیوں کرنے لگے۔ میں خوب جانتی ہوں دنیا
کیسی ہے۔ کیا فائدہ تمہارے کہنے سے۔ (آپ ہی آپ بولتی جاتی ہے
پرویں پرویز کے ساتھ تمہارا رہ جاتی ہے۔ اس کی طرف دیکھتی ہے
اور خاموشی سے انتظار کرتی ہے۔ پرویز لا پرواہی سے دروازہ کی
طرف بڑھتا ہے۔ لیکن اسکی کشش اسے اس کی طرف کھینچ ہی لاتی ہے)
پرویں۔ ٹھیک کہتی ہے تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔

پرویز۔ (تیز ہو کر) پرویں میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔ سنا تم نے۔

ہیں۔ نہیں۔ نہیں کرونگا۔

پرویز۔ تو تم سے کہتا کون ہے حضرت؟ تم کون۔ بھی خواہ مخواہ ۶۶۶
کوئی نہیں کہتا تم سے۔

پرویز۔ ہاں مجھ سے کہتا تو کوئی نہیں۔ لیکن سب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ط
بے۔ محکم محکم میں سب یہی کہتے ہیں۔ اب ہم آٹے ساٹنے آتے ہیں تو
دوسرے بہانے بنا کر ہمیں تنہا چھوڑ چلے جاتے ہیں۔ ارد شیر بھی اب
مجھے دیکھ کر آنکھ بھوں نہیں چڑھاتا۔ اس کی آنکھوں کی چمک سے ایسا
معلوم ہوتا ہے گویا اس نے ہمیں میری زوجیت میں دیدیا ہے۔ کیکی
مجھے تمہاری ماں کے سپرد کرتا ہے اور مجھے مبارکباد دیتا ہے۔
مقصود علی تو علی الاعلان ہمیں اپنی ہونیوالی مالکہ سمجھتا ہے۔ اسی
سبب پہلے مجھ سے ذکر کیا ہے۔

پرویز۔ اسی لئے تم بھاگ گئے تھے؟

پرویز۔ ہاں۔ اور وہاں بھی ایک عاشق لیڑے سے سابقہ پڑا۔ اور

ایک بیگم کوڑے نوڈے کی طرح پکڑوا کر لایا گیا۔

پرویز۔ تو اگر تم شادی کرنا نہیں چاہتے تو مت کرو داسکی طرف پیٹھ
کر کے اطمینان سے بیٹھ جاتی ہے)

پرویز۔ (اس کی طرف مخاطب ہو کر) کیا کوئی آدمی پھانسی پر لٹکنا چاہتا ہے؟

ہم دنیا کی مرضی پر چلتے ہیں۔ اپنی مرضی پر نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں

میری شادی نہ ہو جائے کیونکہ دنیا چاہتی ہے کہ تمہیں ایک شوہر مل جائے۔

پرویں۔ مجھے تول ہی جائیگا کبھی نہ کبھی۔

پرویز۔ لیکن یہ قرعہ فال مجھ دیوانے کے نام پر کیوں الاجایا ہے۔ کیا امانت کو کوئی اور نہیں اٹھا سکتا؟ میرے نزدیک شادی ایک اتحاد ہے۔ میری روح کے جرم کی بے حرمتی ہے میرے شباب کی موت ہے میرے پیدائشی حقوق کا اٹلاف ہے ایک شرمناک اعتراف شکست ہے۔ ابدی غلامی! میں اس پھول کی مانند کلا جاؤں گا۔ جوانی بہار دکھا چکا ہو۔ میں مرد مستقبل سے مرد ماضی بن جاؤں گا۔ میں اوشو ہرو کی آنکھوں میں ایک اطمینان کی جھلک دیکھوں گا کہ ایک اور قیدی ان کے زمرہ میں شامل ہو گیا ہے کہ وہ ان کی ذلت میں ان کا شریک بنے۔ نوجوان لوگ میرا مذاق اڑائینگے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک عورت کے ہاتھ بیچ دیا۔ میں۔ جسے لوگ چیتان خیال کرتے تھے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک عورت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاؤں گا۔

پرویں۔ تو میری دادی کی طرح تمہاری بیوی بھی اپنے آپ کو بد صورت بنائیں گی کوشش کرے تاکہ تم مطمئن ہو جاؤ۔
پرویز۔ تاکہ وہ سہر بازار اپنا جال بچھا سکے اور اس کی فتوحات کی تعداد بڑھ جائے۔

پرویں۔ آخر اس سے فرق ہی کیا پڑیگا۔ خوبصورتی پہلے پہلے تو بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دو چار روز گھر میں رہنے کے بعد خوبصورت

چہرے پر کون رکھتا ہے؟ جب ابا جاں نے ہمارے لئے تصویریں خریدی تھیں تو وہ مجھے بُری اچھی لگتی تھیں۔ لیکن اب تو عرصے سے میں نے انہیں نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ تم میری شکل صورت کی پرواہ مت کرو۔ تم میری صورت کے عادی ہو چکے ہو چاہے چڑیل کیوں ہوں۔ پرویز۔ اے رے تیرے تریا چرتر۔ کیسی باتیں بنانی آتی ہیں تمہیں۔ تم جھوٹ بولتی ہو۔

پرویز۔ تو تم یہ کہنا چاہتے کہ میں چڑیل نہیں حسین ہوں۔ کیوں جی جب تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنا ہے تو تمہیں میرے حق کی تعریف کرنا کیا حق ہے۔

پرویز۔ بس وہی قوتِ حیات "مجبور کرتی ہے" میں اسی کے بس میں ہوں۔ پرویز۔ تمہاری اونٹ ٹیانگ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ پرویز۔ تم لکھی سے شادی کیوں نہیں کرتیں؟ وہ تو تیار ہے۔ جب تک تمہارا شکار تڑپے نہیں تمہیں چین نہیں آتا؟

پرویز۔ (اسکی طرف مڑ کر گویا کوئی راز کی بات کہہ رہی ہے) لکھی کبھی شادی نہیں کر لیا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس قسم کے آدمی کبھی شادی نہیں کرتے پرویز۔ کیا وہ شخص جو عورت کو دیوی سمجھتا ہے۔ کائنات کو محبت کے نعمات کی محفل سمجھتا ہے۔ وہ دل پھینک و فاشنار اور سچا عاشق یعنی لکھی شادی نہ کرے؟ اس کے لئے تو بقول شخصہ ع

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں۔ اور اس کا منزل لڑکین سے

عاشقانہ تھا۔

پیرویں۔ میں جانتی ہوں جانی میاں۔ ایسے لوگ ہمیشہ مجرد گاہوں میں مل
تھاتے ہوئے آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے مکاندار اور ہوٹل
والے ہی ان کے ناز اٹھاتے ہیں۔ اور وہ کبھی شادی نہیں کرتے بشادی
تو تم جیسے آدمی کرتے ہیں۔

پرویز۔ کیسی تلخ حقیقت ہے! یہ احساس ساری عمر میرے دل میں چٹکیاں
لیٹا رہا لیکن میں اسے سمجھا نہیں۔

پیرویں۔ عورتوں کا بھی یہی حال ہے۔ شاعرانہ مزاج کی عورتیں تو نہایت
نازک مزاج۔ اور خوش مذاق ہوتی ہیں لیکن ان کا مذاق ہمیشہ بڑھیا
کنواریوں کا سا ہوتا ہے۔

پرویز۔ بانجھ عورتیں!!! قوتِ حیات انکے پاس سے ہو کر گزر جاتی ہے۔

پیرویں۔ اگر تمہارا مطلب قوتِ حیات سے ہی ہے تو۔ "ہاں"

پرویز۔ تم کیسی کو نہیں چاہتیں؟

پیرویں۔ (آہستہ سے) نہیں۔

پرویز۔ اور مجھے چاہتی ہو؟

پیرویں۔ (راٹھتے ہوئے اور انگلی اس کی طرف کر کے بچاتے ہوئے) جانی میاں

دیکھو ہوش کی دوا کرو

پرویز۔ بدنام! بدکار! شیطان!

پیرویں۔ اجگر! ہتھنی۔

پرویز - مکار !

پرویز - (نرمی سے) مجھے اپنے ہونے والے شوہر کیلئے مکار بننا پڑ گیا۔
 پرویز - میرے لئے ؟ (تصحیح کرتے ہوئے) میرا مطلب ہے۔ اس کے لئے ؟
 پرویز - (تصحیح کو نظر انداز کرتے ہوئے) ہاں تمہارے لئے۔ تمہیں ایک
 ایسی عورت سے شادی کرنی چاہیے جسے تم مکار کہتے ہو۔ جو عورتیں
 مکار نہیں ہوتیں بڑی سمجھدار بنتی ہیں۔ انہیں ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں
 اور مصیبت میں گرفتار ہوتی ہیں اور اپنے ساتھ اپنے شوہروں کو بھی
 لے ڈوبتی ہیں کیا تم چاہتے کہ تمہاری بیوی قابل اعتبار ہو۔

پرویز - نہیں ہزار بار نہیں۔ عورتیں مردوں کو بھی برتنوں کی طرح دھو مانجھ
 کر صاف کر نیکی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن گرم پانی سے نہیں ٹھنڈے پانی سے
 پرویز - تو اچھا تو ہے۔ ٹھنڈا پانی صحت کے لئے مفید ہوتا ہے۔

پرویز - اب تمہیں مذاق سو جھا ہے۔ قوتِ حیات جب اپنے جوش و
 خروش کے ساتھ کار فرما ہوتی ہے تو وہ تمام صفات سے مسلح کر دیتی
 ہے۔ میں بھی مکار اور عیار ہو سکتا ہوں۔ تمہارے والد نے اپنی وصیت
 میں تمہارا سرپرست بنایا تھا۔ میں اسی کا پابند رہوں گا۔

پرویز - (ہلکی آواز میں) وصیت نامہ مرتب کرتے وقت انہوں نے مجھ
 سے دریافت کیا تھا کہ میں کس کو اپنا سرپرست بنانا چاہتی ہوں۔
 میں نے تمہیں منتخب کیا !

پرویز - اچھا تو وہ وصیت دراصل خراب کی ہے ! تو یہ جال شروع

ہی سے بچا دیا گیا تھا۔

پرویں (اپنی تمام سحر طرازیوں کو جمع کر کے) ہاں شروع سے۔
 بچپن سے۔ ہم دونوں کے لئے بچایا تھا۔ قوتِ حیات نے !!!
 پرویز۔ میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔ میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔
 پرویں۔ تم کرو گے۔ تم کرو گے۔

پرویز۔ میں کہے دیتا ہوں۔ نہیں نہیں۔ نہیں۔
 پرویں۔ میں کہتی ہوں۔ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔
 پرویز۔ نہیں۔

پرویں۔ (آخر تک کر) کہیں ایسا نہ پھینٹا پڑے۔
 پرویز۔ (کچھ یاد کر کے) مجھے یاد پڑتا ہے۔ کچھ ایسی ہی باتیں ہیں
 پہلے بھی سن چکا ہوں۔ کیا ہم دونوں خواب دیکھ رہے ہیں؟
 پرویں۔ (آخر کار مایوس ہو کر ایک اضطراب میں جسے وہ چھپانا
 نہیں چاہتی) نہیں۔ ہم جاگ رہے ہیں۔ اور تم "نہیں" کہہ
 چکے ہو۔ بس ختم!

پرویز۔ پھر؟

پرویں۔ پھر یہ کہ مجھ سے بھول ہوئی۔ تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔
 پرویز۔ پرویں کو اپنی ہاتھوں میں لیکر، یہ غلط ہے مجھے تم سے
 محبت ہے۔ قوتِ حیات کے سحر سے میں مسحور ہوا جاتا ہوں۔
 جب تم میری آغوش میں ہوتی ہو تو میں سمجھتا ہوں تمام دنیا سمٹ کر

میری آغوش میں آگئی ہے۔ میں صرف اپنی آزادی - عزت - اور اپنی انفرادیت کا خواہاں ہوں۔

پرویں۔ تمہاری خوشی ان سب کا نعم البدل ہے۔
 پرویز۔ کیا آزادی اور عزت کو خوشی کے دامنوں میں بیچ دیں؟
 پرویں۔ یہ خوشی میرے لئے محض خوشی ہی نہیں ہوگی۔ میری موت ہوگی۔
 پرویز۔ آہ! یہ دخترِ رز ہے۔ تلخ بھی شیریں بھی۔ تم نے میرے کس
 دل پر قابو حاصل کیا۔ کیا اس دل پر بھی جو باپ اور ماں کے لئے
 مخصوص ہوتا ہے؟

پرویں۔ دیکھو جانی میاں۔ اگر ہمیں اس حالت میں کسی نے دیکھ لیا تو
 ہمیں مجھ سے شادی کرنی پڑے گی۔

پرویز۔ اگر ہم تم کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوں تو میں تمہیں اپنے بازوؤں
 میں تھامے ہوئے اوپر سے کود جاؤنگا۔

پرویں۔ (دکلبلائے ہوئے) جانی میاں! مجھے چھوڑ دو۔ میں نے بڑی
 دیدہ دلیری سے کام لیا۔ لیکن اب مجھے جانے دو۔ میں برواشت
 نہیں کر سکتی۔

پرویز۔ میں بھی برواشت نہیں کرنا کاش۔ اسی حالت میں ہم ختم ہو جائیں!۔
 پرویں۔ ہاں میری تمام قوتیں جو اب دے رہی ہیں۔ اب معلوم ہوتا
 ہے میں بے ہوش ہوتی جا رہی ہوں۔ (اس موقع پر نرس اور کیمبا
 اندر آ جاتے ہیں۔ بیگم ہمدانی ساتھ میں ظلمان۔ ارشد شیر۔ سکندر خاں

اور مقصود علی بھی باغ میں داخل ہو کر اندر آتے ہیں پرویز
جھپک کر پروں کو چھوڑ دیتا ہے۔ پروں اپنا ہاتھ اپنی پیشانی
پرے جاتی ہے گویا سر میں سخت درد ہے۔
ظلمان۔ ارے دیکھو تو۔ انہیں تو کچھ ہو گیا۔

ارد شیر۔ ہیں؟ کیا مطلب اس کا؟
نسرین۔ (دوڑ کر آتے ہوئے) کیا تم بیمار ہو؟
پرویں۔ (کروٹ لیتے ہوئے) میں نے جانی میاں سے شادی کرنے کا
وعدہ کر لیا ہے (بے ہوش ہو جاتی ہے۔ نسرین ہتھیلیاں سہلاتی ہے)
پرویز بھاگ کر اس کا سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیتباو نسرین کے
پاس جاتا ہے کہ کچھ کرے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کرے کیا۔ بیگم مدانی
ننگہ کی طرف جاتی ہیں۔ کیتباو۔ ظلمان۔ اور ارد شیر۔ پروں کی
طرف دوڑتے ہیں۔ اور اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ مقصود پروں
کے پاؤں کی جانب آتا ہے اور سندر خاں سر کی طرف۔ دونوں

خاموش ہیں۔ پریشانی کی کوئی علامت چہروں پر نہیں۔
مقصود۔ اچھا تو خواتین و حضرات! ان کے گرد یوں بھیڑ لگانے کی ضرورت
نہیں۔ انہیں ہوا کی ضرورت ہے۔ جتنی ہوا مل سکے۔ تو آپ لوگ ذرا۔
(مقصود سب کو آہستہ آہستہ نرمی سے ہانک دیتا ہے۔ کیتباو بھی
ان لوگوں کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ مقصود پرویز سے کہتا ہے) اب آپ
ان کا سر نہ اٹھائیگا۔ اُسے ایسے ہی رہنے دیجئے کہ سر میں خون دوبار

(جاسکے)

سکندر خان - وہ ٹھیک کہتا ہے - پرویز سرحد کی آب و ہوا سے -
ٹھیک ہو جائیگا - (باہر جلد جاتا ہے)

پرویز - مقصود! میں تمہاری عضویات کی معلومات کا قائل ہو گیا -
چلا جاتا ہے - کیکی فوراً اسے گھیر لیتا ہے)

کیکی - (اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) اب تو خوش ہو جاؤ جانی میاں
پرویز - ارے میں نے تو اس سے نہیں کہا تھا - یہ تو ایک پھندہ ہے جو
پھنسانے کا - (اُگے بڑھ جاتا ہے)

سکندر خان - (بگیم ہدانی راستہ روک کر جو ہاتھ میں برانڈی کا گلاس
ہوئے آتی ہیں) یہ کیا ہے محترمہ؟ (گلاس پیتے ہوئے)
بگیم ہدانی - تھوڑی برانڈی -

سکندر خان - یہ تو پرویز کے لئے سخت مضر ہوگی - اگر اجازت ہو آ
دینی جاتا ہے (سرحد کی ہوا سے سب ٹھیک ہو جائیگا محترمہ!)
تھوڑی دیر کے لئے سب لوگ پرویز کو چھوڑ کر سکندر خان کو د
گئے ہیں -

پرویز - (نہیں کے کان میں) نہیں! جب میں بے ہوش ہونی تھ
جانی میاں کچھ کہا تھا!
نہیں - نہیں تو -

پرویز - آہ (اطمینان کا سانس لے کر پھر بے ہوش ہو جاتی ہے)

بیگم ہمدانی - ارے وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔

دبھر سب دوڑ کر آتے ہیں۔ سکندر خاں انہیں روک لیتا ہے۔
 پرویں (اکسا کر) انہیں میں بے ہوش نہیں ہونی میں بھلی چنگی ہوں۔
 پرویز - (ایکایک بڑھ کر اس کا ہاتھ نسرے سے لیکر نبض دیکھتے ہوئے)
 نبض تو ٹھیک چل رہی ہے۔ اچھا تو اب اٹھ جاؤ۔ بس ہو چکی۔
 کیا مذاق ہے یہ۔ اٹھو۔ (اُسے اٹھا کر بٹھا لیتا ہے)

پرویں - ہاں اب تو میں بالکل اچھی ہوں۔ لیکن جانی میاں تم نے تو مجھے
 مار ہی ڈالا تھا۔

ظلمان - یہ ذرا اٹھ مار قسم کے عاشق ہیں۔ ہے نا؛ بس ایسے ہی عاشق
 اچھے بھی ہوتے ہیں میں بیگم ہمدانی اور پرویز صاحب کو مبارک باد دیتا
 ہوں۔ آپ ہمارے نئے مکانوں میں ہمان رہا کریں گے۔

پرویں - شکریہ (ظلمان کے پاس سے ہوتی ہوئی کیقباد کے پاس جاتی
 ہے) کیکی پیارے! مجھے مبارکباد دو (چپکے سے) میں چاہتی ہوں
 تم میری خاطر آخر بار ذرا رو دو۔

کیکی - اب تم میرے آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھو گی۔ تمہاری خوشی میری
 خوشی ہے اور مجھے تم پر اعتماد ہے چاہے کچھ بھی ہو۔

اردشیر (ظلمان اور پرویز کے درمیان آتے ہوئے) تم خوش قسمت
 انسان ہو جانی میاں! مجھے تم پر شک آتا ہے۔

سکندر خاں - جہرب والا - دنیا میں دو قسم کے عذاب ہوتے ہیں۔

۱۔ فراقِ صحبتِ یلیٰ - صحبتِ یلیٰ - ایک میرے حصے میں
اور ایک آپ کے حصے میں۔

پرویز - سکندر خاں صاحب! میں آرزو و فراق سے بے نیاز ہوں
اور شیر! تمہارے لئے مجھے خوش قسمت کہنا آسان ہے کیونکہ تم
تماشائی ہو۔ جس پر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔ اچھا تو پرویں!
ارے اب تو کبکی پر ڈورے ڈالنا چھوڑ دو! ادھر آؤ۔
پرویں - دوایں آتے ہوئے، ایسی مہمل باتیں کرنے کے تم عادی ہو
د پرویز ہاتھ بڑھا ہے پرویں لے لیتی ہے)

پرویز - میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں خوش قسمت انسان نہیں
ہوں۔ پرویں خوش خوش دکھائی دیتی ہے۔ لیکن وہ صرف فار
اور کامیاب ہے۔ اسے خوشی نہیں کہتے۔ بلکہ یہ وہ قیمت ہے جو
لیکر طاقتور لوگ اپنی خوشی بیچ دیتے ہیں۔ آج ہم نے صرف اتنا
ہے کہ ہم نے خوشی کو ترک کیا ہے۔ آزادی کو ترک کیا ہے
سکون کو ترک کیا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک رومانی اور
کیف زندگی کے تمام امکانات کو ختم کر دیا ہے۔ (اور یہ سب دیکر
صرف گھر بار کی معیبت مول لی ہے۔ کوئی صاحب میری جیب کے
بھروسے بگل پر بادہ و ساغر کا شغل فرمانے کی توقع نہ رکھیں۔
تقریریں فرمانے کی زحمت گوارا نہ فرمادیں۔ ہم اپنے مکان کی آڑ
اپنے مذاق کے مطابق کریں گے۔ اور آپ صاحبان جو تحفے تحائف

عطا کر رہے ہیں۔ مثلاً گھڑیاں۔ سنگھاروان۔ ہدایت نامہ خاوند
 کی کئی جلدیں وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو فروخت کر دیا جائیگا۔ اور اس کی
 قیمت سے ”رفیق انقلاب پسنداں“ کی جلدیں مفت تقسیم کی جائیں گی
 ہمارے بمبئی پہنچنے کے تین روز کے بعد شادی ہوگی پرنس ڈیلسی مجسٹریٹ
 کے ہاتھ سے عقد کی رسم ادا ہوگی۔ وہاں میرا وکیل اور عدالت
 کا اہل کار موجود ہوگا۔ سب معمولی روزمرہ کے کپڑے پہنے ہونگے
 اور۔

نسریں۔ اے توبہ ہے۔ عجب جھکی شخص ہے۔
 پرویں۔ دیرویز کی طرف فخر سے دیکھ کر اس کا بازو سہلاتے ہوئے
 تم ان کی بات کا بُرا نہ مانو۔ پیارے۔ بس تم تو باتیں کہہ جاؤ۔
 پرویز۔ باتیں !!!
 — حقیقہ —



ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ	اسلام کا نظام حیات۔ عبدالمہاب ظہوری
سید عبدالباری ایم لے تین روپیہ بارہ آنہ	چار روپیہ چار آنہ
ہندوستان کی سیاسی الجھنیں	تاریخ اسلام کے حیرت انگیز نکات تین روپیہ بارہ آنہ
نیس الاحرار مولانا محمد علی دو روپیہ بارہ آنہ	فائیت۔ شاہد زاتی ایم لے عثمانیہ دو روپیہ بارہ آنہ
اچھوت اور ہندوستان علامہ عبد القدوس	قائدین کے خطوط جناح کے نام ترجمہ عبد الرحیم
ذریعہ طبع دو روپیہ بارہ آنہ	دو روپیہ
تصورات پاکستان۔ قائد اعظم محمد علی جناح	گاندھی جناح مراسلت بارہ آنہ
دو روپیہ بارہ آنہ	انادات محمد علی۔ رئیس احمد جعفری۔
تشریحات پاکستان۔ علامہ عبدالقدوس ہاشمی	تین روپیہ بارہ آنہ
دو روپیہ چودہ آنہ	مقالات جمال الدین افغانی مبارزالدین رفت
معاشیات پاکستان۔ رر یک روپیہ دس آنہ	دو روپیہ چودہ آنہ ایم اے۔
ہمارا پاکستان۔ علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۲	مقام جمال الدین افغانی رر
پاکستان مخالفین کی نظریں مولوی حسن ندوی	تین روپیہ
ایک روپیہ	اسلام کا نظام عدالت و سیاست پروفیسر
اسلام کے سیاسی تصورات۔ پروفیسر	یعقوب الرحمن عثمانی جامعہ عثمانیہ۔ دو روپیہ بارہ آنہ
غلام دستگیر رشید۔ ایم اے عثمانیہ دو روپیہ بارہ آنہ	تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ علامہ شمس الرحمن
حکومت ہاشمیہ رئیس احمد جعفری۔ دو روپیہ چودہ آنہ	تین روپیہ آٹھ آنہ

